

معاد

جلد دوم

تالیف

حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی

مترجم

مولانا حسنین گردیزی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 افضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ 0321-4481214, 042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

معاد جلد دوم	نام کتاب
حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی	تصنیف
حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا ذوالفقار علی سعیدی قتی	مترجم
المحمد گرافکس لاہور فون: 301-7229417	کمپوزنگ
قلب علی سیال	فنی معاونت
مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان	ناشر
ایک ہزار (۱۰۰۰)	تعداد
اول	طبع
	قیمت

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ کی ان صدقات جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تاقیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔ موجودہ کتاب ”معاد“ حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی کی تصنیف ہے جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے سینکڑوں سوالوں کے جوابات موجود ہیں کتاب کا نام اگرچہ معاد ہے لیکن اس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ آپ کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔ یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست معاذ جلد نمبر 2

صفحہ نمبر	عنوان
14	باب نمبر 11
14	دنیا کی عمر کا خاتمہ
14	کائنات اور اس کا آغاز و انجام
14	آسمانوں اور زمین کی عمر
15	انسان کی حتمی اور غیر حتمی اجل
16	وضاحت:
17	اجتناب ناپذیر سر نوشت
17	طبعی اور غیر طبعی موت
18	نوع کی نابودی
18	اُمّتوں کی اجل
19	انسان اور کائنات کی موت کا موازنہ
20	سورج میں تغیر
20	مستقبل میں زمین کا درجہ حرارت
21	کائنات کی نابودی اور انسانی نسل کا خاتمہ
21	فضا میں ستارے کا دھماکا
22	نظام کائنات میں خلل
23	ستاروں کا گرنا
23	کائنات کے عظیم دھماکے
24	دھماکوں کے بارے میں نظریات
24	حرارتی افعال و اثرات
25	الہی ارادہ اور آفرینش
26	کائنات کی نابودی کا سبب
27	ناگہانی صیحہ
28	گذشتہ اُمّتوں کی ہلاکت
28	ظالم قوم کی موت
29	حضرت صالح کی قوم اور صیحہ جبرئیل
30	بم دھماکے کی صدا
30	سائنس دان اور صوتی لہریں
30	انسان اور سمعی امواج
31	انسان کی قوتِ سماعت کی حدود
31	حیوانات کی قوتِ سماعت
32	صوتی لہریں اور جاندار
32	ماوراء صوت کی شعاعوں کے اثرات
32	مار دینے والی صیحہ اور کائنات کی فنا
33	محشر کے دن دوسری صیحہ
33	صور کا پھونکنا
34	صوتی لہروں کی پیدائش
34	اسرافیل اور صور کا پھونکا جانا
35	پروردگار کا حکم تکوین
36	سائنسی ترقی اور مسئلے کا حل
36	ماوراء صوت کی تجربہ گاہیں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
55	تغیر ناپذیر حقیقت	38	صور اسر ایل کیا ہے؟
55	شکمِ خاک سے مردوں کا باہر آنا	38	صورِ نور کی شاخ
57	بارانِ حیات کا نزول	39	نور اور صوتی لہروں کا منتشر ہونا
59	باری باری موت و حیات	40	مشرک اور موحد کی موت میں فرق
59	آخرت اور مطلق حیات	40	ایک مجہول مطلب
60	زمین کا بات کرنا	41	انسانی علم کی نارسائی
61	اجزاء زمین کی حیات	42	اہل آسمان و زمین کی ہلاکت
62	درختِ طوبیٰ	43	لرزادینے والی شدید چٹنگھاڑ
64	حیات کے بلند ترین مدارج	44	طاقت فرسادن
64	سوئے ہوئے اور بیدار انسان میں فرق	45	باب نمبر 12
64	آخرت اور انسان کا تکامل	45	موت کے پیام رساں نفع سے پہلے
65	ابدی عذاب کی توجیہ	45	خوف و ہراس کا بیان
66	انسان اور انتخاب کا حق	46	جلد لاحق ہونے والا بڑھاپہ اور خوف
66	بکا ہوا انسان	47	کائنات کی فنا کا نفع
67	انسان اور خود سازی	48	دونوں کا درمیانی فاصلہ
67	جہلی خواہشات کا ہجان اور عقل کی تیرگی	49	صور پھونکنے کے دو متضاد اثر
68	انبیاء اور عقل کی تقویت	50	حقیقت صور سے ہماری عدم آگاہی
69	ہوائے نفس پر تسلط	50	کلمہ الہی یا فرمانِ حیات
69	عملِ عدل کے مطابق	51	کو تاہ فکر افراد اور باطل خیال
70	عقل ہو اور ہوس کی قید میں	52	دنیا اور آخرت کے قوانین میں فرق
70	بد اخلاقوں کا حشر و نشر بصورتِ حیوان	52	شکمِ زمین اور شکمِ مادر
71	بندرد اور خنزیر کی شکل، لوہے اور لنگڑے افراد	53	موجود زندہ کی ایک بنیادی اکائی
72	پیٹ کے بل چلنے والے	53	طینت یا عنصر پائیدار
74	شکلوں میں تفاوت کا معیار	54	عالمِ طبیعت کے بارے میں شبہات
74	نور اور ظلمت کے سوراخ	54	انسان کا جز اصلی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
90	الہدایت اور متکلمین کا نظریہ	76	باب نمبر 13
90	جسمانی معاد اور روحانی معاد	76	مادی نظریہ کا نکتہ
91	معاد جسمانی کے منکرین کی دلیل	76	جاودانی روح کا انکار
91	منکرین کی دلیل کا جواب	77	بروسیز کی گفتگو روح کے بارے میں
92	امام صادق علیہ السلام کا کلام	77	اللہ پر ایمان نظریہ کی حد تک
92	شبہہ آکل و ما کول	77	انبیاء کی باتوں کا انکار
93	متکلمین کے کلام کی تائید	78	کافروں کی گفتگو
93	صدر الدین شیرازی کا جواب	79	مادہ پرست
94	فیض کاشانی کی بات	80	ادیان الہی سے جنگ
95	اجزائے بدن میں تبدیلی	81	کچھ ڈاکٹر ارانی کی گفتگو کے بارے میں
96	اجزاء بدن کی تبدیلی	81	کمپوزم اور سرمایہ داری کا تضاد
96	عضو کی کمی اور ثابث شخصیت	82	انقلاب اسلامی ایران
97	حالات کی تبدیلیوں میں شخصیت کی بقاء	82	پروفیسر یونگ کی بات
97	جزا اور سزا کا معیار	83	ڈاکٹر کارل کی گفتگو
98	محقق دوانی کی بات	83	ڈاکٹر ارانی کی تحلیل
99	معاد جسمانی ضروریات دین میں سے ہے	84	ڈاکٹر ارانی کی باتوں کا جواب
99	روحانی اور جسمانی اجزاء	84	منکر معاد خدا پرست
100	رضوان الہی	86	تبدیلیوں کا الہی علم
101	جسمانی سزا	86	منکرین معاد کو قرآن کا جواب
101	روح کی سزا	87	معاد پر ایمان رکھنے والے خدا پرست
102	معاد یا قطعی سرنوشت	87	مسئلہ معاد
102	نظام تکوینی کا جبر	88	علم کلام کی پیدائش
104	عمر زود گذر	88	فلسفی کتب کا ترجمہ
105	عارضی دنیا	89	معاد کے بارے میں نظریات
106	زندگی ایک خواب ہے	90	ابن سینا اور معاد جسمانی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
123	دنیا اور آخرت کا فرق	107	مفید اور بار آور بیداری
124	عارضی دنیا اور جاویدانی آخرت	108	باب نمبر 14
124	رازوں کا آشکار ہونا	108	دنیا اور تکوینی قوانین
124	صدر المتاہلین کی گفتگو	108	انسان اور تشریحی قوانین
127	تجسم اخلاق	109	جہان کی فنا اور قوانین کی منسوخی
127	آج کا علم اور تجسم عمل	109	وحشت ناک تین روز
128	مادے اور انرجی کا رابطہ	110	آخرت اور نئے قوانین
129	بقاء توانائی کا قانون	110	نور آفتاب اور زندگی
130	فلاسفہ اور فزکس دانوں کا نظریہ	111	دنیاوی اور اخروی حیات میں فرق
131	عمل کی بقاء یا انرجی کی بقاء	111	بہشت کا دلپذیر نور
132	قلب و جوارح کے واجبات	113	بہشت کی معتدل آب و ہوا
133	توانائی کا وجود اصل	113	بہشت کی نعمتیں
133	اعمال کا عیاں ہونا	114	اعمال کا مجسم ہونا
137	باب نمبر 15	114	عالم برزخ اور اعمال کا تمثیل
137	طاقت فرسادل	115	تمثیل عمل اور نیت
138	قرآن اور اسامی قیامت	116	عمل اور صاحب عمل
138	حق و عدالت کا دن	116	اچھے اعمال کی زیبائی
138	منکرین معاد	117	عمل اور صاحب عمل کا مکالمہ
139	انبیاء الہی کی باتیں	118	فلاسفہ اور متکلمین کا نظریہ
139	حتمی الوقوع یوم حق	118	جوہر اور عرض کی بحث
141	ظلم یا علامت عجز	119	آیات اور اخبار کی تاویل
141	انسان اور فردی و اجتماعی زندگی	120	اعمال کے دیکھنے کے بارے میں
143	معاشرہ اور ہمہ گیر بلائیں	120	پینچبراکرم کا قیس کو موعظہ
143	اشرا خلق سے بے نیازی	121	اچھائیوں اور بدیوں کا تمثیل
144	دوست و دشمن کے ساتھ عدل کا برتاؤ	123	فلاسفہ کا محدثین پر اثر

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
164	روزِ آگاہی	145	گناہگاروں سے جنگ
164	معنوی طاقت کا اثر	146	پاکیزہ افراد کا غیر پاکیزہ سے جدائی کا دن
165	دولت اور عہدے کی طاقت	147	انفرادی سودو زیاں
165	طاقتوں کے زوال کا دن	148	رازوں کا عیاں ہونا
166	صاحبِ قلب سلیم	148	سیاہ چہروں والے
167	پاکیزہ دل انصاری	149	شاداب چہرے
167	تمام پہلوؤں سے دل کا سالم ہونا	150	گنگا ہاروں کے چہرے
168	مذموم دنیا کی شناخت	151	اتجھے اور برے لوگوں کے رخسار
169	باب نمبر 16	151	روزِ حسرت
169	نیند کا عالم اور بیداری	152	دردناک افسوس
169	وحشت ناک بیداری	152	کھیتی آخرت
170	خوفناک دعوت	153	عمر کی بربادی
171	اعمال کی سزا کا خوف	153	فرصتِ دنیا سے فائدہ اٹھانا
172	وسائلِ دنیاوی سے انقطاع	154	قابل توجہ نکتہ
172	سیاہ نامہ اعمال	154	بے فائدہ ندامت
173	ذلت آمیز سزا	156	شدید ترین افسوس
173	ایک مقام پر توقف	157	روزِ حسرت و ندامت
173	پچاس ہزار سال کا دن	158	برے ساتھی کا خطرہ
174	گناہوں میں فرق	160	قیامت یا پیشی کا دن
174	ظلم کی تین قسمیں	161	اہل آسمان اور زمین کی ملاقات
175	شرک یا نہ بخشا جانے والا گناہ	162	قیامت یا یومِ مظلوم
176	اہل شرک کے متعلق امام کا قول	162	تمام انسانوں کے جمع ہونے کا دن
177	لوگوں کے مالی حقوق	162	اخذ کرنے میں غلطی
178	شہید اور قرضہ	163	معاملہ محشر میں غبن
179	امام اور قرض متونی	164	ضرر رساں تجارت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
195	شوہر اور بیوی کو نصیحت	179	عمر اور جوانی کے بارے میں سوال
197	مصاحب کے بارے میں سوال	180	مالی امور کے متعلق سوال
197	باطنی صفات کی تحقیق	181	معاشرہ اور دولت کے اثرات
197	حیوانات کے متعلق مواخذہ	181	غلط و حرام پیشے
198	حیوانات کے متعلق مواخذہ	182	جواد و رجاہلیت میں
198	زمین کے بارے میں مواخذہ	182	مقروض کی موت کے بعد پریشانی
198	حیوانات کے حقوق	183	اپنے خود و وصی بنو
199	حکومت اور مالک پر زبردستی	183	بنی امیہ کا مثنیٰ
200	جانوروں پر ظلم یا ترہم	185	حب اہل بیت
200	دو عورتوں کی جزا و سزا	185	جن کی مودت واجب ہے
201	انسان اور زمین کی آبادی	186	اصحاب کسا
202	زراعت اور شجر کاری	187	پیغمبر اسلام کا اجر
202	تمام گفتگو کا نتیجہ	187	اہل سنت کی روایات
204	باب نمبر 17	188	کتاب و عمرت کی امانت
204	لامحدود خواہشات کی تکمیل	189	اختیار کی وضاحت
204	دنیا میں آزادی بشر	189	مودت معرفت کے بعد
205	ظالم میدان قیامت میں	190	ایک روشن مثال
205	دو مطلب مادی نظر میں	190	محبت حب ذات کی بنیاد پر
206	مادی اور الہی فرق	191	کشتی نوح کی مثال
206	سب چیزیں لوح محفوظ میں	192	عوام اور اہلبیت
207	انسان اور عالم تصور	192	بے اعتنا گروہ
207	ارادہ الہی	192	دشمن اور ضدی گروہ
208	ایجاد و احداث	193	برتری حاصل کرنے کا انگیزہ
209	تمام انسانوں کا زندہ ہونا	194	نعمت کے بارے میں سوال
209	الہی عدالت	195	موت کے بعد پہلا سوال

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
225	فرد اور امت کے گواہ	210	دین الہی یا راہ سعادت
226	رویے اور روش کی وحدت	210	زندہ موجودات اور ہدایت تکوینی
227	فرد کی معاشرے میں حیثیت	211	انسان اور ہدایت تشریحی
227	دور جاہلیت کے عربوں کے امتیازات	211	طبیعی زندگی اور موت
227	اسلام اور رسوم جاہلیت	211	حیات انسانی اور انبیاء الہی
228	امت اور فرد کی مسئولیت	212	تکوینی صراطِ مستقیم
228	فرد اور امت کا محاسبہ	212	تشریحی راہِ مستقیم
229	امت کا نامہ اعمال	214	فکر و عمل کا رابطہ
229	لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	215	کراما کا تبیین
230	وحشیانہ ظلم	215	قیامت اور نامہ اعمال
230	ظلم کا ریشہ	216	فراموش اعمال
231	ظلم پر راضی ہونا	216	علم الہی اور اعمال بشر
232	ایک سوال بغیر جواب کے	217	اعمال کا محو اور مثبت ہونا
232	نامہ اعمال	217	لوگوں کے اعمال کا مثبت ہونا
233	صحیفہ عمل یا کتاب لوح	218	اچھی اور بری سنت کی تائیس
234	سرنوشت سے آگاہی	219	موت کے بعد نیکی اور بدی
235	کتاب ابرار اور کتاب فجار	220	استوار و محکم اثرات
236	مقربین کا گروہ	221	سود مند علم
236	پاکیزگی اور خلوص کے نمونے	221	صدقہ جاریہ
238	باب نمبر 18	222	نیک فرزند کی دعا
238	الہی انسان کا جذبہ	223	اولاد کا عمل خیر
238	جزا و ثواب کی خدا سے امید	223	عذاب میں گرفتار باپ کی نجات
238	مادہ پرست شخص کا جذبہ	224	فرد و امت کی مشترک باتیں
239	ایک سوال کا جواب	224	فرد اور امت کی موت
239	دنیا اور آخرت کے طلب گار	225	فرد اور امت کا نامہ عمل

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
260	اسلام قبول کرنے سے پہلے کے گناہ	240	خدا کی خاطر خدمتِ خلق
260	شہادت اور گناہوں کی بخشش	240	ہوا و ہوس کی خاطر خدمت
261	گناہانِ صغیرہ سے درگزر	242	خلوص نیت اور اخروی ثواب
626	تائب راہزن	242	سراب کی مانند اعمال
264	راہزن کی مستجاب دعا	243	غیر قابلِ عفو گناہ
265	اعلانِ صدقہ دوسروں کی ترغیب کے لئے	244	دکھاوے کی عبادت
265	سب یا بعض گناہوں کی معافی	245	خلوص عمل کیا ہے؟
266	خوف ورجا کا نور	245	عمل کی پاکیزگی
266	خوف ورجا کے درمیان حرکت	246	خلوص کے درجات
267	خوف ورجا میں توازن	247	احرار کی عبادت
268	روح اور جسم کے ایک دوسرے پر اثرات	247	قیامت میں باز پرس
270	باب نمبر 19	248	ثروت مندوں سے باز پرس
270	اجتماعی زندگی اور خواہشات کی محدودیت	249	میدانِ جنگ کا مقتول اور حساب و کتاب
270	قانون کی پناہ میں امان	249	ریا کاروں کی جزا
271	ناجائز قوانین کی منظوری	250	ظاہر نیک باطن برا
271	حق، باطل سے مخلوط	250	سائنسدانوں کا ثواب
271	افراد اور قوموں کے حقوق کی پامالی	251	اساتذہ کی تشویش اور نوبل انعام
272	قیامت اور حق کا قیام	251	اعمالِ صالحہ کے لئے بلائیں
272	اول: حاکمیت الہی	253	انحراف کا محیط عمل پر اثر
273	روزِ جزا کی فرمانروائی	254	آیاتِ الہی سے کفر
274	حکومتِ خدا سے مخصوص ہے	255	منادیاں عدل کا قتل
275	دنیا میں بشر کی حکومت	256	دنیا کے پجاری
275	آخرت میں اختیار کا خاتمہ	257	اعمال اور زراعت میں مشابہت
275	دوم: عدل و انصاف پر مبنی فیصلے	257	حبطِ اعمال کے مختلف عوامل
276	ظلم سے پاک فیصلہ	258	گناہوں کی پردہ پوشی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
290	گناہگار اور فرشتوں کی گواہی کا جھٹلانا	277	بے انصافی کی وجہ
291	گناہگاروں کے اعضاء کی شہادت	277	ظلم سے مبرا ذات
291	مجرموں کا اپنے جوارح پر اعتراض	278	استحقاق کی بنیاد پر جزا و سزا
292	مجرموں کو اعضاء کا جواب	278	گناہگاروں کی بخشش
293	جھوٹے افراد دنیا اور آخرت میں	279	نیکیوں کی جزا اور وعدہ خلافی
294	شاہد گناہ خود روز جزا کا قاضی ہے	279	بروں کو سزا اور اللہ کی مرضی
295	امتوں اور افراد کے درمیان مشترکات	279	ایک نیکی کا ثواب
295	قیامت میں امتوں کا گواہ	280	ایک گناہ کی سزا
296	امت اسلام کا گواہ	281	خدا کے لئے نیت گناہ کا ترک کرنا
297	آئندہ امت پر گواہ اور پیغمبر آئندہ پر گواہ	281	امام سجاد کا کلام
297	رسولوں کا پیغمبر اکرم سے گواہی چاہنا	282	سات سو گناہ سے بھی زیادہ اجر
298	افراد پر گواہ	282	دنیاوی وسائل کا بے اثر ہونا
298	فرشتوں کی گواہی	283	رشتہ داریاں اور قرابتیں
299	زمین کی گواہی	283	والدین اور اولاد
300	کوزہ اور کوزہ گر کی صدا	284	مال اور اولاد
300	نمازی کے لئے مسجد کی شہادت	285	زیر بحث آیات کا نتیجہ
301	دنوں کی شہادت	285	مجرم اور جرم کا انکار
302	نعمتوں کی شہادت	286	بے گناہی کی قسم
304	باب نمبر 20	286	آج کی دنیا میں ذرائع
304	قیامت اور احکام الہی	286	واقعہ جرم کی فلم
304	عدل الہی اور باریک حساب	287	ٹیپ ریکارڈ
304	عفو الہی اور تفضل	287	مجرم کی انگلی کے نشانات
305	فضل و رحمت کی امید اور عدل سے ڈر	288	اللہ کی عدالت میں گناہگاروں کا طریقہ کار
306	غریب مقررہ صوموں سے حسن سلوک کا اثر	288	انبیاء اور امتوں سے پوچھ چگھ
306	انسان فضل الہی کا محتاج ہے	289	مشرکین کی جھوٹی قسمیں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
323	ایمر جسی مریض اور خطرے کا الارم	307	صحیفہ سجاد یہی دعا
324	پیغمبر اسلام اور لوگوں کو انذار	307	رحمت الہی پر اعتماد
324	ننگا ڈرانے والا	308	فیض الہی کے لئے ناقابلیت
325	دشمن کے حملے کا خطرہ	308	فضل الہی صفت کمال
325	امام کاظم کی حدیث	309	رحمت خدا کی امید
326	امید اور خوف کا معیار	310	خدا پر حسن ظن
327	خوف ورجا کے درمیان سفر	311	امید وار شخص کی بات
327	دو کبیرہ گناہ	311	اللہ کا بندوں سے سلوک
328	امید و خوف کے مابین	312	رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ
328	مومن افراد کی روش	313	علم الہی کے بارے میں بدگمانی
329	رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر	314	ناامیدی کا خطرہ
329	خدا پر حسن ظن کے معنی	314	تو بہ امید ہے
329	سوال اور جواب	315	گناہوں کے داغوں کو دھونا
330	خدا سے ڈر یعنی اپنے گناہوں سے ڈر	315	وجدان کے خلاف گناہ
331	خدا سے خوف	316	دیوانگی ضمیر کے شکنجے
332	علم و آگاہی کا مقام	317	اموی قاضی اور بے گناہ کا قتل
332	عادل وزیر انصاف کا ڈر	317	قاضی کا پاگل پن
332	انسانی قتل اور وزیر انصاف کا عہدہ	319	موت کے وقت خدا پر حسن ظن
334	مغفرت اور عفو الہی	320	خوف ورجا میں توازن
336	اولیاء دین اور امید و خوف کی وصیت	321	سرکشی اور غرور امید کے نام پر
		321	امید کی پہچان اسلام کی کسوٹی پر
		322	امید کے متعلق گفتگو
		322	انبیاء اور خوف ورجا
		322	بشارت اور انذار کی بنیاد پر دعوت
		323	ڈاکٹر اور مریض

باب نمبر 11

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دنیا کی عمر کا خاتمہ

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّبُونَ ﴿٥٠﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ
تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥١﴾

کائنات اور اس کا آغاز و انجام

یہ عظیم کائنات اور اس کے تمام موجودات نہ ازلی ہیں اور نہ ابدی، نہ یہ ہمیشہ سے تھے اور نہ یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان سب سے خاص شرائط اور معین حالات کے تحت جامعہ ہستی زیب تن کیا ہے، ان کی عمر محدود اور اجل معلوم ہے اور جیسے ہی ان کے ایام گزر جائیں گے اور ان کا دور ختم ہو جائے گا تو یہ نظام تکوین کے جبر کے تحت نابود و فنا ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو دین اور علم کی نظر میں ثابت اور محقق ہے۔

قرآن شریف نے آسمانوں اور زمین کی محدود عمر کے بارے میں اور اسی طرح تمام ارضی و سماوی موجودات کی محدود عمر کے بارے میں مختلف الفاظ اور پیرائے میں بات کی ہے۔ اور اس حقیقت کا جو ان سب کا قطعی مقدور ہے۔ مختلف تعبیروں سے ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ میں سے ایک لفظ ”اجل“ اس عالم کے تمام موجودات کی محدود عمروں کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ اور خدا کی کتاب میں یہ کلمہ بار بار تکرار ہوا ہے۔ یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ آسمانوں، زمین اور ان میں موجود مخلوقات کی خلقت کے بارے میں اور یہ کہ وہ معین ”اجل“ رکھتے ہیں، فرمایا:

آسمانوں اور زمین کی عمر

مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ ﴿٢﴾

﴿١﴾ (یٰس ۳۹-۵۰)

﴿٢﴾ روم ۸-

اللہ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو خلق نہیں کیا مگر حق وعدالت کے ساتھ، اور یہ سب مقرر مدت اور معلوم عمر کے لیے ہیں۔

سورج اور چاند کے محدود دوران کے بارے میں فرمایا:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ﴿١١﴾

اللہ نے سورج اور چاند کو مقہور اور مسخر فرمایا ہے اور یہ دونوں مقرر مدت تک اپنے بتکوینی راستے پر چلتے رہیں گے۔

انسانوں کی خلقت اور ان کی اجل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۖ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهُ ۖ ﴿٢﴾

وہ وہ خدا ہے جس نے تمہیں پانی سے مخلوط مٹی سے خلق کیا اور ہر ایک کے لیے ایک مدت مقرر کی اور خدا کے نزدیک ہے قطعی اجل جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے آسمان، زمین اور ان کے درمیان پائے جانے والے تمام موجودات، اسی طرح سورج اور چاند کے بارے میں ”اجل مسمیٰ“ کا ذکر کیا ہے لیکن انسان کے بارے میں کلمہ ”اجل“ استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ”اجل مسمیٰ“ کا بھی ذکر ہے اس کے بعد یاد دلایا ہے کہ یہ اجل مسمیٰ اللہ کے نزدیک ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے لیے کیوں دو بار لفظ ”اجل“ استعمال کیا گیا ہے۔ اور ان دو ”اجل“ کا آپس میں فرق کیا ہے؟

مفسرین نے انسان کی اجل اور اجل مسمیٰ جو انسان کے لیے استعمال ہوئی ہے، کے بارے میں مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض نے یہ احتمال ذکر کیا ہے: پہلی اجل ولادت سے لے کر موت تک اور اجل مسمیٰ موت سے لے کر قیامت تک ہے۔

انسان کی حتمی اور غیر حتمی اجل

لیکن جو کچھ معصومین کی روایات میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد غیر حتمی اجل ہے اور یہ قابل تغیر ہے اور

﴿١﴾ رعد- ۲

﴿٢﴾ انعام- ۲

اجل مسمی حتمی اور قطعی ہے۔ حمران کہتا ہے:

عن حمران، عن ابی جعفر علیہ السلام قال: سئلته عن قول اللہ عزوجل "قضى

اجلا و اجل مسمی عندہ" قال هما اعلان اجل مختوم و اجل موقوف [۱]۔

میں نے امام باقر علیہ السلام سے "اجل" اور "اجل مسمی" کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: یہ دو اجل ہیں ایک اٹل اور حتمی اجل ہے اور دوسری مشروط اور قابل تغیر۔ امام صادق علیہ السلام نے دو اجل کی تفسیر میں فرمایا:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قوله تعالیٰ "ثم قضی اجلا و اجل مسمی

عندہ" قال: الاجل الذی غیر مسمی موقوف یصنع اللہ ما یشاء و اجل

مختوم۔ [۲]

غیر مسمی اجل موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا عمل کرے گا یعنی مقدم و مؤخر ہو سکتی ہے جب کہ دوسری اجل حتمی اور تغیرنا پذیر ہے۔ حصین نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے دو اجل کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

عن حصین عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قوله "قضى اجلا و اجل مسمی

عندہ" قال: ثم قال ابو عبد اللہ (ع) الاجل الاول هو ما نبذہ الی الملائکة

والرسل والانبیاء و الاجل مسمی عندہ هو الذی سترہ اللہ عن الخلائق۔ [۳]

پہلی اجل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انبیاء کو القاء کرتا ہے اور انھیں اس سے آگاہ کرتا ہے اور اجل مسمی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھتا ہے اور اس کا روبرو عمل آنا ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔

وضاحت:

موت انسان کے لیے حتمی انجام اور قطعی مقدر ہے کوئی بھی شخص اپنے آپ کو مقام و مرتبے کی وجہ سے یا کسی حیلے اور تدبیر کے ذریعے سے موت کے چنگل سے نہیں چھڑا سکتا اور خود کو اس اجتناب نا پذیر قضاء سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

[۱] کافی، جلد اول، باب الہدایہ ص ۱۳

[۲] تفسیر المیزان، ج ۷ ص ۱۲

[۳] تفسیر برہان، ج ۱ ص ۵۱

اجتناب ناپذیر سر نوشت

آيِنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيْدَةٍ ۗ ^[۱]

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں ضرور آ لے گی اگرچہ تم بلند و بالا اور محکم حصاروں اور برجوں میں ہی کیوں نہ جا رہو۔

انسان کی موت دو صورتوں میں واقع ہوتی ہے طبعی یا غیر طبعی۔ وہ شخص جو صحت کے اصولوں کا تمام مراحل میں خیال رکھتا ہے اپنی زندگی کے دوران میں موت کے منہ میں پہنچانے والے یا بیماری کا سبب بننے والے حادثات کا شکار نہیں ہوتا اس کی عمر کا دھاگہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ آخر کار بڑھاپے کی شدت اور زندگی کی توانائیاں ختم ہونے کی وجہ سے اس جہان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ یہ شخص طبعی موت مرا ہے۔ وہ شخص جو اپنی زندگی کے سفر میں آدھے راستے میں کسی جان لیوا حادثے کے سبب مرجاتا ہے اور اس کا چراغ زندگی طبعی وقت سے پہلے خاموش ہو جاتا ہے۔ جب کہ اس کے بدن کی توانائیاں ابھی باقی ہوتی ہیں۔ ایسا شخص غیر طبعی موت مرا ہے۔

طبعی اور غیر طبعی موت

وہ اموات جو صدقے، صلہ رحمی، دعا اور ان کی طرح دیگر امور کی وجہ سے ممکن ہے تاخیر میں پڑ جائیں اور اسی طرح وہ اموات جو بعض گناہوں کے اثر سے جلدی واقع ہو جائیں ان کو ”اجل“ کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ اموات جن کا وقت قضاء الہی کے مطابق حتمی ہے اور جسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کو قرآن مجید میں ”اجل مسمی“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ موت کسی صورت میں بھی مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں اس کو نفی ابد یعنی ناممکن امر، سے یاد فرمایا ہے:

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا. وَاللهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ^[۲]

اجل مسمی یعنی ناقابل تغیر موت، صرف کچھ اشخاص سے مخصوص نہیں بلکہ انسان اور سب حیوانات کے لیے اجل مسمی ہے جس کا علم پروردگار عالم کے پاس ہے۔ ان میں کسی ایک کی عمر جس وقت اختتام پذیر ہوتی ہے اور اس کی اجل مسمی آپہنچتی ہے ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر کے بغیر وہ نابود ہو جاتا ہے اور موت اس کی حیات نوعی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

[۱] النساء ۷۸

[۲] المؤمنون ۱۱

نوع کی نابودی

اب تک ہونے والی تحقیقات اور ریسرچ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گذشتہ زمانوں میں روئے زمین پر حیوانات کی ایسی انواع موجود تھیں جن کی عمر لاکھوں برس تھی ان کی اولاد ہوئی اور نسلیں چلیں۔ جونہی ان کی اجل پہنچی اور ان کی عمر اختتام پذیر ہوئی۔ قضاء تکوینی الہی سے ان کی انواع نابود اور ہلاک ہو گئیں اور انسان اپنی علمی کاوشوں سے فقط ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے دریافت کر سکا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيٍّ يَبْطِئُ بِحَنَائِهِ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَلَكُمْ ط [۱]

زمین پر حرکت کرنے والا کوئی حیوان اور اپنے دو پروں سے اڑنے والا کوئی طائر ایسا نہیں کہ جو تمہاری طرح امتوں سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْجِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ [۲]

ہر امت کے لیے ایک حتمی اور قطعی اجل مقرر ہے اور جب اس کا وقت آن پہنچے گا ایک لمحہ بھر کی تاخیر اور تقدیم کے بغیر ان کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

امتوں کی اجل

جیسا کہ انسان کے لیے لفظ امت استعمال ہوتا ہے۔ پہلی آیت میں زمین پر تمام حرکت کرنے والوں اور سب ہوا میں اڑنے والوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ دوسری آیت میں امت کی موت کا تذکرہ ہے اور یاد دہانی کروائی گئی ہے کہ افراد کی مانند امتوں کے لیے بھی اجل مسمی ہے۔ جونہی مقررہ وقت پہنچتا ہے وہ بغیر لمحہ بھر کے تقدم و تاخر کے ان کو آلیتی ہے۔ سورج، چاند، آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق انسان اور حیوانات کی طرح اجل مسمی اور ناقابل تقدیم و تاخیر انجام سے دوچار ہوں گے اس بات کے پیش نظر کہ اجل مسمی کا علم ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ یہ کہنا پڑے گا کہ اس کائنات کی نابودی کے قطعی وقت سے اور اسی طرح اس کی کیفیت سے اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی بھی آگاہ نہیں ہے اور اگر علم فلکیات کے ماہرین اس بارے میں کوئی بات کرتے ہیں تو یہ ایک فرض اور احتمال کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کبھی نہایت دانا اور حاذق طبیب ایک پچاس سالہ شخص کا ہر لحاظ اور تمام جہتوں سے اس کا معائنہ کرتا ہے اور

[۱] الانعام-۳۸

[۲] الاعراف-۲۳

ضروری ٹیسٹوں کے بعد تمام پہلوؤں سے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ شخص بالکل صحت مند ہے اگر طبعی زندگی گزارے اور کسی حادثے سے دوچار نہ ہوں مثلاً کرنٹ لگنا، جل جانا، غرق ہو جانا، بلندی سے گرنا، بس کا حادثہ وغیرہ وغیرہ، تو یہ شخص سوسال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ طبیب یہ نہیں جانتا کہ یہ شخص کسی جان لیوا حادثے کا شکار ہوگا یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ خود جانتا ہے کہ بنا بر فرض اگر مذکورہ شخص کسی خطرناک حادثے کا دوچار نہ ہو اور ناگہانی موت اس کو نہ آئے، تو پھر بھی اس کی عمر کی آخری حد کو معین کرنے کے لیے سوکا عدد قطعی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ سوسال سے چند سال یا چند ماہ پہلے مر جائے یا سوسال کے بعد دنیا کو خیر باد کہے۔ مختصر یہ ہے کہ ڈاکٹر جتنا بھی ماہر ہو وہ اپنے علمی حساب کی بنیاد پر ہر کسی شخص کی طبعی موت کا بالکل صحیح اور عین وقت کا تعین نہیں کر سکتا۔

انسان اور کائنات کی موت کا موازنہ

کائنات کی موت انسان کی موت کی طرح طبعی بھی ہو سکتی ہے اور غیر طبعی بھی ممکن ہے چمکتا ہوا سورج ہائیڈروجن کے تمام ذخائر کے ختم ہونے سے رفتہ رفتہ تاریکی آغوش میں چلا جائے، اپنے نور سے ہاتھ دھو بیٹھے اور آخر کار ایک مردہ جرم کی صورت میں اس بیکراں فضا میں سرگرداں ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ یہ اپنی نصف عمر کو پورا کرنے کے بعد اور حرارت پیدا کرنے والے مواد کے ختم ہونے سے پہلے، ایک دھماکے سے، یا کسی اور بڑے سیارے سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے۔ یا کوئی اور عامل اس کی نورانی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اس طرح ناگہانی موت کے ذریعے اس کی میعاد پوری ہو جائے۔ بہر حال قرآن مجید کی واضح دلیل کی بنیاد پر آفتاب ”اجل مسمیٰ“ اور مدت معین رکھتا ہے۔ اور اس کی میعاد (عمر) ذات اقدس الہی کی حتمی تقدیر سے متعین ہے۔ لیکن اس قطعی انجام کار اور اس کے وقوع پذیر ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ سائنس دانوں کا نظریہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی اس کے اندر موجود ہائیڈروجن کے ایٹموں کا آپس میں ٹکرا کر، ہیلیم HELEEM میں تبدیل ہونے کا نتیجہ ہے اور انہوں نے اس جرم فلکی کی طبعی عمر کے تعین کے بارے میں جو حساب لگایا ہے اس کے مطابق وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سورج لاکھوں سال سے نور افشانی کر رہا ہے اور اس کے موجودہ ہائیڈروجن کے ذخائر اتنی مقدار میں باقی ہیں کہ طبعی طور پر مزید لاکھوں سال تک روشنی دے سکتا ہے اور اپنی نورانی زندگی کو جاری رکھ سکتا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ سورج کی ہائیڈروجن بتدریج ختم ہو جائے گی اور پھر ”ہیلیم“ جو کہ سورج کے مرکز میں واقع ہے، کی جلادینے والی شعاعیں پھیلنا شروع ہو جائیں گی اس وقت آفتاب کا درجہ حرارت اس قدر شدید ہوگا کہ جانداروں کے لئے

زندہ رہنا ناممکن یا حد اقل بہت سخت اور دشوار ہو جائے گا۔ اس لحاظ سے ہمارے دور کے بعض سائنسدانوں سے اس ماحول اور محیط کے حالات کے بارے میں مفروضے قائم کئے ہیں اور اس دور میں انسان کے زندہ رہنے کے لئے پیش گوئیاں کی ہیں۔

سورج میں تغیر

کتاب پیدائش و مرگ خورشید کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے:

”سورج کی چمک اور شعاعیں سوگنا ہو جائیں گی، سطح زمین کا درجہ حرارت ۱۰۰ درجے (BOILING POINT) سے بڑھ جائے گا۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ان حالات اور ماحول میں مشکل ہے کہ کوئی جاندار سطح زمین پر زندہ رہ سکے۔ لیکن قوی گمان یہ ہے کہ آئندہ آنے والے لاکھوں سال کے عرصے میں سائنس اور ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر جائے گی کہ انسان زمین کے نیچے اپنے لئے مناسب تہ خانے بنا لے گا اور ان میں اپنی طبعی زندگی جاری رکھے یا یہ کہ انسان کسی دور دراز سیارے جس کا درجہ حرارت کم ہوگا، کی طرف نقل مکانی کر جائیں گے اور وہاں زندگی گزاریں گے۔ اس نکتے کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سورج کی حرارت میں تبدیلی اچانک رونما نہیں ہوگی بلکہ یہ تبدیلیاں بہت ہی آہستہ آہستہ اور سست روی سے انجام پائیں گی۔ جو کچھ سائنسی اندازوں سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس تمام دوران میں آفتاب اپنے ہائیڈروجن ذخیرہ کا سواں حصہ خرچ کرے گا۔ اس بنا پر سورج کے مرکز میں ہونے والے ایٹمی عمل اور رد عمل کا نتیجہ پورے نظام فلکی میں کسی بڑے حادثے کی صورت میں نہیں نکلے گا۔ بلکہ جو حالات پیش آئیں گے ان کے لئے پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ کسی اور ستارے مثلاً ٹیچون کی تسخیر کے ذریعے سے نوع انسانی پر متوقع طور پر چھا جانے والے مصیبتوں کے سیاہ بادل چھٹ سکتے ہیں۔“

اسی طرح یہ احتمال بھی قوی ہے کہ زمین کے درجہ حرارت میں آہستہ آہستہ اضافہ دنیا کے جانداروں میں ایسی تبدیلیاں ضرور اپنے ہمراہ لائے گا کہ سطح زمین پر درجہ حرارت کے اضافے کے ساتھ ساتھ زندگی ہم آہنگ ہوتی چلی جائے گی۔

مستقبل میں زمین کا درجہ حرارت

اگر مقدر قطعی الہی یہ ہو کہ سورج اپنے نور افشانی اور حرارت کے دور کو طبعی طور پر گزارے اور اپنے راستے میں کسی غیر متوقع حادثے سے دوچار نہ ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ سورج کی تقریباً عمر وہی ہے جس کا اندازہ سائنس دانوں نے اپنے علمی تحقیقات کی بنیاد پر لگایا ہے کہ سورج آئندہ لاکھوں سال تک نور افشانی کرتا رہے گا۔

اسی طرح اگر انسان کے بارے میں مقدر قطعی الہی یہ ہو کہ انسان طبعی طور پر اپنی زندگی کو دوام بخشنے اور آدھے راستے میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو اور زمین پر اپنی نابودی کے اسباب فراہم نہ کرے تو وہ اسی طرح زندہ رہے گا اور زندگی گذرتا رہے گا۔ اور اگر ایسا دن آگیا کہ سورج کی حرارت کی شدت کی وجہ سے سطح زمین پر انسانوں کے لیے زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو جناب ”جارج گاموف“ کے قول کے مطابق یا تو انسان زیر زمین اپنے لئے پناہ گاہیں بنائے گا تاکہ گرمی سے محفوظ رہے یا پھر کسی اور کرے کا رخ کرے گا جہاں پر زندگی گزارنے کے حالات مساعد اور شرائط فراہم ہوں گی۔

اگر خدا نے اپنی قطعی قضا سے سورج اور ستاروں کے لئے غیر طبعی طور پر فنا ہونا مقرر کیا ہو اور ان اجرام کی اجل مسمیٰ یہ ہو کہ وہ اپنی زندگی کے سفر کے دوران میں ایک ناگہانی حادثے کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے تو پھر سورج کی عمر کا اندازہ لگانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اسی طرح اگر یہ طے ہوا، ہو کہ نسل انسانی ایک غیر معمولی عامل کے ذریعے سے اچانک اور ناگہاں طور پر فنا ہو جائے تو اس وقت پناہ گاہیں بنانے کی یا کسی دوسرے سیارے کی طرف ہجرت کرنے کا موقع پیش نہیں آئے گا۔

کائنات کی نابودی اور انسانی نسل کا خاتمہ

اسی فصل میں کی جانے والی وضاحت کے مطابق قرآن شریف کی آیات اور اولیاء دین کی روایات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انسانی نسل اور دوسرے زندہ موجودات عالم اسی طرح اس جہان اور سورج اور ستاروں کی عمر کا خاتمہ اچانک ہوگا اور ایک یا متعدد شدید ضربات کے اثر سے جن کا سرچشمہ ہمارے لئے مجہول ہے اور اس کی کیفیت ناقابل تصور ہے، تمام آسمانی اور زمینی موجودات یک لخت ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔

زندگی کا قانون ختم ہو جائے گا۔ سورج کی بساط لپٹ جائے گی اور وہ تاریک ہو جائے گا، ستارے گر پڑیں گے سمندر پھٹ جائیں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی روٹی کی مانند اڑنے لگیں گے۔ نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور اس کائنات اور اس کے باسیوں کی عمر اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی جیسا کہ قرآن کی آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات اور حالات کہ جن کا وقوع قضا حتمی الہی سے وابستہ ہے۔ زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں پیوستہ ہیں اور یکے بعد دیگرے ناگہانی طور پر وقوع پذیر ہوتے جائیں گے۔

فضا میں ستارے کا دھماکا

ماہرین فلکیات (ASTRONOMERS) یہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھار فضاء کے اندر ایک ستارہ جو بہت ہی معمولی

اور کمزور دکھائی دیتا ہے۔ اچانک حیران کن اور تعجب انگیز طور پر اس میں دھماکا ہوتا ہے اور اس کا نور لاکھوں گنا بڑھ جاتا ہے اور وہ درخشندہ ترین اور روشن ترین ستاروں میں سے ایک بن جاتا ہے۔ لیکن اس کی یہ نورانیت اور درخشندگی وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور بہت کم مدت میں زائل ہو جاتی ہے۔ سائنسی کتب میں یہ بات موجود ہے کہ اس قسم کے دھماکے اس بیکراں فضا اور دور دراز کہکشاؤں میں بہت زیادہ وقوع پزیر ہوتے ہیں ان میں سے بعض تو دور بینوں سے بھی دکھائی نہیں دیتے البتہ ہمارے نظام شمسی میں ایسے دھماکے سالانہ بیس کے قریب رونما ہوتے ہیں۔

نظام کائنات میں خلل

یہ دھماکے جو کبھی کبھار ستاروں میں واقع ہوتے رہتے ہیں، اس جہان کے اختتام پر ہونے والے ایک لخت اور اختتامی دھماکوں سے قابل موازنہ نہیں ہیں۔ کبھی کبھار ہونے والے دھماکے مقامی ہیں اور بہت محدود علاقے تک ان کا اثر ہوتا ہے۔ جب کہ کائنات کی فنا کے وقت رونما ہونے والے دھماکے عالمی اور ہمہ گیر ہیں، ان کے اثرات بہت وسیع اور کہکشاؤں کی سطح تک ہوں گے۔ مقامی دھماکے نظم کائنات کو درہم برہم نہیں کرتے اور قوانین آفرینش میں کوئی خلل نہیں ڈالتے لیکن ہمہ گیر دھماکے زمین و آسمان کے نظام کو الٹ پلٹ کر دیں گے۔ نظام عالم کے نگہبان قوانین اور اساس کو ختم کر دیں گے۔ مقامی دھماکوں کے حتی کرہ زمین پر جو اس عالم کا بہت چھوٹا جرم ہے، چنداں ضرر رساں اثرات نہیں ہوتے۔ لیکن پورے جہان میں ہونے والے دھماکے کرہ زمین کی حالت کو بالکل الٹ پلٹ کر دیں گے، پورے کرہ ارض پر بسنے والے تمام جانداروں کو ہلاک کر دیں گے، قانون حیات کا خاتمہ کر دیں گے اور نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کا نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ اس فصل میں ہماری بحث سے مربوط آیات اور روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝

جب خورشید پلٹ کر تاریک ہو جائے گا، جب ستارے تیرہ و تار ہو کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ اپنے مقام سے اکھڑ جائیں گے اور گردوغبار کی مانند اڑنے لگیں گے۔

چوں	شود	پیچیدہ	درہم	آفتاب
تیرہ	گردو	عالم	پر	انقلاب
تیرہ	گردند	و	سیاہ	استار
کو	ہما	گرد	ز	جای
			خود	روان

نی سما بینی نہ اخترنی وجود
جز خدائی واحد حی و دود

(جب سورج کی بساط لپٹ جائے گی تو یہ انقلابات سے پر جہاں تاریک ہو جائے گا۔ ستارے سیاہ اور تاریک ہو جائیں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اڑنے لگیں گے تو اس وقت نہ تم آسمان کو دیکھو گے اور نہ کسی ستارے کا وجود ہوگا۔ صرف خدائے واحد جو حی اور دود ہے کی ذات باقی رہ جائے گی،)

ستاروں کا گرنا

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ ۱۱

’جب آسمان شق ہو جائیں گے اور جب ستارے نیچے گر پڑیں گے اور جب سمندر پھٹ جائیں گے۔‘

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ ۱۲

جس دن آسمان پگھلے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ ۱۳

جس دن آسمان ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح حرکت کریں گے، اور پہاڑ حرکت میں آجائیں گے۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا ۝ ۱۴

جب زمین پر زور دار زلزلہ آئے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور غبار کی طرح ہوا میں بکھر جائیں گے۔

کائنات کے عظیم دھماکے

کائنات کے خوفناک دھماکوں کی وجہ سے جو کچھ اس عالم کے فنا ہونے میں وقوع پذیر ہوگا اور جن کی طرف آیات

۱۱ انفطار۔ ۱، ۲، ۳

۱۲ المعارج۔ ۸، ۹

۱۳ الطور۔ ۹، ۱۰

۱۴ الواقعة۔ ۴، ۵، ۶

اور روایات نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اس قدر حیرت انگیز اور عظیم ہے کہ نہ صرف عام افراد اس کے ادراک سے عاجز ہیں بلکہ دنیا کے سائنس دان بھی ان ناقابل تصور واقعات کے سمجھنے پر قادر نہیں۔

ایک اور بات کا ذکر بھی ہو جانا چاہیے کہ سائنس دان اس تمام پیش رفت کے باوجود جو انہیں علم فلکیات میں حاصل ہوئی ہے، ابھی تک سال بھر میں وقوع پذیر ہونے والے ستاروں کے بعض مقامی دھماکوں کی علت کو دریافت نہیں کر سکے اور صریحاً یہ کہتے ہیں کہ:

ہم نہیں جانتے کہ بعض اوقات کوئی ستارہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے جب کہ قبل ازیں اس کے کوئی علامہ اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس بارے میں فقط مختلف نظریات قائم کئے گئے ہیں لیکن ابھی تک ان میں سائنسی طور پر کوئی بھی نظریہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ یہاں پر مزید آگاہی کے لئے ان میں سے چند نظریات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دھماکوں کے بارے میں نظریات

”کون سی فزیکل کیفیت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ ستارے جو ظاہراً معمول کے مطابق نظر آتے ہیں، پھٹ جاتے ہیں؟

ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں جانتے ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ وہ مختلف وجوہات جو ان خوفناک حوادث کی بنیاد بن سکتی ہیں، کے بارے میں تحقیق کریں۔“

شاید سادہ ترین مفروضہ قائم کیا جاسکے کہ یہ حادثہ کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً ستارہ اپنے راستے میں کسی رکاوٹ اور مائع سے دوچار ہو اور یہ حادثہ وقوع پذیر ہو جائے۔“

”دوسری بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ستاروں کے درمیان فضا بہت زیادہ لطیف و رقیق مواد سے پر ہے کہ جو ستاروں کی خلقت کے بعد باقی رہ گیا ہے۔ ستاروں کے درمیان بادل جو ”گیس اور غبار کے بادلوں“ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اکثر اپنے نزدیکی ستاروں کے نور سے روشن ہو جاتے ہیں اور غول پیکر روشن بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور چونکہ ایک ستارہ بہت تیزی کے ساتھ فضا سے عبور کرتا ہے تو وہ ایسے لطیف مواد کے بادل میں داخل ہوتے ہی بہت زیادہ روشنی کے ساتھ پھٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ آسمانی پتھر جیسے ہی زمین کی حدود میں داخل ہوتے ہیں بہت زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔“

حرارتی افعال و اثرات

ستاروں کے پھٹنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا ایٹمی تبدیلیاں اس کا سبب ہیں جو ان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت

کی حامل ہیں۔ یا پھر ایٹمی حرارت کے عمل اور رد عمل ان کے پھٹنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ستارے کے مرکزی حصے کا درجہ حرارت اس کے تکامل کے ضمن میں انتہائی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر ایسے اثرات اور عمل اور رد عمل واقع ہوتے ہیں۔^[۱]

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ آسمان وزمین سورج چاند ستارے اور تمام ارضی و سماوی موجودات اجل رکھتے ہیں۔ اور جیسے ہی ان کی اجل آئے گی تو وہ پروردگار عالم کی قطعی قضاء سے فنا اور منقرض ہو جائیں گے۔

الہی ارادہ اور آفرینش

خداوند قدیر کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے اور کسی موجود کو فنا کرنے کے لئے اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں بلکہ خالق کے ارادہ اور مشیت سے اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے اور اس مطلب کی طرف آیات اور روایات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۱﴾

امر الہی کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اس کے ارادے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

كُنْ مِنْهُ صَنَعٌ وَمَا يَكُونُ بِهِ الْمَصْنُوعُ ﴿۳۲﴾

خداوند متعال کا ”امر کُن“ عمل ہے اور ”یکون“ مصنوع ہے۔

ذاتِ توانا الہی اپنی آفرینش و خلقت میں وسائل اور اسباب کا محتاج نہیں۔ کسی چیز کا اس کا ارادہ ہی وجود بخش دیتا ہے اور اس کے چاہنے سے خواہش وجود میں آ جاتی ہے لیکن اس کی حکیمانہ مشیت کا اس سے ضرور تعلق ہوتا ہے۔

کیونکہ جہاں ہستی نظم و قانون کی اساس پر استوار ہے اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ کائنات کے امور کو اپنے مقرر کردہ وسائل کے بغیر چلائے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

[۱] پیدائش و مرگ خورشید ص ۲۰۳

[۲] یسین ۸۲۔

[۳] تفسیر صافی۔ ص ۴۵۳

ابی اللہ ان یجری الاشیاء الا بأسباب فجعل لكل شیء سبباً

اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ وہ اشیاء عالم کو وسائل اور اسباب کے بغیر چلائے پس اس نے ہر چیز کے لئے کوئی سبب قرار دیا ہے۔

شفا بخشنے والا خدا ہے، البتہ اس فیض کا وسیلہ طیب اور دوا ہے۔ رازق پروردگار عالم ہے لیکن رزق پانے کا طریقہ اور راستہ زراعت و کاشتکاری ہے۔ ہادی خدا ہے لیکن ہدایت الہی انبیاء کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچتی ہے۔ مختصر یہ کہ ذات مقدس الہی نے حکمت اور مصلحت کے مطابق ارادہ فرمایا ہے کہ اس کائنات کے معاملات اور امور کو اسباب و وسائل کے ذریعے سے چلائے۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ذات باری تعالیٰ نے اپنے آپ سے قدرت کو سلب کر لیا ہے اور اس علل و اسباب کے دائرے سے ہٹ کر اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ بلکہ وہ عین قدرت اور تمام قدرت ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہے اور کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ وجود میں آ جاتی ہے اور وہ وسیلے اور اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

قرآن مجید متعدد آیات کے ضمن میں اس جہان کی نابودی کی خبر دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ جب اس جہان کی 'اجل' آن پہنچے گی اور اس دنیا کی عمر اختتام کو پہنچے گی تو آفتاب تاریک ہو جائے گا اور اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ ستارے گر پڑیں گے۔ ارضی و سماوی زندہ موجودات کو نہ آ لے گی۔ مختصر یہ کہ عالم خلقت کی یہ عظیم عمارت تباہ و برباد ہو جائے گی اور نظام آفرینش کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اس بات کے پیش نظر کہ خداوند حکیم نے اس جہان کو علل و اسباب کی بنیاد پر استوار فرمایا ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے تاریک ہونے اور ستاروں کے پراگندہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ کون سے وسیلے سے زمین و آسمان کی زندہ مخلوقات کی حیات کا خاتمہ ہو جائے گا؟ قرآن شریف نے اس سوال کا جواب تفصیلی طور پر تو نہیں دیا لیکن بعض آیات میں بعض ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس فصل میں مختصر طور پر زیر بحث لائے جائیں گے۔ ان کے مطالعے اور تحقیق سے ممکن ہے اہل فکر و نظر کے لیے راستے کھل جائیں۔

کائنات کی نابودی کا سبب

کائنات کی نابودی کے وقت نوع بشر کی اچانک اور ہمہ گیر موت اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کے زندہ

موجودات کی موت کے بارے میں دو لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں ایک ”صبحہ“ اور دوسرا ”نفس“، یعنی اسرافیل کا صورت پھونکنا، یہاں پر ہر دو الفاظ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

عربی لغت میں صبحہ کا معنی بلند اور چھا جانے والی آواز ہے۔ اور اس دنیا کے خاتمہ پر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان صبحہ کے ذریعے سے ہلاک ہو جائیں گے۔

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّبُونَ ﴿٥٩﴾ فَلَا يَسْتَظِنُّوْنَ
تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٠﴾

اس دن روئے زمین پر لوگوں کے لئے ایک مہیب اور وحشت ناک آواز گھبر لے گی۔ جب وہ بازاروں میں خرید و فروخت میں سرگرم ہوں گے اور آپس میں بحث و گفتگو کر رہے ہوں گے جھگڑ رہے ہوں گے کہ اس صبحہ کی تباہ کن موجیں انہیں آلیں گی اور وہ اس تیزی کے ساتھ پٹھے جائیں گے اور ہلاک ہوں گے کہ اس بات کی طاقت نہیں رکھتے ہوں گے ایک دوسرے کو وصیت کر سکیں یا چند لمحوں کے لئے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور اپنے گھر والوں کو دیکھ سکیں۔

ناگہانی صبحہ

في الحديث تقوم الساعة والرجلان قد نشر ا ثوبهما يتبايعانه فما يطويانه
حتى تقوم. والرجل يرفع اكلته الى فيه فما تصل الى فيه حتى تقوم
والرجل يليلط حوضه ليسقى ماشيته فما يسقيها حتى تقوم. ﴿٦٢﴾

حدیث میں آیا ہے کہ جب کائنات کی فنا کا وقت آن پہنچے گا تو دو اشخاص جنہوں نے اپنے لباسوں کو فروخت کرنے کے لیے پھیلا یا ہوگا۔ چنگھاڑ ان کو لپٹنے اور سمیٹنے کی مہلت نہیں دے گی۔ دوسرا شخص جس نے منہ میں ڈالنے کے لیے لقمہ اٹھایا ہوگا چنگھاڑ اس کو منہ میں ڈالنے کی مہلت نہیں دے گی۔ اور گڈ ریا جو اپنے ریوڑ کو تالاب کے کنارے سیراب کرنے کے لیے لایا ہوگا چنگھاڑ اسے اس بات کی فرصت نہیں دے گی۔

قال ذلك في آخر الزمان يصاح فيهم صبحة وهم في اسواقهم يتخاصمون

﴿٥٩﴾ سورہ یسین - ٥٠، ٥٩

﴿٦٢﴾ تفسیر مجمع البیان، جلد ٤، ص ٨٤، ٨٥

فَيَمُوتُونَ كُلَّهُمْ فِي مَكَانِهِمْ لَا يَرْجِعُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَى مَنْزِلَةٍ وَلَا يُوصَى لَوْصِيَّةٍ. [۱]

امام علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتا ہے: آخری زمانے میں لوگوں کے درمیان ایک صحیحہ گونجے گی۔ جب وہ اپنے بازاروں میں کاروبار کر رہے ہوں گے اور لڑ جھگڑ رہے ہوں گے سب اپنی اپنی جگہوں پر مر جائیں گے ان میں کوئی بھی اپنے گھر تک واپس نہیں جاسکے گا اور نہ ہی کوئی وصیت کر سکے گا۔

گذشتہ امتوں کی ہلاکت

جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے بعض گذشتہ اقوام اور ملل کو گناہ اور ناپاکی کی وجہ سے صیہ ذریعے سے ہلاک کیا ہے۔ ان میں سے اکثر انبیاء الہی سے دشمنی رکھتے تھے اور ان سے جھگڑتے تھے، مختلف انداز میں ان کی ہتک اور توہین کرتے تھے ان کو آزار و تکلیف پہنچاتے تھے اور ان پر مظالم ڈھاتے تھے۔ انہوں نے بعض انبیاء کو اس حد تک ستایا کہ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انہوں نے درگاہ الہی میں ظالم لوگوں کو سزا دینے کی درخواست کی اور جسے نبی زمان کی درگاہ الہی میں درخواست منظور ہو گئی ہے تو حکم آیا کہ پیغمبر اپنے پیروکاروں سمیت شہر کو ترک کر دیں اور عذاب کے مستحق لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ پھر وعدے کے مطابق مقرر وقت پر عذاب الہی نازل ہوا اور وہ ہلاک ہو گئے۔

ظالم قوم کی موت

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ [۲]

اور جب عذاب کا وقت آن پہنچا، تو ہم نے شعیب اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بلاؤں کے محیط سے نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لئے سلا دینے والی صیہ نے ظالموں کو گھیر لیا اور جب صبح ہوئی تو ان کے مردہ اور بے جان جسم زمین پر پڑے تھے۔

فَأَخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۖ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ [۳]

چنگھاڑنے حق و عدالت کی اساس پر قوم ہود کو گھیر لیا اور ان کو خشک پودوں کی طرح زمین پر دے پٹھا۔

[۱] بحار، ج ۳ ص ۱۸۳

[۲] سورہ ہود، آیہ ۹۴۔

[۳] سورہ المؤمنون، آیہ ۴۱۔

زمین پر بس ظالم قوم رحمت باری تعالیٰ سے دور ہے۔

وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثِيمِينَ ﴿٦١﴾

صالح کی قوم اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے صیغہ کے عذاب میں مبتلا ہو گئی جس کی وجہ سے وہ مر گئے اور انہوں نے اس حالت میں صبح کی کہ ان کے بے جان اور مردے جسم زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

حضرت صالح کی قوم اور صیغہ جبریل

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک مفصل حدیث میں صالح کے کام اور اس کی قوم کی تشریح فرماتے ہوئے آخر میں عذاب صیغہ کو یوں بیان فرمایا:

فلما كان نصف الليل اتاهم جبريل فصرخ لهم صرخة خرقت تلك الصرخة اسماعهم وخلق قلبوهم وصدعت اكبادهم فماتوا جميعا في طرفة عين صغيرهم وكبيرهم. ﴿٦٢﴾

جیسے ہی آدھی رات کا وقت ہوا جبریل ان کے پاس آئے اور بہت بڑی چنگھاڑ بلند کی۔ جس کی وجہ سے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ دلوں میں شکاف پڑ گئے اور جگروں میں سوراخ ہو گئے اور اس حادثے کے پیش آنے کی وجہ سے وہ سب چھوٹے بڑے چشم زدن میں مر گئے۔ قرآن حکیم نے ایسی چنگھاڑوں کی حکایت کی ہے جنہوں نے بعض گزشتہ ظالم اور گناہگار قوموں کو ہلاک کیا ہے۔ یہ سب مقامی تھیں۔

اور ان میں سے ہر ایک کسی ایک شہر کے لوگوں کی نابودی اور موت کا باعث بنیں لیکن وہ چنگھاڑ جو کائنات کے فنا کے وقت بلند کی جائے گی وہ عالمی اور ہمہ گیر ہے اور اس کی مہلک اور سخت امواج اس کرۂ خاکی کو پورے طور پر گھیر لیں گی اور روئے زمین کے تمام انسان ان امواج کے دباؤ کے باعث ایک ہی ساتھ ہلاک ہو جائیں گے اور انسانی نسل بہت کم مدت میں نابود ہو جائے گی۔

﴿٦١﴾ سورہ ہود، آیہ ۶۱

﴿٦٢﴾ تفسیر برہان - ج ۲، ص ۲۲۶

بم دھماکے کی صدا

پہلے وقتوں میں سب سے بڑی آواز جو کبھی کبھار انسان کو سنائی دیتی وہ بادل کی گرج تھی۔ لیکن اس ایٹمی دور میں کبھی جیٹ طیاروں کی شدید آواز کانوں سے ٹکراتی ہے اور کبھی کسی مقام پر طاقت و رجم پھٹتے ہیں۔ ان کی آواز نسبتاً دور دور تک سنائی دیتی ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ کبھی بم کے دھماکے کی شدت سے اطراف کی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور کبھی نزدیک کی دیواریں گر جاتی ہیں یا عمارتوں میں شگاف پڑ جاتے ہیں اور کبھی عمارتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

سائنس دان اور صوتی لہریں

بہت پہلے کی بات ہے کہ سائنس دانوں نے دوسرے طبیعی فزیکل PHYSICAL مسائل کی طرح صوتی لہروں پر غور و فکر کیا اور ان کو زیر مطالعہ قرار دیا اس بارے میں انہوں نے بہت زیادہ تحقیق اور ریسرچ کی ہے اور نتیجے کے طور پر مجہول حقائق سے آگاہ ہوئے اور نامعلوم اسرار سے پردہ اٹھایا۔ اب تک انجام دیئے گئے تجربوں کی اساس پر صوتی امواج کی خاص حد تک شناخت ہو چکی ہے، اس پر بہت سی کتب تحریر میں لائی جا چکی ہیں اور آج خشکی اور سمندر میں ان سے مختلف شکلوں میں مختلف مقاصد کے لئے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

صوتی امواج کے ذریعے سے بہت تیزی کے ساتھ سمندروں کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے امواج صوتی کے وسیلے سے دشمن کے سمندروں کے نیچے موجود اشیاء کو دور سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔ صوتی امواج سے زمین کے اندر معدنیات کا کھوج لگایا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ صوتی لہروں کی بدولت اب تک فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی میں درخشاں نتائج حاصل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔

انسان اور سمعی امواج

صوتی امواج کی بحث میں جو مطالب پیش نظر رکھے گئے ہیں ان میں سے ایک انسان کی حد سماعت کا تعین ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اصوات جن کی (FREQUENCY) ایک سیکنڈ میں کم از کم ۱۶ اور زیادہ سے زیادہ ۱۶ ہزار ہو وہ عام انسانوں کے لئے قابل سماعت ہیں۔ بعض نے اس حد کو کم از کم ۲۰ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ ہزار تک ذکر کیا ہے۔ بہر حال اس عالم طبیعت میں صوتی لہریں بہت زیادہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت سماعت محدود ہے وہ ان سب کو نہیں سن سکتا۔ اس لئے سائنس دانوں نے انسان کی سماعت کو معیار قرار دیتے ہوئے کم از کم حد سے نیچے امواج کو زیر صوت اور زیادہ سے زیادہ حد سے اوپر امواج کو ماوراء صوت کا نام دیا ہے۔ اور ان دو حدوں سے بیرون امواج اگرچہ وہ صوتی

امواج ہیں لیکن انسان کے کان ان کے سننے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اور یہ محدودیت ذاتِ اقدس کے عظیم الطاف میں سے ایک ہے کیونکہ یہ محدودیت ذاتِ انسان کی زندگی میں ذہنی آرام و سکون اور فکری آسائش کا باعث ہے۔

انسان کی قوتِ سماعت کی حدود

”جب آواز کی لہریں ایک سیکنڈ میں ۲۰ لہروں WAVES سے کم ہو تو مشکل سے سنائی دیتی ہیں البتہ مختلف اشخاص میں یہ قوت مختلف ہوتی ہے۔ بعض لوگ ۱۸ درجے کی لہروں کو صحیح طور پر سن لیتے ہیں۔“

”اگر ایک سیکنڈ میں ۵۰-۱۰۰ تک لہریں ہمارے کانوں کی لہروں سے ٹکرائیں تو ہم کہیں کہ ہم درست طور پر آواز سن رہے ہیں۔ جتنا آواز کی لہروں میں اضافہ ہوگا ہم صد اسی مقدار میں اچھے طریقے سے سنیں گے۔ البتہ کان کے پردے کی صلاحیت محدود ہے۔ یعنی جب لہریں ایک معین حد تک پہنچتی ہیں تو پھر اس سے آگے کانوں میں ان کے سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ حد ایک سیکنڈ میں ۲۰ ہزار لہریں ہیں۔ اکثر کان ۲۰ ہزار لہروں سے زیادہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اس حالت میں سکوت چھا جاتا ہے۔“^[۱]

”عام طور پر ایک سیکنڈ میں ۲۰ ہزار یا اس سے زیادہ دور (CYCLES) کی حامل لہروں کو ماورا صوت کہا جاتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ ارتعاش (FREQUENCY) عام افراد کے لئے ہے۔ لیکن بچے ایک سیکنڈ میں ۳۰ ہزار دور کی حامل لہروں کو سن سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ماورا صوت لہروں کے لئے ۲۰ ہزار دور کی حد حتمی (EXACT) نہیں ہے۔“

حیوانات کی قوتِ سماعت

بعض حیوانات کی بصارت اور سماعت انسان کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ وہ ایسی آوازیں کو سن لیتے ہیں جن کو سننے کے لئے انسان کے کان قاصر ہیں۔ مثلاً زلزلہ آنے سے پہلے بہت سے وحشی حیوانات جنگلوں میں زیر زمین صوتی ارتعاشات کو سن لیتے ہیں اور خطرے کو بھانپ لیتے ہیں، اسی لئے وہ زلزلہ آنے سے پہلے اس علاقے کو ترک کر دیتے ہیں اور یوں اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔ کتاب صوت میں ہے:

”کتوں کو بلانے کے لئے ایسی آوازیں بنائی گئیں کہ جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں۔ جب ان میں سے کسی آواز کو پہنچایا جاتا ہے تو گویا یوں لگتا ہے کہ کوئی آواز ہی پیدا نہیں ہو رہی۔ یہ آوازیں ماورا صوت لہریں ایجاد کرتی ہیں اگرچہ انسان ان کو نہیں سن سکتا لیکن کتے ان کو سن لیتے ہیں۔“

[۱] نجوم برائے ہمہ ص ۶۰

”بہت سے اور حیوانات کچھ ایسی لہروں کو سن سکتے ہیں جو انسان کے لئے ناقابلِ سماعت ہیں اور اس کے لئے ماوراء صوت شمار ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر چمگاڈ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہ پرندہ ۵۵ ہزار دور فی سیکنڈ والی ارتعاش کو سن لیتا ہے۔“ [۱]

صوتی لہریں اور جاندار

آواز کی لہروں کے اثرات پر کئے جانے والے تجربات جنہوں نے بہت سی مہول حقیقتوں کو معلوم کیا ہے۔ یہ ایسی آزمائشیں (EXPERIMENTS) ہیں جو سائنس دانوں نے جانداروں کے بارے میں انجام دی ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر وہ بہت سے مہولات سے آگاہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے نہایت اچھے نتائج حاصل کئے ہیں۔ مستقبل میں بھی وہ امید رکھتے ہیں کہ نئے انکشافات ہوں گے اور مزید چھپے ہوئے حقائق ان پر آشکار ہوں گے۔

ماوراء صوت کی شعاعوں کے اثرات

کتاب چرمی دائیم؟ ماوراء صوت میں ہے کہ پہلے پہل ماوراء صوت کے زندگی کے آثار کا مشاہدہ ”پی لائٹرون“ نے کیا ہے۔ اس نے ایک کیلوواٹ کی طاقت کو پانی میں بھیج کر تجربہ کیا کہ وہ ہاتھ جو ماوراء صوت کی شعاعوں کو زد میں آیا ہے اس میں اسے جلن کی طرح کا تیز درد محسوس ہوا۔ مچھلیاں بھی شعاعوں کی زد میں لائی گئیں وہ ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور بہت جلد ختم ہو گئیں اور اسی طریقے کے تجربے کے ذریعے سے مینڈکوں کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے۔

ماوراء صوت کے حیاتیاتی (BIOLOGICAL) اثرات کی طرف آخری چند سالوں میں بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے اور کسی شک و تردد کے بغیر مستقبل قریب میں اس کے روشن نتائج کی توقع ہے جن کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ان چند جملوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماوراء صوت لہریں کہ جن کے سننے سے انسانی کان عاری ہیں، جانداروں میں گہرا اثر کرتی ہیں۔ اور اگر انسان کا کوئی عضو ان شعاعوں کی زد میں آجائے تو اسے سوزش و درد سے دوچار کر سکتی ہیں اور اسی طرح مچھلیوں اور مینڈکوں کی زندگی کو ختم کر سکتی ہیں۔

مادے کی فضا اور کائنات کی فضا

اگرچہ سائنسی لحاظ سے صوتی امواج کا وسیع معنی ہے اور اس کے تمام درجات اور مراتب پر مشتمل ہے۔ خواہ اس کی

حدود متوسط ہوں کہ انسان کے کان اس کو سن سکیں۔ خواہ یہ حدود زیر صوت اور ماوراء صوت ہوں کہ انسان کی قوت سامعہ جنہیں اپنی گرفت میں نہ لے سکے اور انسان ان کے سننے سے عاجز ہو۔ لیکن وہ مہلک اور سخت چنگھاڑ جو اس کائنات کی نابودی کے وقت پورے عالم میں گونجے گی اور وہ تمام عالم کو گھیر لے گی۔ یہ صوتی لہروں کی وہ قسم ہے جسے روئے زمین پر بسنے والے انسان سن سکتے ہیں۔ اس کی شدت اور اثرات اس قدر سخت ہوں گے کہ ان کی وجہ سے یک لخت تمام حیوان اور انسان ہلاک ہو جائیں گے، عمارتیں مٹی کا ڈھیر بن جائیں گی، آبادیاں ویران اور پہاڑ ریزہ ریزہ اور ہمارے سیارے کا تمام نظام ختم ہو جائے گا۔ درحقیقت یہ کہا جاسکتا ہے یہ صحیحہ حیرت انگیز اور ناقابل تصور ہے۔ اور ذات پروردگار کے اس کائنات کی عمر کے خاتمے اور جہان کی تمام زندہ مخلوقات کی ہلاکت کے فرمان کے جاری ہونے کا وسیلہ ہے۔

محشر کے دن دوسری صحیحہ

روزِ محشر ایک اور صحیحہ بیکراں فضا پر چھا جائے گی اور یہ آواز سنائی بھی دے گی۔ البتہ یہ صحیحہ نابود کرنے اور مارنے والی نہیں ہوگی بلکہ مردوں کے زندہ کرنے اور قبروں سے باہر آنے کے لئے خدا کے امر تکوینی کے پہنچانے کا ذریعہ ہوگی۔ قرآن شریف نے اس بارے میں فرمایا ہے:

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۳۲﴾

جس دن لوگ قیامت کے بپا ہونے کا صحیحہ برحق سنیں گے۔ اس دن افراد قبروں سے باہر نکلیں گے اور عالم محشر میں قدم رکھیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دنیا کے اختتام پر جو چیز عالم کو ویران کر دے گی اور انسان اور دیگر جانداروں کی زندگی کا خاتمہ کر دے گی وہ ماردینے والی صحیحہ یا بہت زیادہ طاقت ور صوتی لہریں ہیں کہ جن کی آواز سب جگہ پر پہنچ جائے گی اور یہ ایک تکوینی عامل کی صورت میں ذات اقدس الہی کے فرمان کو اجراء کرے گی اور بہت ہی کم مدت میں اپنا یوں حیرت انگیز اثر چھوڑے گی۔

صور کا پھونکنا

قرآن حکیم میں دنیا کی نابودی کے وقت تمام انسانوں کی اچانک موت کا ایک ذریعہ صحیحہ بتایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صور پھونکنے کی خبر بھی دی گئی ہے۔ نیز یاد دلا یا گیا ہے کہ جیسے ہی صور پھونکا جائے گا تمام آسمانی اور زمینی موجودات ایک ساتھ

مر جائیں گے مگر جن کا خداوند ارادہ فرمائے گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ؕ ۱۱۱

اور صور پھونکا جائے گا اور زمین و آسمان میں حیات کی نعمت سے بہرہ مند تمام موجودات صور کی شدید آواز سے مر جائیں گے۔ مگر ان کے علاوہ جن کی موت کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا۔

صوتی لہروں کی پیدائش

صیحہ کی طرح صور کا پھونکنا صوتی لہروں کو پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ آیات اور روایات میں ملتا ہے کہ آخری زمانے میں نسلِ انسانی کی ہلاکت کی موجب صیحہ جس کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے سے مراد وہی نفخ صور ہی ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ خداوند نے صیحہ کے صرف ایک پہلو نوحِ بشر کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور نفخ صور (پھونکنے) کے بارے میں تمام پہلوؤں سے بات کی ہے اور فرمایا ہے: صور پھونکنے سے آسمانوں اور زمین کی تمام جاندار مخلوقات ایک ساتھ مر جائیں گی۔ اور روایات میں آیت نفخ کے ذیل میں انسانوں کی ہلاکت کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

اسرافیل اور صور کا پھونکا جانا

رسول اکرم کا ارشاد ہے: اسرافیل کو پروردگارِ عالم کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ موت کے صور کو پھونکے اور اہل آسمان و زمین کی زندگی کو ختم کر دے اس حالت میں کہ لوگ بالکل غافل ہوں گے:

فَمِنَ النَّاسِ مَن هُوَ فِي وَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَن هُوَ فِي سَفَرَةٍ وَمِنْهُمْ مَن يَأْكُلُ فَلَا يَرْفَعُ لِقَبَةِ اِلٰی فِیْهِ حَتّٰی یُخْمَدُ وَیَصْعَقُ وَمِنْهُمْ مَن یُحَدِّثُ صَاحِبَهُ فَلَا یَتَمُّ الْكَلِمَةَ حَتّٰی یَمُوتَ فَمَمُوتِ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ عَن اٰخِرِهِمْ وَاَسْرَافِیْلُ لَا یَقْطَعُ صَبِیْحَتَهُ فَبِحَارِهَا حَتّٰی تَغُورَ عِیُونَ الْاَرْضِ وَاِنْهَا رَآهَا وَبِنَآءِهَا وَاَشْجَارُهَا وَجِبَالُهَا وَیَدْخُلُ الْكُلَّ بَعْضُهُمْ فِی بَطْنِ الْاَرْضِ وَالنَّاسِ نَحْمُودُ وَصَرَعِی فَمِنْهُمْ مَن هُوَ صَرِیْعٌ عَلٰی ظَهْرِهِ وَمِنْهُمْ مَن هُوَ صَرِیْعٌ عَلٰی جَنْبِهِ وَمِنْهُمْ مَن هُوَ صَرِیْعٌ عَلٰی خَدِّهِ وَمِنْهُمْ مَن تَكُوْنُ اللَّقْمَةُ فِیْهِ فِیْمُوتُ فَمَا اِدْرٰكُ اِن

یبتلہا... وتموت ملائكة السموات السبع والحجب والسر ادقات وبقی

جبریل ومیکائیل واسرافیل وملك الموت علیہم السلام۔^[۱]

جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت بعض لوگ حضر میں اور بعض سفر میں ہوں گے۔ بعض دسترخوان پر بیٹھے لقمہ اٹھا رہے ہوں گے اور ابھی منہ میں نہیں ڈالا ہوگا کہ وہ مرجائیں گے۔ بعض آپس میں گفتگو کر رہے ہوں گے کہ ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ شدید صور کی وجہ سے جان دے دیں گے۔ مختصر یہ ہے کہ سب لوگ مرجائیں گے اور جب تک تمام نہریں اور چشمے زمین میں دھنس نہ جائیں، تمام عمارتیں، درخت، پہاڑ اور سمندر درہم برہم ہو کر مٹی میں نہل جائیں اسرافیل اسی طرح صور پھونکتے رہیں گے۔ زمین پر پڑے ہوئے مردوں میں سے بعض اوندھے منہ بعض پہلوؤں کے بل اور بعض چپٹ پڑے ہوں گے۔ بعض کے منہ میں لقمہ ہوگا کہ چنگھاڑنے اس کو اندر لے جانے کی مہلت نہ دی ہوگی۔ صور کا پھونکنا جاری رہے گا اور اس کے اثر سے آسمانوں اور جابوں پر مامور اور دوسرے فرشتے سب مرجائیں گے فقط جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل باقی رہ جائیں گے۔

پروردگار کا حکم تکوین

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ صور کی صدا اور اس کی لہریں اتنی کم مدت میں آسمانوں اور زمین پر پہنچ جائیں گی اور تمام ساوی وارضی مخلوقات کو ہلاک کر دیں گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز اہل آسمان اور زمین سے حیات سلب کرے گی وہ کلمۃ اللہ یعنی موت کا تکوینی حکم ہے کہ جو ربوبیت کے بلند و بالا مقام سے صادر ہوگا اور فرمان الہی زبان و مکان کی حدود میں محصور نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ارادہ الہی یہ ہو کہ وہ اپنے تکوینی امر کا عام وسائل کے ذریعے سے اجراء کرے، اس صورت میں اسرافیل صور پھونک کر کس طرح اس حکم کے جاری ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور کس طرح بہت ہی تھوڑی مدت میں آسمانوں اور زمین کے تمام باسیوں کی حیات کو ختم کر سکتا ہے؟

[۱] تفسیر برہان۔ جلد ۴، ص ۸۵

سائنسی ترقی اور مسئلے کا حل

حقیقت یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ ”صوت“ کس طرح کا وسیلہ ہے اور کس طرح سے مہلک لہروں کو قلیل مدت میں تمام آسمانوں اور زمین پر پہنچا دے گا اور تمام جانداروں کو نیست و نابود کر دے گا۔ البتہ موجودہ دنیا میں، انسان کو مختلف علوم میں حاصل ہونے والے انکشافات کی وجہ سے ایک حد تک مجہول اور نامعلوم مسائل واضح ہوئے ہیں، دشمنوں کے عناد اور تکذیب میں کسی حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ اور یہ بات صاف ذہن رکھنے والے افراد کے لئے بعض دینی حقائق سمجھنے کا سبب بنی ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

صوتی لہروں کی پیدائش اور ان کا منتشر ہونا ایسے انکشافات میں سے ہیں جو کسی حد تک صور پھونکنے اور موت والی صیہ (آواز) کے حوالے سے پیش آنے والے سوال کا جواب بن سکتے ہیں اور اس مجہول کی شناخت میں لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

اس صنعتی دور میں طاقت ور بموں کے دھماکوں کی وجہ سے بہت زیادہ قوی اور بہت زیادہ شدید صوتی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو کانوں میں سنائی دیتی ہیں۔ ان دھماکوں سے دور و نزدیک کی عمارتوں میں رہنے والوں افراد یا ان کے ارد گرد سڑکوں پر گزرنے والے افراد پر کم یا زیادہ برے اثرات اور کبھی کبھار تو خطرناک اور مہلک اثرات پڑتے ہیں۔ بعض ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیش رفت اور ترقی کے باعث سائنسدانوں نے ایک طرف تو فنی وسائل کے ذریعے سے ماوراء صوت لہروں کی تعداد میں مطلوبہ مقدار کے مطابق اضافہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور دوسری طرف وہ پیدا شدہ ماوراء صوت لہروں کو بجلی کی توانائی سے بہت تیزی کے ساتھ بہت وسیع سطح پر منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ آواز کے بارے میں ایک کتاب میں لکھا ہے:

ماوراء صوت کی تجربہ گاہیں

”فی الحال ماوراء صوت [1] کی تجربہ گاہوں میں عام طور پر ایسی آوازیں پیدا کی جاتی ہیں جس کی فریکوئنسی (FREQUENCY) دس کروڑ ہوتی ہے۔ یہ سادہ سی اطلاع ظاہر کرتی ہے کہ کس حد تک صوت کے تجربات میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور توقع سے بڑھ کر علمی اور فنی نتائج حاصل ہوئے ہیں۔“

کتاب ”چہ میدا نم؟ ماوراء صوت“ کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے۔

”ضمناً اب جب کہ لائٹوں کے طریقے نے ارتجائی نوسالوں کو باری باری برقی نوسالوں میں تبدیل کرنے کی راہ کھول دی ہے بلند فریکوئنسی (FREQUENCY) پیدا کرنے والے اس فن نے آخری بیس سالوں میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اور ماوراء صوتوں نے اس ترقی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔

کتاب صوت کے صفحہ ۳۴ پر درج ہے کہ

جدید سونا [۱] رساٹھ لاکھ فیوڈ کی شدت کے ساتھ صدائیں صادر کر سکتے ہیں۔ اور سمندر کی تہہ میں موجود چیز کا چند کلومیٹر دور سے تشخیص کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود سمندر کی تہہ میں کھوج لگانے والے آلات ابھی تک ترقی کے مراحل میں ہیں ایسی ترقی جو سمندر میں دشمن کی آبدوزوں کا ہزاروں کلومیٹر دور سے پتہ لگالے۔ یہ پروگرام اس امر کے درپے ہے کہ ایک ایسا آواز پیدا کرنے والے عظیم آلے کو زیر استعمال لایا جائے جو برقی توانائی کو صوتی لہروں میں تبدیل کر دے۔ [۲]

ہم جانتے ہیں کہ صوتی لہروں کی رفتار نسبتاً کم اور ان کی رینج (RANGE) کوتاہ ہے۔ اور جیسے ہی فاصلہ محدود سے بڑ جائے آواز سنائی نہیں دیتی لیکن موجودہ دور کا انسان۔ اپنی عقل اور تجربے کی بنا پر برقی توانائی اور فنی و صنعتی آلات کے وسیلے سے ریڈیو کی آواز کو حیران کن رفتار سے پوری دنیا میں منتشر کر سکتا ہے اور اس کو ایک ہی لمحے میں دنیا کے دور ترین مغربی نقطے سے مشرق کے کروڑوں انسانوں کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے۔ سائنسی معلومات کے ایک رسالے میں لکھا ہے:

”کون آواز کو پہلے سنتا ہے؟ ریڈیو کے سٹوڈیو میں بولنے والے شخص سے دس میٹر کے فاصلے پر ایک اور آدمی بیٹھا ہے۔ جب وہ بولنا شروع کرتا ہے کیا یہ شخص جو بولنے والے سے دس میٹر کے فاصلے پر ہے پہلے آواز سنے گا یا وہ شخص جو سو اکلو میٹر دور ریڈیو کو سن رہا ہے؟

ہوا میں آواز کی رفتار ۲۴۰ میٹر فی سیکنڈ ہے اور روشنی کی رفتار ۳۰۰،۰۰۰ کیلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ دوسرے الفاظ میں آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے ۱۰ لاکھ درجے سست ہے اور چونکہ ریڈیو کی لہروں کی سپیڈ روشنی کی سپیڈ کے مساوی ہے اس لئے ریڈیو کی امواج لاکھوں درجے پہلے پہنچ جاتی ہیں۔ [۳]

قرآن شریف اور اسلامی روایات میں ”صور“ کے لفظ سے یاد دلایا گیا ہے کہ دنیا کی فنا کے وقت اسرافیل اس میں پھونکے گا اور اس طرح اہل آسمان و زمین کی موت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کو عملی جامہ پہنائے گا اور صور کی ہولناک

[۱] یہ سمندری آبدوزوں کا سراغ لگانے کے لئے رڈار کی طرح کا آلہ ہوتا ہے۔

[۲] کتاب صوت۔ ص ۳۴۔

[۳] دانستینہای جهان علم۔ ص ۷

شدت سے سب مرجائیں گے۔

صورِ اسرافیل کیا ہے؟

صور لغت میں ایسی شاخ کو کہتے ہیں جس میں پھونکا جاتا ہے (الصور بالضم القرآن ینفخ فیہ) جو یہ بات نہیں جانتا تھا کہ صور کیا ہے؟ اور کس طرح اس میں پھونکنے سے مہلک آواز پیدا ہوگی اور وہ کس طرح کوتاہ مدت میں تمام آسمانوں اور زمین کو گھیر لے گی اور ہر جاندار کو ہلاک کر دے گی اس کی جستجو اور تلاش کی حس نے اسے ابھارا کہ وہ صور کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرے۔

صورِ نور کی شاخ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ نور کیا ہے؟

”فقال: قرن من نور التقبہ اسرافیل۔“^[۱]

آپ نے جواب میں فرمایا: صورِ نور کی ایک شاخ ہے جو اسرافیل کے منہ میں ہے۔“
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

”الصور قرن من نور فیہ اثقاب علی عدد ارواح العباد۔“^[۲]

امام سجاد علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے کہ:

ان الصور قرن عظیم لہ راس واحد و طرفان و بین طرف الاسفل الذی
بلی الارض الی طرف الاعلی الذی یلی السماء مثل ما بین تخوم الارضین
الی فوق السماء السابعة فیہ اثقاب بعدد ارواح الخلائق۔^[۳]

صور ایک بہت بڑی شاخ ہے جس کا ایک سر اور دو طرف ہیں۔ اس کے زمین کی طرف والے سرے کا
آسمان کی طرف والے سرے کا آپس میں فاصلہ زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی انتہا بلندیوں جتنا
ہے۔ اور اس صور میں مخلوق کی ارواح کی تعداد جتنے سوراخ ہیں۔

[۱] علم الیقین۔ ص ۸۹۲

[۲] لئالی الاخبار۔ ص ۴۵۳

[۳] لئالی الاخبار۔ ص ۴۵۳

مذکورہ صور پھونکنے اور اس کے مہلک اثرات کے بارے میں جو سوال پیش آیا وہ یہ تھا کہ صوتی لہروں کی ریخ محدود ہے اور یہ تھوڑے سے فاصلے پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر مشیت ایزدی یہ ہو کہ آخری زمانے میں تمام اہل آسمان اور زمین کی موت عام طریقے سے اور ایک طبعی امر سے وقوع پذیر ہو تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک محدود ریخ والی پروردگار عالم کے تکوینی حکم کو عملی جامہ پہنا سکے اس کی ہولناک لہریں تمام آسمانوں اور زمین کو گھیر لیں اور ایک ہی لمحے میں تمام ارضی و سماوی جانداروں کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

نور اور صوتی لہروں کا منتشر ہونا

ہمیں معلوم نہیں کہ ان چند اور ان کی طرح دیگر روایات جو کہ احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں سے صدر اسلام کے لوگ کیا سمجھتے تھے اور کس طرح اپنے ذہنوں میں اس کی توجیہ اور تفسیر کرتے تھے البتہ ہمارے دور کے لوگ جو روشنی کی رفتار سے آگاہ ہیں اور دن رات روشنی کے پرتوں میں ساری دنیا کی صوتی لہروں کو سن رہے ہیں۔ ان روایات کو ایک اور نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ان کی تفسیر و توجیہ خاص عقل و دانش کے ساتھ کرتے ہیں اور ان روایات سے انھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صور پھونکنے اور تمام اہل آسمان اور زمین کی ایک ساتھ موت کے بارے میں پیدا ہونے والے اعتراض کا بھی جواب ہو سکتا ہے۔ پہلی حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: صور یعنی اسرافیل کی آواز کو پھیلانے کا وسیلہ نور اور روشنی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے علاوہ کہ صور نور سے ہے اس میں خدا کے تمام بندوں کی روحوں کے برابر سوراخ اور راستے ہیں۔

تیسری حدیث میں امام سجاد علیہ السلام نے صور کی عظمت اور بڑائی بیان فرمائی ہے:

ایک ایسا وسیلہ ہے کہ اسرافیل کے کنٹرول میں دیا جائے گا، اس کا ایک سر اور دو طرف ہیں پھر آپؐ نے اس کی وضع قطع کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ حدیث کا قاری سمجھ جاتا ہے کہ صور تمام اطراف عالم پر محیط اور مسلط ہے اور حقیقت میں اس نور کی بھیجی جانے والی طاقت و لہریں تمام آسمانوں اور زمین کو اپنے تحت لے لیں گے۔ اس لحاظ سے جب اسرافیل اس میں پھونکیں گے اور ذات اقدس الہی کی طرف سے اپنی انتہائی شدید آواز میں موت کا اعلان کریں گے تو اس وقت یہ آواز روشنی کی لہروں کی مدد سے ایک ہی لمحے میں تمام علوی و سفلی عوالم تک پہنچ جائے گی اور آسمانوں اور زمین کے باسی سب کے سب مرجائیں گے۔ بعد میں آنے والی فصل میں دی گئی شرح کے مطابق اسرافیل قیامت کے برپا ہونے کے لیے لوگوں کو زندہ کرنے کے لیے بھی صور پھونکیں گے اور ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اولین و آخرین مخلوق کے زندہ ہونے کے حکم کو اسی نور کے وسیلے سے پہنچائیں گے۔

مشرک اور موحد کی موت میں فرق

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس روایت میں دوسری روایت کی طرح صور میں خدا کے بندوں کی ارواح کے برابر سورخ ذکر کئے ہیں۔ شاید ان دو حدیثوں میں اس جملے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں آخری زمانے کے لوگوں کی موت اور قیامت میں تمام انسانوں کا زندہ ہونا یکساں نہیں ہے۔ جیسا کہ موحدوں اور مشرکوں کی، مومنوں اور کافروں کی، پاکوں اور ناپاکوں کی، موت رحمت و عذاب کے لحاظ سے متفاوت ہے اور عزرائیل ہر شخص کی روح کو اس کے عمل اور نیت کے تناسب سے سختی یا آرام کے ساتھ قبض کرتا ہے اسی طرح اسرافیل کے صور پھونکنے سے، دنیا کے خاتمے کے وقت بھی اچھے اور برے انسانوں کی ایک سات موت، رنج اور راحت کے لحاظ سے ایک جیسی نہیں ہوگی۔ اگرچہ اسرافیل آخری زمانے کے سب انسانوں کی موت کے الہی حکم کو ایک ہی صور پھونکنے سے جاری کریں گے۔ لیکن ہر فرد اسرافیل کی چنگھاڑی لہروں کو جو کہ الہی فرمان ہے نورانی صور میں موجود اپنی روح کے مخصوص سورخ سے سنے گا۔

مذکورہ آیات اور روایات سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مشیتِ الہی یہ ہے کہ دنیا کی فنا اسرافیل چنگھاڑ اور صور میں پھونکنے سے انجام پائے اور اسرافیل کی چنگھاڑ سے پیدا ہونے والی طاقت و رصوتی لہریں نورانی صور کے وسیلے سے منتشر ہوں۔ اور یہ لہریں اس قدر شدید اور ہمہ گیر ہوں گی کہ تمام آسمانی و زمینی جاندار مخلوقات ان کے مہلک اثرات کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گے، زمین متزلزل ہو جائے گی، عمارتیں زمین بوس ہو جائیں گی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح ہوا میں پھیل جائیں گے۔

ایک مجہول مطلب

کیا دنیا کی فنا میں، سورج کو تار یک کرنے والا، ستاروں کو پراگندہ کرنے والا، آسمانوں کو آپس میں ٹکرا دینے والا اور اس منظم جہان کو خاتمہ دینے والا، طاقت ور ترین عامل وہی صور پھونکنے کی شدید ضرب اور اس کی ہولناک صوتی لہریں ہوں گی یا حوادث کا کوئی اور سبب ہوگا۔ دینی اور سائنسی نظر سے یہ حقیقت ابھی تک مجہول اور نامعلوم ہے۔ قرآن مجید نے نتو اس کی وضاحت کی ہے اور نہ اس پنہاں راز کو آشکار کیا ہے اور سائنس کی ترقی بھی اس مجہول کو معلوم نہیں کر سکی اور نہ ہی اس نے سائنسدانوں کو جہان کے مستقبل کے حالات و واقعات سے آگاہ کیا ہے۔

جہان شناسی کے بعض سائنس دانوں کی کتب میں جو کچھ اس بارے میں کہا گیا ہے وہ سورج کے اچانک دھماکے کا احتمال ہے۔ اس احتمال کا باعث بعض ستاروں میں کبھی کبھار ہونے والے دھماکوں کا مشاہدہ ہے جس کے نتیجے میں اچانک کوئی

ستارہ حیرت انگیز طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اسی چیز نے سائنس دانوں کی توجہ اس عظیم تباہ کن حادثے کے وقوع پذیر ہونے کے امکان کی طرف مبذول کرائی ہے۔

جناب جارج گاموف نے اس بارے میں یوں کہا ہے:

”جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک ستارہ بالکل پرسکون اور غیر قابل توجہ ہے اور وہ کسی بھی لحاظ سے دوسرے لاکھوں ستاروں سے فرق نہیں رکھتا، اچانک چند گھنٹوں میں وہ ایک ہولناک دھماکے کا شکار ہو جاتا ہے۔ لامحالہ طور پر یہ فکر ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا سورج آج یا کل یا آئندہ برس میں ایسی ہی بلا و مصیبت سے دوچار ہو جائے؟ اگر کسی بد قسمت دن سورج ایک نیا ستارہ بننے کا فیصلہ کر لے، اس دن زمین اور اسی طرح دوسرے تمام سیارے ایک دم لطیف و باریک گیس کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ یہ حادثہ اتنی تیزی سے وقوع پذیر ہوگا کہ کسی کو اتنی فرصت بھی نہیں ملے گی کہ وہ سمجھے کہ ہوا کیا ہے؟“ [۱]

”بعض دوسرے ستاروں میں دھماکوں کی بناء پر سورج کے پھٹنے کا امکان ایک فرضی موازنے اور ایک احتمال بدون دلیل کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ خلائی سائنسدان خود معترف ہیں کہ ابھی تک وہ علم کی نارسائی کی وجہ سے ستاروں میں دھماکوں سے پہلے ان میں پیدا ہونے والی علامتوں اور نشانیوں کو نہیں جان سکتے کہ ان علامتوں کی سورج میں چھان سکیں۔ اور نہ ہی وہ ستاروں میں دھماکوں کے سبب سے آگاہ ہیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ممکن ہے وہ سبب سورج میں بھی موجود ہو جو اس کے پھٹنے کا موجب بنے۔“

انسانی علم کی نارسائی

مذکورہ سائنسدان ہی نے مزید لکھا ہے:

”اس بات کو کشف کرنے کے لیے کہ کیا ہمارا سورج اس وقت پھٹنے والی حالت رکھتا ہے یا نہیں مستقیم طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی خصوصیات کا دوسرے ستاروں جو پھٹنے والے ہیں، کی خصوصیات سے موازنہ کیا جائے اس طرح کے موازنے سے ممکن ہے پھٹنے کے قریب ستاروں کی علامتوں سے تھوڑی سی بات معلوم ہو جائے اور اس کا سورج میں فقدان اس بات کا ضامن ہوگا کہ یہ فلکی نیر نسبتاً طولانی مدت تک اپنی پائیدار حالت کو برقرار رکھے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا چاہیے کہ فی الحال ستاروں کے پھٹنے سے پہلے مراحل کے بارے میں ہمیں کافی معلومات نہیں ہیں۔ اس طرح یہ بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم ستاروں سے پھٹنے کے اسباب سے بھی بالکل نا آگاہ ہیں اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مستقبل دور یا

[۱] پیدائش و مرگ خورشید ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۵ (یہ کتاب کے فارسی ترجمے کا حوالہ ہے)۔

نزدیک میں ستاروں کی مانند سورج بھی پھٹ جائے گا یا نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ایسا سانحہ پیش نہیں آئے گا۔“ [۱]

مختصر یہ ہے کہ اس وقت آفتاب اور ستاروں کی موت اور نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کی کیفیت کے بارے میں انسان کچھ نہیں جانتا۔ البتہ آسمانوں اور زمین میں حیات کے خاتمے اور اسی طرح کرہ زمین کے انجام کے بارے میں کئی وضاحت کے بناء پر اسلام کے پیروکار آیات و روایات کے ذریعے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کی فضا میں اسرافیل حکم الہی سے صور پھونکیں گے اس اسرافیل کی چنگھاڑ سے شدید صوتی لہریں پیدا ہوں گی جو بہت ہی کم وقت میں تمام علوی و سفلی عوالم پر چھا جائیں گی، اہل آسمان کو مار دیں گے، تمام انسانوں اور دوسرے زمینی جانداروں کو ہلاک پہاڑوں کو ریزہ ریزہ اور زمین کو ویرانے میں تبدیل کر دیں گے۔

اہل آسمان و زمین کی ہلاکت

اہل آسمان کی موت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

لا یبقی بعد النفخة الاولى الا جبریل ومیکائیل واسرافیل وملك الموت۔ [۲]

اسرافیل کے پہلے نفخے کے بعد تمام آسمان والے ہلاک ہو جائیں گے اور کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر

جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت۔

اہل زمین کی موت کے بارے میں آیا ہے:

فاذا سمعوا صوت الصور تقطعت قلوبهم واکبادهم من شدته فيموتون

دفعۃ واحدة۔ [۳]

جب روئے زمین پر بسنے والے صور کی آواز سنیں گے اس کی شدت سے ان کے دل اور جگر پارہ پارہ

ہو جائیں گے اور وہ سب ایک ہی دفعہ مر جائیں گے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا [۴]

ایک دن ایسا آئے گا کہ زمین اور پہاڑ متزلزل ہو جائیں گے اور ان کے اس شدید تزلزل کی وجہ سے

[۱] پیدائش و مرگ خورشید، ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۵

[۲] الثالی الاخبار، ص ۴۵۳، ۴۵۵

[۳] الثالی الاخبار، ص ۴۵۳، ۴۵۵

[۴] المزمل - ۱۴۔

محکم و استوار پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ریت کے ذروں کی طرح اڑتے پھریں گے۔
امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

فمن شدة صيحة اسرافيل تتحرك الارض من مشرقها الى مغربها فلا
يبقى عليه بناء الا انهزم^[۱]
اسرافیل کی چنگھاڑ شدت سے زمین مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرے گی اور اس پر کوئی عمارت
ایسی نہ ہوگی کہ جو گر کر تباہ نہ ہو جائے۔

اور یہ بات نہ رہ جائے کہ دنیا کے خاتمے پر انسانوں کی موت اور پھر قیامت کے پناہ ہونے پر اولین و آخرین مخلوق کے زندہ ہونے کے لیے قرآن شریف میں ”صیحہ“ اور ”نفض“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر الفاظ بھی بعض آیات میں آئے ہیں جن کی ذیل میں وضاحت کی جائے گی اور ان الفاظ کے معانی بھی چنگھاڑ ہی ہیں۔ یعنی انتہائی شدید صوتی لہریں۔

لرزادینے والی شدید چنگھاڑ

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۗ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ^[۲]

تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے ”الراجفة، صیحة، عظيمة فيهما تردد واضطراب۔“

راجفہ سے مراد ایسی عظیم اور شدید چنگھاڑ جس کا نتیجہ اضطراب اور لرزش ہو۔

مذکورہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس دن راجفہ یعنی عظیم اور مہلک چنگھاڑ کہ جو نفع اول ہے۔ پورے عالم کو گھیر لے تمام زندہ موجودات ہلاک اور سب چیزیں تباہ ہو جائیں گی اور اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت قیامت برپا ہوگی اور لوگ زندہ ہو جائیں گے۔

فَاتِّمَاهِي زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۗ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۗ^[۳]

دوسرا نفع (زجرہ واحدہ) یعنی ایک صیحہ ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ اپنے آپ کو میدان قیامت میں پائیں گے۔

[۱] التالی الاخبار، ص ۴۵۴، ۴۸۵

[۲] سورة النازعات - ۶، ۷

[۳] سورة النازعات - ۱۳، ۱۴

طاقت فرسادن

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۙ فَذَلِكَ يَوْمَ مَبِئْثَرٍ ۙ عَسِيرٍ ۙ ۱۱

جب ناقور (صور) میں پھونکا جائے گا وہ دن بہت سخت اور طاقت فرسا ہوگا۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۙ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۙ وَأُمُّهُ وَأَبِيهِ ۙ وَصَاحِبَتُهُ

وَبَنِيهِ ۙ ۱۲

جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہوگی، اس دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے

باپ، اپنے دوست اور اپنے بیٹے سے فرار کرے گا۔

ملاحظہ فرمائیں ان آیات میں رجف، زجر، نفر اور صاخہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ سب صحیحہ کے معنوں

میں ہیں۔ آیات سے مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی حتمی قضاء یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ صوتی لہروں

سے ہوگا اور صوتی لہروں ہی سے قیامت برپا ہوگی۔

۱۱ سورۃ مدثر ۸، ۹

۱۲ سورۃ عبس - ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶

باب نمبر 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَنُفِّخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾ (یس: ٥١)

گذشتہ فصل میں آیات اور روایات کی مدد سے جو تشریح کی گئی ہے اس کے مطابق جب اس دنیا کی عمر تمام ہو جائے گی اور اس کے فنا کا وقت آ پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ اسرافیل ذات حق تعالیٰ کی طرف سے قضاء الہی کو اجرا کرنے پر مامور ہوگا۔ وہ نور کے صور میں پھونکے گا، اس کی مہلک اور شدید چنگھاڑ تمام عالم کو گھیر لے گی اور آسمان والوں اور زمین والوں سب کی زندگی کا خاتمہ کر دے گی۔

موت کے پیام رساں نفعی سے پہلے

صور کے موت کے پیام رساں اور بیہوش کر دینے والے نفعی سے پہلے اہل آسمان اور زمین ایک جانکاہ وحشت اور طاقت فرسا اضطراب سے دوچار ہوں گے اور اس کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ انھیں کسی چیز کا کوئی ہوش نہ ہوگا۔ زندگی کے تمام معاملات میں بہت بڑا خلل واقع ہو جائے گا۔ پریشانی اور خوف و ہراس کا یہ عالم قیامت (ساعت) کی علامتوں میں سے ہے جس کی قرآن مجید نے خبر دی ہے اور اسے بھی صور پھونکنے کے مراحل میں سے قرار دیا ہے۔

خوف و ہراس کا بیان

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ

اللَّهُ ۙ ﴿١﴾

”جس دن صور پھونکا جائے گا تمام آسمان اور زمین والے سخت خوف و ہراس اُن پر طاری ہو جائے گا

مگر وہ لوگ اس وحشت سے محفوظ رہیں گے جن کو خدا چاہے گا۔“

دنیا کی اواخر عمر میں زمین پر بسنے والوں کے حال و احوال، جو تمام قیامت کی شرائط ہیں کے بارے میں آیات اور

روایات کا مورد نظر وہ آثار اور عوارض میں جو پہلے خوف ناک نفعی صور سے پیدا ہوں گے۔

يَأْتِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ① يَوْمَ تَرَوْهَا
تَدْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ
سُكَرَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ②

اے لوگو! عذاب الہی سے بچو اور آگاہ رہو کہ وہ زلزلہ جو اس کائنات کی فنا کی نزدیکی کا اعلان کرے
گا، بہت عظیم ہے اس دن مائیں خوف کے مارے اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتیں
ڈر کی وجہ سے اپنے حمل گرا دیں گی اور لوگ پریشانی اور اضطراب کی وجہ سے مست نظر آئیں گے جب
کہ وہ مست نہیں ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب شدید ہوگا۔

جلد لاحق ہونے والا بڑھا پہ اور خوف

وَيَصِيرُ النَّاسُ يَمِيدُونَ وَيَقَعُ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَانْهَمُ سُكَارَىٰ وَمَاهُمْ
بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ مِنْ عَظِيمٍ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْفَزَعِ وَتَبْيِضُ لِحَى الشَّبَّانِ مِنْ
شِدَّةِ الْفَزَعِ. ①

لوگ غیر متوازن پر چل رہے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے جیسے وہ مست ہوں لیکن وہ
مست نہیں ہوں گے ان کی یہ حالت نفعی (آواز) کی وحشت اور خوف و پریشانی کی یہ حالت جو انوں
کی ریش کو سفید کر دے گی اور وہ بہت جلد لاحق ہونے والے بڑھاپے سے دوچار ہو جائیں گے۔

خوفناک نفعی کی وجہ سے یہ جہان فنا نہیں ہوگا اور نظام عالم درہم برہم نہیں ہوگا اور کرہ زمین پر نسل بشر ختم نہیں
ہوگی۔ لیکن اس سے لوگ وحشت اور شدید اضطراب کا شکار ہو جائیں گے اور ان کو بہت سخت و سنگین قسم کی تبدیلیوں کا
سامنا کرنا پڑے گا لیکن وہ نفعہ جو دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر کے اور زمینی و آسمانی تمام زندہ مخلوقات کی ہلاکت کا موجب بنے
وہ نفعہ ”صعق“ ہے۔

قرآن مجید اس بارے میں یوں فرماتا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ②

① التالی الاحبار۔ ص ۴۵۴

② سورہ زمر۔ آیت ۶۷

صور پھونکا جائے گا اور جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اس کی ہولناک چنگھاڑ کی شدت اور سختی سے بیہوش ہو جائیں گے اور مرجائیں گے مگر وہ افراد بیہوشی اور موت سے محفوظ رہیں گے جن کو خداوند متعال چاہے گا۔

کائنات کی فنا کا نفع

اس نفع کی تباہ کن لہروں کی وجہ سے سمندر پھٹ جائیں گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ عمارتیں زمین بوس ہو جائیں گے اور اس کرہ ارض پر تباہی اور بربادی کے علاوہ کچھ نہیں بچے گا۔ ایک دراز مدت پر زمین خاموش اور ساکت رہے گی اور اس میں حرکت اور حیات کا اثر دکھائی نہیں دے گا۔ یہاں تک کہ قیامت کی گھڑی آن پہنچے گی اور اول و آخر تمام مخلوقات کو حساب و کتاب کے لیے زندہ کرنے کا وقت آ جائے گا۔ اس موقع پر اسرافیل ذات باری تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جائیں گے۔

فَيَقُولُ الْجِبَارُ لَأَسْرَافِيلَ التَّقْمِ الصُّورِ وَالصُّورِ قَرْنٍ مِنْ نُورٍ فِيهِ انْقَابٌ

عَلَى عَدَدِ رُوحِ الْعِبَادِ ۱۱

خداوند جبار اسرافیل کو حکم کرے گا کہ صور کو منہ میں لے کر پھونکنے کے لیے تیار ہو جاؤ، صور نور کی ایسی شاخ ہے جس میں خدا کے بندوں کی ارواح جتنے سوراخ ہیں۔

ثُمَّ نُفِّخُ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۱۲

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور جس سے تمام گزشتہ لوگ زندہ ہو جائیں گے اور وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور وحشت زدہ ہو کر قیامت کے حالات کو دیکھتے ہوئے عالم محشر میں قدم رکھیں گے۔ اس لحاظ سے پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے ارضی و سماوی مخلوقات مرجائیں گے اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا اور دوسری بار صور پھونکنے سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

ان دونوں (صور کا پھونکا جانا) کے بارے میں متعدد مطالب پر بحث اور تحقیق ہو سکتی ہے لیکن اختصار کے پیش نظر فقط دو کی مختصر طور پر وضاحت کی جائے گی۔

۱۱ تفسیر برہان - جلد ۴، ص ۸۷

۱۲ سورہ زمر - آیت ۲۸

۱۔ ذات اقدس الہی کی طرف سے دونوں یعنی دنیا کے خاتمے کا نفع اور قیامت کے قائم ہونے کے نفع کے درمیان کتنا فاصلہ مقرر کیا گیا ہے؟ البتہ اس سوال کا جواب وحی الہی کے بغیر کسی راستے سے ناممکن ہے اور قرآن مجید نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں کیا۔ اور کرہ زمین کی خاموشی اور سکون کی مدت کو معین نہیں کیا۔ اس موضوع پر ہادیان اسلام سے جو روایات نقل ہوئی ہیں وہ متفاوت ہیں بعض میں تو مدت کا ذکر ہی نہیں ہوا اور بعض میں نامعلوم مدت بتائی گئی ہے۔

دونوں کا درمیانی فاصلہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام سے دونوں کے درمیانی مدت کے بارے میں پوچھا گیا۔

قال ما شاء الله۔ [۱]

آپ نے جواب میں فرمایا: جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا۔
عبد بن حمید سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا:

بلغنی ان رسول الله صلى الله عليه واله قال بين النفتين اربعون يقول

الحسن فلا ندرى اربعين سنة او اربعين شهراً او اربعين ليلة۔ [۲]

ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اکرم (ص) نے فرمایا ہے کہ دونوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہیں، یا چالیس ماہ ہیں یا چالیس راتیں۔

۲۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کس طرح صوتی لہریں دو متضاد عمل انجام دیں گی ایک طرف تو دنیا کو فنا و برباد اور اس کی ہلاکت و موت کا موجب بنیں گی اور مخلوقات کے پیوستہ اجزاء کو جدا جدا کر دیں گی جب کہ دوسری طرف قیامت کے وقت مردوں کو زندہ کر دیں گی اور پراگندہ ذرات کو آپس میں جوڑ دیں گی؟

اس بات کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لیے آغاز میں اس طرح کی طبیعت میں موجود مثالوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سوال کا دینی لحاظ سے دیئے گئے جواب کی وضاحت کی جائے گی۔

اول: حکیم الہی فیض کا شانی مرحوم محی الدین عربی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بارے میں کہا ہے:

[۱] تفسیر صافی۔ ص ۲۶۹

[۲] در المنجور، جلد ۵ ص ۳۳۹

قال في الفتوحات الفخمة نفختان نفخة تطفئ النار ونفخة تشعلها. [۱]

آگ میں پھونکنا دو قسم کا ہے۔ ایک ایسا پھونکنا جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور دوسرا پھونکنا آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔

صور پھونکنے کے دو متضاد اثر

پھونکنا ایک ہے لیکن آگ میں دو متضاد اثر رکھتا ہے ایک اس کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے دوسرا اس کو بھڑکا دیتا ہے۔ اسرافیل کا صور پھونکنا بھی ایسے ہی ہے۔ دنیا کی فنا کے وقت زندگی کے شعلے کو خاموش کر دیتا ہے اور لوگوں کو مار دیتا ہے اور قیامت کے برپا ہونے کے وقت ان کو حیات بخشتا ہے اور ان کو فروزاں کر دیتا ہے۔

دوم: اس سلسلے میں کتاب ”چیمیدانم و ماوراء صوت“ سے کچھ اقتباس نقل کرتے ہیں:

”ہوا کے غبار کا منجمد ہونا: جب کچھ ذرات مثلاً سگریٹ کے دھوئیں کے ذرات کسی گیس میں ٹھہر جائیں۔ اگر اس گیس کو ماوراء صوت کے اثرات کے تحت قرار دے دیں تو یہ مشاہدہ کیا جائے گا کہ دھواں بہت تیزی کے ساتھ جم جائے گا اس اثر کے انجام پانے کے لیے فقط چند سیکنڈ کافی ہیں۔

”اس انجماد کے عمل کے مطالعے سے بہت خوبصورت تجربات سامنے آئے ہیں ماوراء صوت کو ٹھہرے ہوئے ذرات میں سے عبور اضافی حرکات کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں مالیکیولوں کا آپس میں اختلاط اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہونے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔ جب چند ذرے آپس میں جمع ہو جاتے ہیں تو حاصل شدہ مجموعہ بہت زیادہ بھاری ہو جاتا ہے اور ظرف کی دیواروں پر جمننا شروع ہو جاتا ہے۔“ [۲]

خوردین سے دیکھے جانے والے کچھ موجودات کو ماوراء صوت کی لہروں کے اثرات کی زد میں لایا گیا ہے۔ معمولاً جو اثر مشاہدہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زیر تجربہ موجود قطعہ قطعہ ہو جاتا ہے۔

ٹھہرے ہوئے ذرات کے بارے میں مذکورہ مکانیکی عکس یہاں پر موجود ہے۔ وہاں پر چھوٹے ذرات ایک دوسرے سے جڑ کر بڑی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک بڑا مجموعہ تشکیل دیتے ہیں جب کہ یہاں چھوٹے جاندار چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔“ [۳]

[۱] علم الیقین، جلد ۲ ص ۸۹۴

[۲] چیمیدانم؟ ماوراء صوت ص ۸۷

[۳] چیمیدانم؟ ماوراء صوت ص ۹۸

اس بناء پر طبعی (فزکس) لحاظ سے مختلف موقعوں پر صورتوں کے پھونکنے اور صوتی لہروں کے پیدا ہونے سے متضاد اور مخالف اثرات کے مرتب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جس طرح نظام خلقت کے کبھی پھونکنا آگ کے بجھنے کا اور کبھی آگ کو بھڑکانے کا سبب ہے۔ اسی طرح ماوراء صوت کی لہریں کبھی ذرات کو آپس میں جوڑتی ہیں اور کبھی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔

حقیقت صورتوں سے ہماری عدم آگاہی

البتہ مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم نہ تو صورتوں کی حقیقت سے آگاہ ہیں اور نہ یہ کہ حضرت اسرافیل کس طرح صورت پھونکیں گے اور کس طرح وہ موت و حیات کا اثر رکھتا ہے۔ جو چیز مسلم ہے اس کی قرآن مجید نے خبر دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ صورتوں کی دو چنگھاڑیں ہیں۔ ایک چنگھاڑ مہلک اور تباہ کن ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی اور آسمانوں اور زمین کے باسیوں کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور دوسری چنگھاڑ حیات بخش ہے کہ جو قیام قیامت کے وقت رونما ہوگی جس کے اثر سے اول و آخر کی تمام مخلوقات زندہ ہو جائیں گی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حیات بخش چنگھاڑ کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۳۷﴾

ایک دن آئے گا کہ لوگ حق و عدل کے ساتھ چنگھاڑ کو سنیں گے اور وہ دن زندہ ہونے اور قبروں سے باہر آنے کا دن ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ سننا زندہ موجودہ کے اوصاف میں سے ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو صحیحہ سنی جائے گی وہ کلمہ الہی اور فرمان حیات ہے کہ جو ذات باری تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوگا اور چونکہ کلمہ الہی کا القاء لوگوں کا زندہ ہونا اور اس کلمے کا سننا ایک ہی لمحہ میں وقوع پذیر ہوگا اس لئے قرآن نے فرمایا ہے:

کلمہ الہی یا فرمان حیات

”يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ“

در حدیث آمد کہ روز رست نیز
امر آید ہریکی تن را کہ نیز

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت والے دن ہر ایک شخص کو اٹھنے کا حکم ہوگا۔

نَفخ صور امر است از یزدان پاک

کہ بر آرید ای ذرا ری سرز خاک

صور کا پھونکا جانا یزدان پاک کی طرف سے حکم ہے کہ اے تہہ خاک سونے والو اٹھ کھڑے ہو۔

باز آید جان ہر یک در بدن

بجو وقت صبح ہوش اندر بتن

ہر ایک کے بدن میں جان لوٹ آئے گی جس طرح صبح کے وقت جسم اندر ہوش آ جاتا ہے۔

عالم آخرت سے مربوط تمام مباحث میں جن اہم ترین اور بنیاد ترین مطالب پر ہمیشہ پوری توجہ دینی چاہیے ان میں ایک یہ ہے کہ سورج کے تاریک ہونے، ستاروں کے گرنے، پہاڑوں کے بکھرنے، دریاؤں کے پراگندہ ہونے، اہل زمین اور آسمانوں کے مرنے، مختصر یہ کہ اس جہان کے تباہ و برباد اور اس کی عمر ختم ہونے سے، ہر چیز اور ہر کوئی فنا ہو جائے گا اور دنیا اور زندگی کے تمام امور کا اپنے تمام تر تکوینی قوانین اور اصولوں کے ساتھ خاتمہ ہو جائے گا اس کے بعد خالق قادر کے ارادے سے جہان دوبارہ وجود میں آئے گا، نئے قوانین اور اصول جاری ہوں گے اور جب صور پھونکنے سے لوگ زندہ ہوں گے اور میدان قیامت میں قدم رکھیں گے تو وہ ایسے عالم کا سامنا کریں گے کہ جس کی مخلوقات، موجودات اور قوانین و اصول کا، دنیا کی مخلوقات، قوانین اور نظاموں سے موازنہ نہیں کیا جاسکے گا۔

کوتاہ فکر افراد اور باطل خیال

کوتاہ فکر اور محدود سمجھ رکھنے والے افراد دنیا اور اس کے قوانین کے علاوہ کسی اور جہان کو دیگر اصول و قوانین کا تصور نہیں کر سکتے۔ جب وہ عالم آخرت کے حالات و واقعات اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی باتیں سنتے ہیں جو اس دنیا کے تکوینی معیاروں پر پورا نہیں اترتیں تو وہ ان کو غیر ممکن اور محال خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے اس باطل خیال کی بنیاد پر عالم آخرت کی نفی کرتے ہیں لیکن مکتب انبیاء کے سچے پیروکار جو اس جہان کو خدا کی مخلوق سمجھنے میں ان کا یہ ایمان ہے کہ قدرت اور علم الہی نامحدود ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں آخرت اور حساب کا دن ضرور آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قطعی اور یقینی امر کی وحی کے ذریعے سے پیغمبروں کو خبر دی ہے اور اپنی ہرگز ناقابل تغیر حیثیت کے بارے میں ان کو آگاہ کیا ہے۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۗ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿٥١﴾^[۱]
 بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آئے گی اور حکم الہی سے تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دنیا اور آخرت کے قوانین میں فرق

اگرچہ آئندہ آنے والی فصلوں میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ دنیا کے طبعی و تکوینی قوانین اور سنن کا آخرت کے قوانین و اصولوں سے کتنا فرق ہے لیکن ذہنوں کی آمادگی کے لئے اس فصل میں نمونے کے طور پر چند فرق بیان کرتے ہیں:

شکم زمین اور شکم مادر

۱۔ دنیا میں مٹی کا شکم پھولوں اور درختوں کے بیجوں کی نشوونما کے لئے رحم مادر کی طرح ہے۔ پودوں اور پھولوں کے بیج تمام طبعی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے مٹی کے نیچے دبا جانے کے بعد نظام خلقت کے معیار اور دستور کے مطابق تدریجاً مکمل کے مدارج کو طے کرتے ہیں۔ پھر مقررہ وقت پر ایک کمزور پودے کی صورت میں زمین سے پھوٹتے ہیں۔ اور خاک کی چادر پر اپنی بنانی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ انسان کا نطفہ بھی رحم مادر میں ٹھہرنے کے بعد طبعی طور پر مکمل کے مدارج کو طے کرتا ہے اور مقررہ وقت پر ایک ناتوان نوزد کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور زندگی کے سفر کو قدم بقدم طے کرتا ہے۔ لہذا نظام خلقت کے مطابق دنیا میں زمین کا پیٹ پودوں اور درختوں کے بیجوں کے پرورش کی جگہ ہے اور ماں کا پیٹ نطفہ انسان کی نشوونما کے لئے۔

جب قیامت برپا ہوگی تو انسان کا تکوینی قانون بدل جائے گا۔ زمین کا پیٹ رحم مادر کی جگہ لے لے گا اس دن تمام زمانوں میں ماؤں کے شکموں سے پیدا ہونے والے، دنیا میں آنے کے بعد یا م زندگی گزار کر مرنے والے ذات اقدس باری تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے دوبارہ شکم زمین سے پیدا ہوں گے اور قبروں سے باہر آئیں گے، اس فرق کے ساتھ کہ دنیا کے نومولود ولادت کے آغاز میں ماؤں کے شکموں سے بہت ضعیف اور کمزور باہر آتے ہیں اور آہستہ آہستہ طاقت و ربنتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ایک ایک طاقت و انسان کی شکل میں صحیح فہم و ادراک اور مکمل اعضاء و جوارح سے بہرہ مند مٹی کے شکم سے خارج ہوں گے۔ اور قیامت کے میدان میں قدم رکھیں گے اور ان سے حساب لیا جائے گا اور پوچھ گچھ کی جائے گی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥٢﴾^[۲]

[۱] الحج۔ ۷

[۲] یس۔ ۵۱

اور صور پھونکا جائے گا اچانک لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے حساب کے لئے مقررہ جگہ کی طرف تیزی سے جائیں گے۔

موجود زندہ کی ایک بنیادی اکائی

انسان اور پودے کی پیدائش ایک بنیادی و اصلی اکائی وہ پنسل کے سلولوں کے نام سے جاندار ذرہ ہے۔ جو رحم مادر اور خاک کے اندر قرار پاتا ہے۔ غذا کے ذریعے سے طبعی عناصر اور معدنی مواد کو جذب کرتا ہے اور اپنے رشد کے لئے اسباب فراہم کرتا ہے۔

قیامت کے دن خاک کے بطن سے انسان کی پیدائش کی بنیادی اکائی ایک ایسی چیز ہے جو امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں ”طینت“ سے تعبیر کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہمیشہ پائیدار اور ثابت ہے یہ دنیا میں خلقت انسان کا اصلی جزء ہے اور آخرت میں بھی انسان کی پیدائش کی بنیادی اکائی ہوگی۔

عمار بن موسیٰ کہتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے سوال پوچھا گیا کہ کیا قبر میں میت کلی طور پر بوسیدہ اور بالکل نابود ہو جائے گی؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

قال: نعم حتی لا یبقی له لحم ولا عظم الا طینة التي خلق منها فانها لا

تبدلی تبقی فی القبر مستدیرة حتی یخلق منها کما خلق اول مرة. [۱]

ہاں یہاں تک کہ نہ اس کا گوشت باقی رہے گا اور نہ ہی کوئی ہڈی۔ فقط اس کی طینت جس سے وہ خلق کیا گیا ہے بوسیدہ نہیں ہوگی اور قبر کی حالت میں تمام تر تغیرات اور تبدیلیوں کے باوجود ویسی کی ویسی باقی رہے گی۔ یہاں تک کہ دوبارہ پہلی مرتبہ کی طرح اسی طینت سے انسان پیدا کیا جائے گا۔

طینت یا عنصر پائیدار

ہم طینت کی حقیقت کو نہیں جانتے اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ حقیقت جو ہر انسان کے لئے ایک ثابت اصل اور ناقابل تغیر اساس ہے، کس طرح ہے؟ لیکن امام کے کلام سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ پوری زندگی میں انسان کے جسم میں ہونے والے تغیرات اور تبدیلیوں سے یہ ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی جسم کے اجزاء کے نابود ہونے سے نابود ہوتی ہے۔ بلکہ قیامت کے برپا ہونے تک زمین میں باقی رہے گی اور ہر انسان اپنی پہلی طینت سے پیدا کیا جائے گا۔

عالم طبیعت کے بارے میں شبہات

علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مرآة العقول میں فرماتے ہیں:

مختلف مسلک کے افراد نے اس حدیث کا معنی اپنے مسلک کے مطابق کیا ہے۔ اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعض افراد لفظ ”متدیرة“ کو اس کی تقسیم ناپذیری کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور بعض دوسروں کی نظر میں ”متدیرة“ سے مراد وہ تبدیلیاں اور تغیرات ہیں جو طینت میں واقع ہوں گی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث کے بعض نسخوں میں لفظ ”متدیرة“ کی بجائے لفظ ”متدیمة“ آیا ہے۔ یعنی پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی طینت۔^[۱] لڑاتی مرحوم نے ”مشکلات العلوم“ کے صفحے ۷۷ پر اس حدیث کو زیر بحث لاتے ہوئے کچھ احتمالات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر انسان کی طینت سے مراد ذرات میں سے ایک ذرہ ہے کہ جس سے روز ازل اللہ نے سوال کیا تھا۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

الْأَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوا بَلَىٰ ؕ ﴿۱۴﴾

انسان کا جزا اصلی

اس احتمال کی بنیاد پر ہر انسان کا اصلی جزء وہی ذرہ ہے جو اس کی اصل بنیاد ہے اور باقی اجزاء اس سے پیوستہ ہیں اور یہ اصلی جزء انسان پر آنے والے تغیرات اور تبدیلیوں کی وجہ سے نابود نہیں ہوتا بلکہ اسی طرح باقی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت میں بدن کے اجزاء اس ذرے سے جڑ جائیں اور بدن وجود میں آجائے۔

کتاب چہ میدانیم؟ جنایت کے صفحہ ۳۶ پر درج ہے کہ:

”ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والی نضحی جان نفسیات کے اعتبار سے پہلے انسانوں پر شبہیہ ہو سکتی ہے۔ اس کا چہرہ اور کھوپڑی ناموزوں ہو سکتی ہے۔ ماتھا نکلا ہوا کان تیز اور نہ چٹھے ہوئے ہو سکتے ہیں۔ ان علامتوں کا ظہور وراثت سے وابستہ ہے اور ایک قسم کی اصل یعنی اپنے اجداد کی بازگشت ہے۔ اس شخص میں پہلے والے انسان کے جبلی انداز کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ کبھی کبھار حیوانات کے درمیان قدیم زمانے کے ناپید اور نابود حیوانات کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔“

[۱] مرآة العقول۔ جلد ۳، ص ۱۰۲

[۲] الاعراف۔ ۱۲۲

تغیر ناپذیر حقیقت

کہتے ہیں کہ ایک انسان کا بدن چند سالوں میں ایک دفعہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے، پرانے خلیے ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ لیکن وراثت کا وہ کہنہ عامل جو اسلاف کی خصوصیات اور صفات کا حامل ہے ایک تغیر ناپذیر حقیقت ہے۔ یہ عامل تمام زمانوں میں تبدیلیوں سے محفوظ رہتا ہے، فنا نہیں ہوتا اسی طرح انسانوں کے بدلتے ہوئے وجود میں باقی اور پائیدار رہتا ہے اور ایک فرد سے دوسرے فرد میں، ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچ جاتا ہے اور حالات کو سازگار بنا کر مخفی پردے سے نکل آتا ہے۔

حدیث میں مذکورہ انسان کی طینت ایک مجہول حقیقت ہے اول تو یہ کہنہ وراثتی عامل کی مانند ہمیشہ باقی اور پائیدار ہے اور جسم کے سیلوں کے تبدیل ہونے سے نابود نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ یہ مجہول حقیقت آدمی کا بنیادی اور اصلی جز ہے یہ موت کے بعد بھی اسی طرح باقی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور ہر انسان کا بدن خدا کے حکم سے اسی طینت کی قائم و دائم اساس پر رحم خاک میں بنایا جائے گا اور اپنے حساب و کتاب کے لئے ذاتِ اقدس الہی کی درگاہ میں حاضر ہوگا۔

شکمِ خاک سے مردوں کا باہر آنا

۲۔ دنیا کے تکوینی نظام میں انسانوں کی شکمِ مادر سے پیدائش تدریجی ہے۔ پورے عالم میں ہر زمانے میں کچھ لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ مرتے رہتے ہیں۔ لیکن قیامت میں اول و آخر کی تمام مخلوقات ایک ہی دفعہ زندہ ہوں گی اور سب لوگ خالقِ اکبر کے حکم پر صور پھونکنے سے اکٹھے زمین کے پیٹ میں وجود میں آجائیں گے اور سب باہم شکمِ خاک سے باہر آئیں گے۔ جو کچھ صریح آیات اور روایات سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ آخرت میں لوگوں کے دوبارہ وجود پانے کا قانون نباتات کے قانونِ حیات کے مطابق ہے۔

یہ مطلب قرآن شریف نے بار بار یاد دلا یا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا
سُقْنُهُ لَيْلًا مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ كَذَٰلِكَ
نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۰﴾

وہ وہ خدا ہے جو ہوا کی لہروں کو رحمت کی بشارت دینے پر مامور کرتا ہے اور پانی سے لدے ہوئے

بادلوں کو مردہ زمینوں کی طرف بھیجتا ہے ہم ان بادلوں سے بارش برساتے ہیں اور بارش کے ذریعے سے طرح طرح کے پھلوں کو باہر نکالتے ہیں اور قیامت میں بھی ہم اسی طرح مردوں کو باہر نکالیں گے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيّٓ اَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُحْيِيْهُنَّ مَيِّتًاۙ اِلٰىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍۙ فَاُحْيِيْنَاۙ بِهٖ الْاَرْضَۙ بَعْدَ مَوْتِهَاۙ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿٩﴾

اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھائیں اور مردہ زمین کی طرف لے جائیں ہم اس ذریعے سے زمین کو موت کے بعد زندہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن بھی ایسا ہی کریں گے۔

وَالَّذِيّٓ نَزَّلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ مَآءًۙ بِقَدَرٍۙ فَاَنْشَرْنَاۙ بِهٖۙ بَلَدًاۙ مَّيِّتًاۙ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾

وہ ایسا خدا ہے جو آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی برساتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ اور متحرک کرتا ہے اور تم سب بھی اسی طرح قبروں سے خارج ہو گے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۙ اَنَّكَ تَرٰى الْاَرْضَ خَاشِعَةًۙ فَاِذَاۙ اَنْزَلْنَاۙ عَلَيَّهَاۙ الْمَآءَۙ اهْتَزَّتْۙ وَرَبَّتْۙؕ اِنَّ الَّذِيّٓ اَحْيٰهَاۙ لَمُحْيِ الْمَوْتِؕ اِنَّهٗۙ عَلٰىۙ كُلِّ شَيْءٍۙ قَدِيْرٌ ﴿٣٨﴾

خدا کی آیات میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک اور بیابان ہوتی ہے۔ جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آ جاتی ہے وہ ابھر کر نرم ہو جاتی ہے وہ اللہ ہے جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ مردوں کو بھی حیات بخشنے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قیام اور مردوں کے زندہ ہونے کو مردہ زمین کے زندہ ہونے اور اس سے پودوں کے اگنے سے مشابہ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے درحقیقت موجودیت انسان کی کیفیت کے بارے میں ایک نئے قانون کا اعلان کیا گیا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن شریف نے سب جگہ پر زمین کے زندہ ہونے کی بات کرنے سے قبل بارش کے برسنے کی بات کی ہے اور پانی نازل ہونے جو حیات کا اصل سرمایہ ہے، ذکر کیا ہے اور قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کے

﴿٩﴾ سورہ فاطر۔ آیت ۹

﴿١١﴾ سورہ زخرف۔ آیت ۱۱

﴿٣٨﴾ سورہ حم سجدہ۔ ۳۹

موقعہ پر بھی ان روایات میں جو رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے ہم تک پہنچی ہیں، بارش کا برسنا بتایا گیا ہے۔

باران حیات کا نزول

عن قتادة قال قال رسول الله (ص) بين النفختين اربعون قال اصحابه فما
سئلنه عن ذلك وما زاد غير انهم كانوا يرون من رأيهم انها اربعون سنة
قال وذكر لنا انه يبعث في تلك الاربعين مطر يقال له مطر الحياة حتى
تطيب الارض وتهتز وتنبت اجساد الناس نبات البقل ثم ينفخ
النفخه الثانية فاذا هم قيام ينظرون. [۱]

قتادہ رسول اکرمؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: دونفخوں کے درمیان چالیس کی مدت ہے
آنحضرتؐ کے اصحاب نے کہا ہم نے اس چالیس کے بارے میں سوال نہیں کیا اور اس کی وضاحت نہیں چاہی اور آنحضرتؐ
نے بھی چالیس کے لفظ سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن اصحاب نے جو چیز اس سے اخذ کی وہ چالیس سال تھے۔ آپؐ نے
فرمایا: اس چالیس کے دوران اللہ تعالیٰ ایک بارش برسائے گا جس کا نام باران حیات ہے۔ اس کے برسنے سے زمین پاک
ہو جائے گی اور حرکت میں آجائے گی اور انسانوں کے اجساد پودوں کی مانند اس میں اگیں گے پھر صور کا دوسرا نغمہ پھونکا جائے
گا اچانک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور قیامت کے حیرت انگیز منظر کو دیکھنے لگیں گے۔
امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اذا اراد الله عزوجل ان يبعث الخلق امطرا السماء على الارض اربعين
صباحا فاجتمعت الاوصال ونبتت اللحوم. [۲]

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھانے کا ارادہ فرمائے گا، چالیس دن تک آسمان سے زمین پر پانی برسے گا۔
جس کے اثر سے ہڈیاں آپس میں جڑ جائیں گی اور ان پر گوشت چڑھ آئے گا۔

۳۔ اس جہان کے تکوینی اصول و ضوابط کے مطابق اس عارضی اور راہ گذر دنیا میں کوئی بھی چیز پائیدار اور ابدی نہیں
ہے۔ اس کی تمام مخلوقات ہمیشہ تغیر و تبدل کی حالت میں ہیں اور انسان جو انھی موجودات میں سے ہے اس بنیادی اور اصلی

[۱] الدر المنثور۔ جلد ۵، ص ۳۳۹

[۲] امالی صدوق۔ ص ۱۰۷

اصول اور کلی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس کی جوانی کے ہمراہ پیری، طاقت کے ساتھ ضعف، سلامتی کے ساتھ اور آخر کار زندگی کے ہمراہ موت قرار دی گئی ہے۔ خداوند قدوس نے ان تبدیلیوں اور تغیرات کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور متعدد آیات میں ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿٥٩﴾^[۱]

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ضعیف نطفے اور ناتوان جسم کے ساتھ خلق کیا ہے۔ پھر اس کمزوری اور ناتوانی کے بعد تمہارے لئے بڑھاپے کا ضعف قرار دیا وہ جس طرح چاہے پیدا کرے۔ اور وہ دانا و توانا ہے۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ ﴿٦٠﴾^[۲]

اس اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو خلق فرمایا تاکہ دار تکلیف میں تمہیں آزمائے اور واضح کرے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

عالم آخرت میں دنیا کے برخلاف تبدل و تغیر نہیں ہے۔ وہاں پر پیری و فرسودگی، ضعف و ناتوانی، درد و بیماری اور موت و نابودی کے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ عالم آخرت ایک اور جہان ہے جو اور اصول و قوانین کے تحت چلے گا۔ اس عالم کے حالات ثابت اور پائیدار ہیں۔ اس کی نعمتیں ابدی ہیں۔ وہاں پر نہ کوئی ولادت ہے نہ لوگوں کی تعداد بڑھ سکے اور نہ موت کا وجود ہے کہ بہشتیوں اور دوزخیوں کی تعداد میں کمی واقع ہو سکے۔ آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لیے اور زوال لا پذیر ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ بِالْحَيَاةِ الْبَاقِيَةِ الْجَنَّاتِ الَّتِي فِيهَا جَارٌ مِمَّنْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾^[۳]

عالم آخرت میں حیات ہمیشہ باقی اور برقرار ہے اور ہرگز زوال و فنا کی زد میں نہیں آئے گی۔
راغب اپنی کتاب مفردات میں کہتے ہیں:

ان الحيوان الحقيقي السرمدي الذي لا يفنى لا ما يبقى مدة ثم يفنى۔
حیات حقیقی ایسی حیات ہے جو دائم اور سرمدی ہے نہ کہ ایسی حیات جو کچھ مدت باقی رہے اور پھر فانی

[۱] سورہ روم - ۵۹

[۲] سورہ ملک - ۲

[۳] سورہ عنکبوت - ۶۱

ہو جائے۔

قال رسول الله: يا عجا كل العجب للمصدق بدار الحيوان وهو يسعي لدار

الغرور. [۱]

امام باقر علیہ السلام سے رسول اکرم (ص) کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: کتنا حیرت انگیز ہے اس انسان کا عمل جو آخرت اور جاودانی زندگی کا قائل ہے لیکن وہ اپنی ہمت و کوشش کو عارضی اور غرور کے دنیاوی گھر کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔

باری باری موت و حیات

ایک اور نکتہ جو دنیاوی اور اخروی زندگی کے درمیان تفاوت و فرق کے طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہے کہ اس جہان کے اول عناصر اور معدنی مواد طبعی لحاظ سے بے جان ہے فقط ان میں سے کچھ جب وہ اصول حیات کے راستے میں قرار پاتے ہوئے اس عالم کے جانداروں میں سے پودوں یا حیوانوں یا انسانوں کے جزو بن جاتے ہیں تو اس وقت خالق توانا کے ارادہ تکوینی سے ان کے اندر حرکت وجود میں آ جاتی ہے۔ لیکن اس نکتے کی طرف توجہ کرنے سے کہ اس جہان کی زندگی محدود ہوئے۔ دوبارہ مردہ ہو جائیں گے۔ عالم طبیعت کے مردہ خانوں میں واپس چلے جائیں گے اور یہ زندہ سے مردہ میں تبدیلی مردہ سے زندہ میں تبدیلی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے اور قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اس اہم کام کی انجام دہی کو ذات اقدس الہی کی خصوصیات میں سے قرار دیا ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ [۱۹] [۲]

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کا قبروں سے نکالنا بھی اسی طرح ہوگا۔

آخرت اور مطلق حیات

عالم آخرت جو کہ بلند و عالی اور نکامل کا جہان ہے اس میں موت اور مرنا موجود نہیں ہے۔ وہاں پر سب اشیاء اور

[۱] الدر المنثور جلد ۵، ص ۱۴۹

[۲] سورہ روم۔ ۱۹

جہان کے تمام اجزاء زندہ ہیں اور ہر کوئی اور ہر چیز حیات کی نعمت سے بہرہ مند ہے اور ہر جاندار اپنی حیثیت کے مطابق فروغ زندگی کے پرتو میں ایک قسم کے شعور و ادراک کا حامل ہوگا۔ کرہ زمین دنیا کے اندر جامد اور مردہ ہے لیکن قیامت کے دن تبدیل ہو جائے گی اور کمال حاصل کر کے زندہ ہو جائے گی۔ یہ زندگی کا اثر ہے کہ وہ حقائق کو ادراک کرے اور اس کے علاوہ اپنے ادراکات کی تشریح کرنے پر بھی قادر ہے اور جس چیز سے وہ آگاہ ہوئی ہے اس کو بتا سکتی ہے۔ آیات اور روایات میں بھی یہ بات آئی ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۗ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۗ ﴿١١﴾

قیامت میں، زمین ان اچھے اور برے کاموں کے بارے میں بتائے گی جو اس پر انجام دیئے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وحی فرمائی ہے اور اس کو مامور کیا ہے کہ وہ اپنے واقعات کو بیان کرے۔

زمین کا بات کرنا

رسالت مآب نے فرمایا:

اتدرون ما اخبارها قالوا الله ورسوله اعلم قال اخبارها ان تشهد على كل

عبد وامة بما عمل على ظهرها تقول عمل كذا وكذا ويوم كذا وكذا۔ ﴿١٢﴾

کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جواب دیا گیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دے گی جو کچھ انہوں نے زمین کے اوپر انجام دیا ہوگا اور یہ کہے گی کہ فلاں نے فلاں دن ایسا کیا ویسا کیا۔

کہ زمین آرزو آید در سخن
بد ہد اخبار از عملها تن بتن
ہر چہ ہر کس کردہ اندر پشت او
باز گوید بی تامل مو بمو
او فتمد از پردہ بیرون راز ہا
ماند از خجالت بکام آواز ہا

﴿١١﴾ سورہ زلزله۔ ۵۴

﴿١٢﴾ تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۱۰ ص ۵۲۶

زمین اس دن بولے گی اور ہر فرد کے اعمال کی خبریں دے گی جس نے ابھی اس کے اوپر جو کچھ انجام دیا ہوگا۔ وہ سب کسی تامل کے بغیر ہو بہو کہے گی۔ راز پردے سے باہر نکل آئیں گے اور آوازیں خجالت کی وجہ سے دہان میں ہی رہ جائیں گی۔

قال رسول الله صلى الله عليه واله: حافظوا على الوضوء وخيرا اعمالكم
الصلوة وتحفظوا من الارض فانها امكم وليس فيها احد يعمل خيرا او
شراً الا وهى مخبرة به۔ [۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: ہمیشہ وضو اور اپنے بہترین اعمال یعنی نماز کی حفاظت کرو اور اپنے آپ کو زمین سے جو تمہاری ماں کی طرح ہے، سے بچاؤ کیونکہ کوئی بھی شخص اس پر برا اور اچھا کام انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ وہ مقررہ وقت پر اس کی خبر دے گی۔

انس بن مالک نے رسول اللہ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان الارض لتخبر يوم القيامة بكل ما عمل على ظهرها وقرأ رسول الله
الآية ثم قال اتدرون ما اخبارها جئني جبرئيل قال خبرها اذا كان يوم
القيامة اخبرت بكل عمل عمل على ظهرها۔ [۲]

قیامت میں زمین ان اعمال کی خبر دے گی جو اس پر انجام دیئے گئے ہوں گے اس کے بعد آپ نے آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا زمین قیامت کے دن ہر اس کام کی خبر دے گی جو اس کی پشت پر انجام دیا گیا ہوگا۔

اجزاء زمین کی حیات

قیامت میں نہ صرف تمام تر کرة زمین زندہ ہوگا بلکہ کرة خاک کے پیکر کا ہر ذرہ گویا ایک زندہ اکائی ہوگا جیسا کہ دنیا میں ہر سیل ایک جاندار وجود میں زندہ اکائی ہے۔ شاید زمین کے ذرات کے حیات و شعور کی اساس پر جب حضرت اسرافیل مردوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکیں گے تو وہ ذرات کو مخاطب کر کے یوں کہیں گے:

[۱] تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۱۰ ص ۵۲۶

[۲] الدر المنثور۔ جلد ۶ ص ۳۵۶

ایتھا العظام البالية واللحوم المنقطعة ليقمن الى العرض على الملك

الديان ليجازيكم باعمالكم۔^[۱]

اے بوسیدہ ہڈیو اور اے بکھر جانے والے گوشت دربار الہی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ وہ تمہیں تمہارے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا دے۔

درخت اس دنیا میں نباتی زندگی کا حامل ہے لیکن عالم آخرت میں درخت کی حیات اتنا کمال حاصل کر لے گی کہ نہ صرف اس کا دنیا کی زندگی نباتی سے موازنہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا زمین پر انسان کے لئے تصور کرنا ناممکن یا کم از کم حیران کن اور تعجب انگیز ضرور ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وطوبى شجرة فى الجنة اصلها فى دار النبى صلى الله عليه وآله وليس من

مؤمن الا وفى داره غصن منها لا تخطر على قلبه شهوة شئ الا اتاه به ذلك

الغصن۔^[۲]

درخت طوبی

طوبی بہشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں اور تنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے گھر میں ہیں اور اس کی شاخیں تمام مومنین کے گھروں میں ہیں۔ اور کسی بھی با ایمان شخص کے دل میں کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی مگر یہ کہ طوبی کی شاخیں اس چیز کو مومن کے لئے فراہم کر دیتی ہیں۔ جن مومنین کے گھروں میں طوبی کی شاخیں موجود ہیں وہ ایسے افراد ہیں جنہوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں الہی تعلیمات کو انبیاء سے حاصل کیا اور ان کے مطابق عمل کیا ہے۔ انہوں نے ابدی سعادت حاصل کر لی اور جزاء الہی کے مستحق قرار پائے ہیں۔ چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ تمام انبیاء کے سردار ہیں اس لئے مناسب یہی تھا کہ درخت طوبی کی جڑیں آنحضرت کے گھر میں ہوں اور اس کی شاخیں دوسرے انبیاء الہی اور ان کے پیروکاروں کے گھروں میں نمودار ہوں۔

اس عالم میں آگ نہ صرف حیات نہیں رکھتی بلکہ خود حیات کی ضد ہے اور پودوں، حیوانوں اور انسانوں میں سے جو بھی جاندار اس میں جا پڑے وہ اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ لیکن آخرت میں دوزخ خود ایک زندہ موجود ہوگی اور آگ

[۱] لئالی الاخبار۔ ص ۵۶

[۲] امالی صدوق۔ صفحہ ۱۴۳، مجلس ۳۹

بھی حیات و شعور رکھتی ہوگی۔ اپنے مقام پر اس بارے میں وضاحت آئے گی کہ اہل جہنم آگ میں عذاب کا مزہ چکھیں گے لیکن مرے گئے نہیں، ان کی زندگی ختم نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور اس کا عذاب سہیں گے۔ وہ افراد جو دنیا کی زندگی کے علاوہ کسی اور آگ کا تصور نہیں کر سکتے ان کی نظروں میں دوزخ کی آگ اور اس کی خصوصیات ناقابل قبول اور انہونی ہیں۔ وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان ایک مدت تک آگ کے شعلوں میں جلتا رہے اور اس حالت میں زندہ بھی رہے اور اس کی زندگی سلامت رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شجرہ زقوم کے بارے میں آیت نازل فرمائی اور اس کی خبر دی ہے۔

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿۶۳﴾ [۱]

اس سلسلے میں روایت یوں وضاحت کرتی ہے:

ان الزقوم شجرة تنبت في قصر جهنم واغصانها ترفع الى دركاتها [۲]

زقوم ایک ایسا درخت ہے جو جہنم کی گہرائیوں میں اُگے گا اور اس کی شاخیں جہنم کے اوپر والے طبقات تک پہنچے گی۔

ابو جہل کو جب اس آیت کا پتہ چلا تو وہ بہت سرگرم ہو گیا اور بہت سی باتیں کرنے لگا ان میں ایک یہ بات کہی:

ان محمدا تزعم ان النار تنبت الشجرة والنار تحرق الشجرة [۳]

محمد کا خیال ہے کہ آگ درخت اُگاتی ہے حالانکہ آگ تو درختوں کو جلاتی ہے۔

ابو جہل نے اپنے آپ کو عالم طبیعت میں محصور کیا ہوا تھا وہ دوسرے نظام کا نہیں سوچ سکتا تھا اس نے دنیا کی آگ کے معیار پر بات کی آگ درختوں کو جلاتی ہے نہ کہ اُگاتی ہے۔ لیکن قرآن شریف ایک اور جہان کے نظام تکوینی کی خبر دیتا ہے اور آتش قیامت کے بارے میں بات کرتا ہے:

ایسی آگ جو زندہ ہے، ایسی آگ جو شعور و ادراک رکھتی ہے، ایسی آگ جس میں انسان شدید ترین عذاب کا مزہ چکھے گا لیکن نہ تو مرے گا اور نہ جلے گا کہ خاکستر ہو جائے۔ یہ آگ زندہ اور بیدار ہے کہ اپنے اندر زندہ درخت کی نشوونما کرتی ہے اور اس کو پھلدار بناتی ہے۔

[۱] الصافات - آیت ۶۳

[۲] تفسیر مجمع البیان، جلد ۷، ص ۸۳۶ (یہ روایت جناب حسن سے مروی ہے)

[۳] تفسیر مجمع البیان - ص ۳۶۶

حیات کے بلند ترین مدارج

نیز انسان عالم آخرت میں حیات کے بلند ترین مدارج اور ادراک و احساس کے قوی ترین ممکنہ مراتب سے بہرہ مند ہوں گے اور اس قدر عالی و بلند ترین راستوں میں پیش روی کریں گے کہ ان کی آخرت کی کامل اور بہترین زندگی کا ان کی دنیا کی زندگی سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا کے بعد انسان کی پہلی بلند منزل عالم برزخ ہے۔ مدارج کا عالی ترین مرتبہ اور آخری کمال عالم آخرت میں انسانوں کو نصیب ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی دنیوی اور برزخی زندگی کو دنیا میں ان کی نیند اور بیداری کی حالت سے تشبیہ فرمائی ہے۔

الناس نيام اذا ماتوا انتبهوا۔^[۱]

لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے۔

سوئے ہوئے اور بیدار انسان میں فرق

سویا ہوا انسان زندہ ہوتا ہے۔ اس کا دل دھڑکتا ہے۔ خون اس کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔ اس کے پھیپھڑے عمل تنفس جاری رکھتے ہیں۔ اس کا معدہ اور جگر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کے جسم کے بڑے بڑے اعضاء اور قوی اپنے اپنے کام میں مشغول نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود سوئے ہوئے اور بیدار انسان میں بڑا فرق ہے۔ نیند کی حالت میں انسان عقل و فکر، ادراک و شعور، سمع و بصر، خیر و شر کی تمیز، اصلاح و فساد کی شناخت معطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض ظاہری و باطنی قوتیں تقریباً کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ لیکن جو نہی یہ انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے اس کی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔ اور وہ کامل تر حیات اور طاقت و احساس کے ساتھ اپنی زندگی کو جاری رکھتا ہے۔

آخرت اور انسان کا تکامل

انسان کی دنیوی اور برزخی زندگی کا آپس میں وہی فرق ہے جو سوئے ہوئے اور بیدار انسان کی حیات میں ہے۔ اور عالم آخرت میں اس فرق میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اگرچہ اس عالم میں انسانوں کی حیات اپنے انتہائی کمال تک پہنچ جائے گی اور اسی نسبت سے اس کے ادراک و شعور میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ عالم آخرت میں حکم الہی سے تمام پردے ہٹ

جائیں گے، نا آگاہی اور غفلت زائل ہو جائے گی۔ پہاں حقائق آشکار ہو جائیں گے اور انسان کی قوت سماعت و بصارت بڑھ جائے گی۔ مختصر یہ کہ انسان عالم آخرت میں بہت سے پوشیدہ حقائق مشاہدہ کرے گا۔

لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكُمْ غِطَاءَكُمُ الْيَوْمَ

حَدِيثُ ۴۲ ﴿۱﴾

اے انسان تو ایسے خوفناک اور حیرت ناک دن سے غافل تھا۔ اب تیری نظروں سے ہم نے پردے ہٹا دیئے ہیں۔ اب تو اپنی تیز نگاہوں سے پوشیدہ حقائق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

۴۔ دنیا و آخرت میں ایک اور فرق یہ ہے کہ دنیا میں انسان خواہ عزت و اخلاق اور انسانی عادات و اطوار کا حامل ہو یا دیوسیرت اور درندہ صفت ہو، جیسا بھی ہو اس کا باطنی اور اصلی چہرہ پوشیدہ اور پنہاں ہے اور ظاہری طور پر لوگوں کو انسان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن قیامت میں اس کا باطن ظاہر ہو جائے گا۔ اس کی خفیہ باتیں آشکار ہو جائیں گی اور ہر شخص اپنی باطنی شکل میں اور اپنے اندر پیدا کردہ ملکات کی صورت میں محسوس ہوگا۔

ابدی عذاب کی توجیہ

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

يَحْشُرُ النَّاسَ عَلَى نِيَاتِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ﴿۲﴾

قیامت کے دن لوگ اپنی نیتوں کے مطابق محسوس ہوں گے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قیامت میں برے لوگوں کو عذاب میں ڈالا جانا ان کے ان برے اعمال کی وجہ سے ہے جن کا انہوں نے دنیا کے ارتکاب کیا اور اپنا باطنی چہرہ ان برائیوں کی صورت میں بنایا البتہ جس قدر گنہگار شخص کا عمل زیادہ قبیح اور گناہوں کا نفوذ اس کی روح میں گہرا ہوگا اسی نسبت سے اس کا عذاب شدیدتر اور زیادہ طولانی ہوگا۔ اور اسی بنیاد پر آگ میں ہمیشہ رہنے والے دوزخیوں کے ابدی عذاب کی بھی توجیہ اور وضاحت کی جاسکتی ہے۔ خواہ وہ ایسے لوگ ہوں جنہوں نے ساری زندگی دوزخی فکر کے علاوہ اور کوئی فکر ہی نہ کی ہو اور دوزخی عمل کے علاوہ کوئی اور عمل انجام نہ دیا ہو۔ البتہ ایسے افراد سراپا دوزخی ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام وجود کو دوزخ سے بنایا ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور ہرگز اس

﴿۱﴾ ق- ۲۲

﴿۲﴾ مشکوٰۃ الانوار- ص ۱۴

ماحول و محیط سے جو ان کی بناوٹ اور وجود جیسا ہے، جدا نہیں ہوں گے۔

خود سازی کے معنی کی وضاحت اور افراد کی انسانی قدروں سے بیشتر آگاہی کے لئے ضروری ہے کہ انسانی آزادی کی وضاحت کی جائے۔ انسانی آزادی ذاتِ الہی کا عظیم عطیہ ہے، یہ بلند مرتبوں اور انسان کے تکامل کی اساس ہے اسی طرح ان کا انحطاط و زوال بھی اسی سے وابستہ ہے۔

عالمِ طبیعت میں صرف انسان ایک موجود ہے جو دو بعدی TWO DIAMENTIONAL خلق کیا گیا ہے۔ اور یہ حیوانی اور انسانی پہلوؤں کا حامل ہے۔ اسی طرح یہی موجود ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے عمل کی آزادی دی ہے۔ انتخاب اور پسندیدگی کے حق کو اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اور اس کی سعادت اور بدبختی کو اس کے اپنے اختیار میں دے دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

انسان اور انتخاب کا حق

ان اهدینا ہ السبیل اما شا کر أو اما کفوراً۔^[۱]

ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لئے جس راستے کو منتخب کرے ان دو راستوں میں اسے حتماً ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا یا تو ہماری ہدایت کا شکر گزار بن جائے اور جس راستوں کی ہم نے اسے ہدایت کی ہے۔ اسی کو چن لے یا پھر نعمت ہدایت سے کفران کرے اور ہماری راہنمائی سے منہ پھیر لے۔

یہ انسان آزاد ہے چاہے تو اپنی ہوائے نفس کی بغیر قید و شرط کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو بعد حیوانی میں محصور کر لے۔ انسانیت کو فراموش کر دے اور تباہی و ہلاکت کی راہ اپنالے اور چاہے تو انسان بن کر زندگی گزارے۔ اپنے تمام وجودی پہلوؤں کو مناسب حد تک زندہ رکھے ان سب سے فائدہ اٹھائے اور ایک انسان کے شایان شان کمال کو حاصل کر لے۔

بکا ہوا انسان

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

الدنیا دار ممر لا دار مقر والناس فیہا رجلا ن رجل باع نفسه فابوقہا

ورجل ابتاع نفسه فاعتقها۔^[۱]

دنیا ایک گذرگاہ ہے جائے قیام نہیں ہے۔ اس دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک گروہ نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ راہِ حق کو ترک کر دیا ہے اور ہلاکت کی راہ اپنائی ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنے آپ کو خرید لیا ہے، سعادت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔

انسان اور خود سازی

انسان اور حیوان دونوں جبلی میلانات اور نفسانی خواہشات رکھتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ حیوان یک بعدی ہے اور اس کی جبلت ہی اس پر حاکم مطلق ہے۔ جس وقت وہ حرکت میں آتی ہے تو حیوان کا تمام وجود اس سے مغلوب اور مسخر ہو جاتا ہے۔ وہ مجبور ہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے بھاگ دوڑ کرے۔ لیکن آزاد اور عاقل انسان دو بعدی ہے جہاں پر وہ جبلی تقاضوں کی تکمیل کو غیر عقلی اور مصالح زندگی کے منافی دیکھتا ہے۔ وہاں پر وہ اس کے دباؤ کے سامنے ڈٹ جانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کو رد کرتے ہوئے اس کے حصول سے روگردانی کر سکتا ہے وہ یوں کہ عقل کے حکم کی پیروی کرے اور اپنے ضمیر اور وجدان کی آواز پر لیک کہے اور اپنے آپ کو ہوائے نفس کی قید اور شہوات کی غلامی سے آزاد کرائے۔

بد قسمتی سے انسان کی سرشت میں عقل ضعیف ہے۔ اس کے برعکس ہو او ہوس اور نفسانی خواہشات طاقت ور اور توانا ہیں۔ امام صادق علیہ السلام نے لوگوں کو ان کی اندرونی حالت سے آگاہ کرنے کے لئے اور ہوائے نفس کے خطرے سے انہیں خبردار کرنے کے لئے فرمایا:

جبلی خواہشات کا ہیجان اور عقل کی تیرگی

الہوی یقظان والعقل نائم۔^[۲]

انسان کی سرشت میں ہوائے نفس بیدار ہے لیکن عقل سو رہی ہے۔

جب جبلی خواہشات بیدار ہوتی ہیں اور اپنی تکمیل کا تقاضا کرتی ہیں تو عقل دھندلا جاتی ہے۔ اس کی اچھائی اور برائی میں تمیز کی طاقت ختم ہو جاتی ہے گویا اس وقت انسان اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ انسانی اقدار کو فراموش کر دیتا ہے۔ عزت نفس اسے بھول جاتی ہے اور حق و فضیلت کی راہوں کو وہ خیر باد کہہ دیتا ہے۔ اگر یہ صورت حال تکرار ہوتی رہے تو رذائل

[۱] نوح البلاغہ۔ ۱۳۳

[۲] بخارج ۱۷ ص ۱۸۱

اخلاقی اس کے باطن میں جگہ بناتے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانی صفات کھوجاتی ہیں اور انسان ایک انسان نما حیوان میں تبدیل ہو جاتے ہیں قرآن شریف نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا
يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٩﴾ [۱]

یہ دل تو رکھتے ہیں مگر فکر نہیں کرتے، یہ آنکھیں تو رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں یہ کان تو رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں۔ یہ لوگ چار پائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں اور یہ لوگ غافل اور نا آگاہ ہیں۔

علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

فالصورة صورة انسان والقلب قلب حيوان لا يعرف باب الهدى فيتبعه
ولا باب العمى فيصد عنه وذلك ميت الاحياء [۲]

یعنی شکل تو انسان جیسی ہے لیکن دل حیوان کا ہے نہ ہدایت پہنچاتا ہے کہ اس کی پیروی کرے اور نہ گمراہی کی تیز کر سکتا ہے کہ اس سے دوری اختیار کرے وہ زندہ افراد کے درمیان مردہ ہے۔

انبیاء اور عقل کی تقویت

اللہ تعالیٰ نے ضعیف عقل کی تقویت اور انسان کو اس کے انسانی پہلو کی طرف متوجہ کرنے کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ عملی دلیلوں کے ذریعے سے لوگوں کی عقلوں کو بیدار کریں۔ خرد کی قوت کو ان کے اندر قوی کریں۔ تاکہ وہ سرکش جبلی خواہشات کو لگام دے سکیں اور ہوا و ہوس اور شہوت پر قابو پاسکیں اور سعی و مجاہدہ کے ذریعے سے وہ اپنے آپ کو انسان بنا سکیں اور یوں انسانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کر سکیں۔

فبعث فيهم رسلا وواتر اليهم انبياءه ليستادوهم ميثاق فطرته
ويذكروهم منسى نعمته ويثيروا اليهم دفائن العقول [۳]

[۱] الاعراف - ۱۷۹

[۲] نوح البلاغہ - خطبہ ۸۷

[۳] نوح البلاغہ - خطبہ ۸۷

اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو لوگوں کے درمیان بھیجا تا کہ وہ فطری عہد کو پورا کرنے کا ان سے تقاضا کریں۔ بھلا دی گئی نعمتیں انھیں یاد دلائیں اور ان کے عقلی خزانوں کو باہر نکالیں۔

ہوائے نفس پر تسلط

بعض لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہی اپنی عقلوں کو ایمان اور وحی کی مدد سے طاقتور بنایا اپنی اصلی خواہشات کی باگ ڈور کو مصلحت کے ہاتھوں میں دے دیا اور انہوں نے ان جبلی خواہشات کو انسانیت کے لئے استعمال کیا۔ اس طریقہ کار کو اپنانے سے وہ حق و عدالت کے ہیرو بن گئے۔ وہ شہوات کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ ہوائے نفس پر ان کا تسلط ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وہ انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایسے حقیقی اور سعادت مند انسان کے بارے میں فرمایا ہے:

قد اخلص لله فاستخلصه فهو من معادن دینه و اوتاد ارضه قد الزم نفسه

العدل فكان اول عدله نفی الهوی عن نفسه یصف الحق ویعمل به۔ [۱]

عمل عدل کے مطابق

وہ کمال خلوص و پاکیزگی کے ساتھ خدا کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور خدا نے بھی اسے برگزیدہ کیا ہے۔ یہ پاک دل اور بافضیلت انسان دین الہی کی معاون میں سے ہے اور زمین خدا کی میخ ہے۔ اس انسان نے اپنے آپ پر عدل و انصاف کی رعایت کرنا لازمی قرار دیا ہے اور اس کے عدل کا اولین مرحلہ اپنے آپ کو ہوائے نفس کی اطاعت سے دور کرتا ہے۔ وہ حق و عدل کی توصیف کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے نہ صرف انبیاء کی پیغام حریت کا مثبت جواب دیا نہ اپنی عقل تو انسانیوں کو تعلیم الہی سے تقویت پہنچائی، بلکہ اپنی طبعی عقل کو دنیا پرستی اور شہوات میں افراط سے کمزور اور تیرہ کر دیا اور اس کو حقائق اور انسانی زندگی کی حقیقتوں کے ادراک سے روک دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس قبیل کے بد بخت اور محروم انسانوں کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

قد خرق الشہوات عقله و امانت الدنيا قلبه و ولهت علیها نفسه فهو

عبدالها و لمن فی یدیه شیء فیہا۔^[۱]

نفسانی شہوات اور میلانات میں افراط نے اس کی عقل کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں دنیا کی شدید محبت نے اس کے دل کو مردہ کر دیا ہے اور اس کی روح دنیا میں جذب ہو چکی ہے وہ دنیا کا بندہ ہے اور اس کا بندہ ہے جس کے ہاتھ میں دنیا کی کوئی چیز ہے۔

عقل ہو او ہوس کی قید میں

ایسا بد بخت اور بد قسمت انسان چونکہ ہوا و ہوس کا اسیر ہے۔ اور اسیر عقل کبھی بھی حکیمانہ فکر نہیں کر سکتی۔ سعادت اور نجات کی راہ کو نہیں پاسکتی اور انسان کو مفاسد شر کے شعلوں سے نہیں بچا سکتی۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

کم من عقل اسیر تحت ہوی امیر۔^[۲]

کئی عقلیں ہوائے نفس کے زیر تسلط اسیر و مغلوب ہیں۔
نیز آپ نے فرمایا:

حرام علی کل عقل مغلول بالشہوة ان ینتفع بالحکمة۔^[۳]

شہوت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تمام عقلوں پر حکیمانہ اور سعادت بخش افکار سے بہرہ مند ہونا حرام ہے۔ ہوا و ہوس اور شہوات کے یہ بندے اپنی پلید خواہشات کے حصول کے لئے کسی رکاوٹ کا احساس نہیں کرتے۔ یہ ہمیشہ تباہی و بربادی کے کنارے پر ہیں اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ اپنی جبلی خواہشوں کی تکمیل کرتے ہوئے ظالمانہ اور غیر انسانی اعمال کے مرتکب ہو جائیں، دوسروں کی جان و مال پر تجاوز کرنے لگیں اور حیوانی عادات کو اپنالیں اور اس قدر مذموم اعمال بجلائیں کہ آہستہ آہستہ جانوروں کی عادات و اطوار کے مالک بن جائیں۔

بداخلاقوں کا حشر و نشر بصورت حیوان

جیسا کہ اسلامی مآخذ سے ظاہر ہوتا ہے قیامت کے دن وہ لوگ انسانی شکلوں میں محشور ہوں گے جو دنیا میں انسانی

[۱] نوح البلاغہ۔ خطبہ ۱۰۹

[۲] نوح البلاغہ۔ کلمہ ۲۱۱

[۳] فہرست غرر ص ۷۸

اخلاق سے بہرہ مند ہوں گے لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو حیوانوں جیسا بنایا ہوگا اور غیر انسانی اخلاق کو اپنایا ہوگا قیامت میں ایسی حالت میں محشر ہوں گے جو ان کے اخلاق اور عادات کے مطابق ہوگی۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝۱۸

جس دن صور پھونکا جائے گا لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں عرصہ محشر میں داخل ہوں گے۔

بندر اور خنزیر کی شکل، لوہے اور لنگڑے افراد

براء بن عازبؓ کہتے ہیں:

ان معاذ بن جبل قال يا رسول الله ما قول الله يوم ينفخ في الصور فتأتون افواجا۔ فقال يا معاذ سئلت عن امر عظيم ثم ارسل عينيه ثم قال عشرة اصناف قد ميزهم الله من جماعة المسلمين وبدل صورهم فبعضهم على صورة القردة وبعضهم على صورة الخنازير وبعضهم۔^[۱]

معاذ بن جبل نے اس آیت کے متعلق حضور اکرمؐ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے معاذ تم نے بہت اہم بات پوچھی ہے یہ کہا اور آپؐ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مسلمانوں میں سے دس گروہوں کو جدا کرے گا اور ان کو قیامت میں خاص شکل و صورت کے ساتھ داخل کرے گا۔ ان میں ایک گروہ بندروں کی صورت میں، دوسرا خنزیر کی شکل میں، ان میں سے بعض الٹے وارد محشر ہوں گے ان کے پاؤں اوپر اور سر نیچے کی طرف ہوگا، بعض اندھے محشر ہوں گے بعض گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے ان میں سے بعض کی حالت یہ ہوگی کہ اپنی زبانوں کو چبا رہے ہوں گے اور ان کی زبانوں سے خون اور غلاظت گر رہی ہوگی۔ کچھ لوگ لوہے لنگڑے میدان محشر میں وارد ہوں گے جب کہ ان کے گلے میں آگ کے حلقے ہوں گے، کچھ لوگ مردار کی بو سے زیادہ بدبودار حالت میں عالم محشر میں آئیں گے اور کچھ افراد آگ کا لباس پہنے ہوئے قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے۔ اس کے بعد ان افراد کے اعمال کی وضاحت کرتے ہوئے

[۱] النبا۔ آیت۔ ۱۸۔

[۲] الدر المنثور۔ جلد ۶ ص ۳۰۷

آپ نے فرمایا: وہ گروہ جو بندر کی شکل میں محشر میں آئے گا۔ وہ طاعنوت اور ظالم ہیں۔ خنزیر کی صورت میں محشر میں آئے گا۔ وہ طاعنوت اور ظالم ہیں۔ خنزیر کی صورت میں محشر ہونے والے ناجائز اور پلید مال کھاتے ہوں گے۔ میدان محشر میں سر کے بل داخل ہونے والے سود خور ہوں گے جو لوگ اندھے محشر ہوں گے وہ ایسے قاضی اور جج ہوں گے جو جان بوجھ کر حق و عدالت کے خلاف رائے دیتے ہوں گے گونگے اور بہرے قیامت کے دن وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اپنے کاموں پر خود پسند اور خوش ہوتے ہوں گے۔ اپنی زبانوں کو چبانے والا گروہ وہ علماء اور قاضیوں کا ہوگا۔ جن کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہوگا۔ لوہے اور لنگڑے وہ لوگ ہوں گے جو اپنے ہمسایوں کو تکلیف و آزار پہنچاتے ہوں گے۔ اور وہ لوگ جن کی گردنوں میں آگ کے حلقے ہوں گے وہ ہوں گے جو ظالم اور جاہر بادشاہوں کے سامنے چغلی کھاتے ہوں گے۔ مردار سے زیادہ بد بودار وہ افراد ہوں گے جن کی زندگی کا ہدف فقط لذت کے درپے رہتے ہوں گے اور فقراء کے حق کا اپنے اموال میں خیال نہیں رکھتے ہوں گے اور لباس پہننے والے متکبرین اور مغرور لوگ ہوں گے۔

اسی حدیث کے مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

سیرتی کان درو جودت غالب است
ہم برآن تصویر حشرت واجب است
حکم آن خوراست کو غالبستر است
چونکہ زریش از مس آمد آن زر است
حاسدان راحشر در روز گزند
بی گمان بر صورت گرگان کنند
حشر پر حرص خس مردار خوار
صورت خو کی بود روز شمار

پیٹ کے بل چلنے والے

رسول اکرمؐ سے ایک اور حدیث میں بعض گمراہ اور برے اخلاق کے حامل افراد کے حشر کے بارے میں یوں

بیان ہوا ہے۔

ومنهم المسحوب على وجهه والباشى على بطنه ومنهم من يوطىء

بلاقدام مثل الدر۔^[۱]

بعض لوگ منہ کے بل گھیٹے جائیں گے اور وہ پیٹ کے بل چلیں گے اور بعض چیونٹیوں کی طرح لوگوں کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يبيح يوم القيامة ذوا لوجهين والعأ لسانه في قفاه واخر من قدامه

يلتهبان نارا حتى يلها جسداه ثم يقال له هذا الذى كان فى الدنيا ذا

وجهين ولسانين يعرق بذالك يوم القيامة۔^[۲]

ایک شخص دو چہروں کے ساتھ عرصہ محشر میں وارد ہوگا جب کہ اس کی دوزبانیں ہوں گی ایک سر کی پچھلی طرف سے نکلی ہوئی ہوگی اور ایک اگلی طرف سے۔ ہر دوزبانوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوں گے۔ پھر اس کے بارے میں کہا جائے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں لوگوں سے دوغلہ پیش آتا تھا لوگوں سے دو زبانوں سے بات کرتا تھا اور ایسا منافق اور دوغلہ شخص اپنی اسی مذموم عادت اور ناپسند خصلت کے ساتھ میدان محشر میں متعارف ہوگا۔

يحشر الناس يوم القيامة ثلاثة اصناف ركباناً ومشاة وعلى وجوههم

فقیل یا رسول اللہ فکیف یمشون علی وجوههم۔ قال الذی امشاهم علی

اقدامهم قادر علی ان یمشیہم علی وجوههم۔^[۳]

قیامت کے دن تمام لوگ کیفیت حرکت کے اعتبار سے تین گروہوں میں محشور ہوں گے۔ بعض سوار ہوں گے۔ بعض پیادہ اور کچھ منہ کے بل چل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کس طرح منہ کے بل چلیں گے؟ آپ نے فرمایا میں فرمایا: جس نے ان کو قدموں کے بل کی طاقت عطا کی ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کے منہ کے بل چلائے۔

[۱] الثالی الاخبار۔ ص ۴۵۷

[۲] کتاب۔ عقاب الاعمال ص ۳۱۹

[۳] علم الیقین۔ ص ۱۰۹

شکلوں میں تفاوت کا معیار

قیامت میں ان ظاہری شکلوں اور صورتوں میں تفاوت کا معیار لوگوں کے اندرونی ملکات اور اخلاق ہیں یہ باطن ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ یہ خفیہ امور ہیں جو اس دن آشکار ہو جائیں گے اور ہر انسان کا جسم اس کے روحانی ملکات اور نفسانی عادات سے بنایا جائے گا اور چونکہ لوگوں کے افکار اور نیتیں مختلف قسم کی ہیں اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ ہر روح کے لئے حضرت اسرافیل کے صور میں مخصوص سوراخ مقرر کیا گیا ہے اور وہ روح اپنے مخصوص راستے سے خارج ہوگی اور اپنے بدن کا رخ کرے گی۔

والصور قرن من نور فیہ انقَابُ علی عدد ارواح العباد فتجتمع الارواح

کلہا فتجعل فی الصور^[۱]

صور نور کی ایک شاخ ہے کہ جس میں انسانوں کی ارواح کی تعداد کے برابر سوراخ ہیں اور تمام ارواح میں جمع ہوں گی۔

تفسیر برہان میں ہے کہ

فاذا نادى اسرافيل في الصور خرجت الارواح من اثقاب الصور فتنتشر
بين السماء والارض كأنها النحل يخرج من كل ثقب ولا يخرج من ذلك
الثقب غيره فأرواح المومنين تخرج من اثقابها نائرة بنور الايمان
وبنور اعمالها الصالحة وارواح الكفار تخرج مظلمة بظلمة الكفر
واسرافيل يديم الصوت والارواح قد انتشرت ما بين السماء
والارض ثم تدخل كل روح الى جسدها الذي فارقته في دار الدنيا^[۲]

نور اور ظلمت کے سوراخ

جب اسرافیل صور پھونکیں گے ارواح صور کے سوراخوں سے باہر آئیں گی اور زمین آسمان کے درمیان شہد کی

[۱] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۸۷

[۲] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۸۷

مکھیوں کی طرح بکھر جائیں گی ہر روح اپنے مخصوص سوراخ سے خارج ہوگی۔ مومنین کی ارواح ایمان اور اعمال صالحہ کے نور سے منور سوراخوں سے باہر آئیں گی اور کفار کی روحمیں ان سوراخوں سے خارج ہوں گی جو کفر کی تاریکی و ظلمت سے تیرہ و تاریک ہیں۔ اسرافیل اسی طرح صور پھونکتے رہیں گے اور فضا میں پراگندہ ارواح میں سے ہر ایک ایسے جسم میں داخل ہوتی جائے گی جس سے وہ دنیا میں جدا ہوئی تھی۔

جان عالم سوی عالم میرود
 جان ظالم سوی ظالم مے شود
 عالم کی روح عالم کی طرف جاتی ہے
 ظالم کی جان ظالم کی طرف جاتی ہے
 کہ شناسان کرد شان علم الہ
 چونکہ برویش وقت صبح گاہ

علم خدا نے انہیں ایک دوسرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ جیسے صبح کے وقت بھیڑ بکریاں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے بعض لوگ ظاہر اور باطن میں انسان ہیں یعنی ان کی ظاہری شکل و صورت بھی انسانوں والی ہے اور وہ انسانی اعمال اور اخلاق کے حامل بھی ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ ظاہری طور پر تو انسان ہیں لیکن سیرت و کردار میں وہ درندے اور ڈسنے والے جانور ہیں۔ ان کی صورت تو انسانوں جیسی ہے لیکن وہ سانپ اور بچھو کی طرح ڈستے ہیں اور بھیڑیے اور چیتے کی طرح چیر پھاڑ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں رسوا نہیں کرتا اور ان کی انسانی صورت کو نہیں چھینتا۔ لیکن قیامت کے روز ان کی حالت بدل جائے گی۔ ان کے راز فاش ہو جائیں گے اور وہ امر الہی سے اپنی بری عادات و اخلاق کے مطابق شکلوں میں تبدیل ہو کر محشور ہوں گے۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا میں یہ درندہ صفت افراد اپنے ناجائز اور ناروا کاموں کو تشکیل دیتے ہیں اور آخرت میں ان کے یہی ناروا کام انہیں شکل و صورت دیں گے اور ان کے اندرونی برے چہرے کو آشکار کریں گے۔ اسی لئے محشر میں یہ لوگ پہلی ہی نظر میں ان کے فاسد اخلاق اور فاسد ایمان سے باخبر ہو جائیں گے اور شاید قرآن مجید کی یہ آیت اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے:

يَعْرِفُ الْمَجْرُمُونَ بِسَيِّئِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوْاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٥١﴾

قیامت میں گندگار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور وہ ایسے عذاب میں مبتلا ہوں گے جو فراموش اور سرتاپا ہوگا۔

باب نمبر 13

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٤٩﴾ (یس: ۴۹)

مادی نظریہ کائنات

اس کائنات و ہستی کے بارے میں مادی نظریہ کی پیروی کرنے والے افراد معاد کی بحث و گفتگو میں ہمارے فریق نہیں بن سکتے۔ ضروری ہے کہ ان سے خدا اور اس کے وجود کے ثبوت کے بارے میں دلائل ذکر کئے جائیں ان مادہ پرستوں کا نظریہ یہ ہے کہ مادہ ازلی اور ابدی ہے اور انسان کی پیدائش ایک اتفاقی حادثہ اور ایک بے شعور واقعہ ہے وہ ماوراء طبعیت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور اس جہان کے خالق کا انکار کرتے ہیں۔

ان کی نظر میں انسان کی سوچ اور فکر ایک مادی عمل ہے اور انسان کے نفساتی حالات اس کے جسم کے احوال و اوضاع کا نتیجہ ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مستقل اور جاوید روح کا حامل نہیں ہے۔ اس کی حیات دیگر جانداروں کی طرح ہے اور اس کی موت بھی درخت کے خشک ہونے اور کتے و بلی کے مرنے کی مانند ہے۔ انسان کا مردہ جسم دوسرے حیوانات کی طرح زمین میں گل سڑ جاتا ہے۔ اس کے اصلی عناصر اور معدنیات طبعیت کے خزانوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کے وجود کے تمام پہلو اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور اس سے روح نام کی کوئی چیز عالم ماوراء طبعیت میں باقی نہیں رہتی۔

جاودانی روح کا انکار

کتاب اصول روانکاری کے صفحہ ۲۲ پر یہ عبارت درج ہے۔ ”مادہ پرستی مادہ پرست جسم سے ماوراء کسی روح کے قائل نہیں ہیں اور وہ کہتے ہیں: فکر ایک جسمانی عمل ہے۔ تمام نفسیاتی حالات جسمانی تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں اور مادے سے مربوط ہیں یہ فکری لحاظ سے مختلف طریقہ کار کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض کو اصالت حس کا حامی بھی کہا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ گروہ زیادہ تر فیزیا لوجی کے ماہرین PHYSIOLOGIST پر مشتمل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں تمام علم اور شناخت حواس کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے ”بروسیز“ BROUSSAIS اس بارے میں یوں کہتا ہے: جب تک میں روح کو جراحی کے چاقو کے نیچے نہ دیکھ لوں اور محسوس نہ کر لوں اس وقت تک اسے باور نہیں کروں گا۔“

بروسیز کی گفتگو روح کے بارے میں

جناب بروسیز سے سوال کیا جانا چاہیے کہ کیا تم فقط روح کو تسلیم نہیں کرو گے جب تک کہ تم اسے جراحی کے چاقو کے نیچے نہ دیکھ لو یا انسان کے باقی پنہاں خزانوں کے متعلق بھی تمہارا یہی نظریہ ہے؟ مثلاً انسان کی قوت حافظہ اور ذاکرہ کے بارے میں بھی یہی کہتے ہو کہ جب تک مغز کا آپریشن کر کے حافظہ کی قوت کو جراحی کے ہتھیاروں کے نیچے محسوس نہ کر لو تسلیم نہیں کرو گے یا یہ کہ قوت حافظہ کے بارے میں اس بات کے قائل نہیں ہو۔ اگر یہ کہتے ہو کہ پھر روح کی طرح حافظہ کا بھی انکار کرو کیونکہ حافظہ بھی جراحی کے ہتھیاروں سے حس نہیں کیا جاسکتا اور اگر یہ بات فقط روح کے متعلق کہتے ہو تو پھر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے کون سے عملی معیار پر جراحی کے چاقو کو روح کے وجود کو تسلیم کرنے کا معیار قرار دیا ہے؟

اللہ پر ایمان نظریہ کی حد تک

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مادی نظریے کی پیروی نہیں کرتے اس عالم کو دانا و توانا خالق کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ لیکن خدا کے بارے میں ان کا اعتقاد و فقط نظریے کی حد تک ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالق اکبر کا پیدا کردہ جانتے ہیں لیکن اس کے حضور کسی قسم کی ذمہ داری اور مسئولیت کا احساس نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم السلام کے اقوال پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور آسمانی ادیان جو کہ سعادت بشر کے لئے الہی پروگرام کا مجموعہ ہیں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسے افراد کے ساتھ بھی معاد کی بحث فضول ہے۔ ان سے وحی الہی اور نبوت کے بارے میں گفتگو کرنی چاہیے اور ان کی توجہ اطاعت الہی کی ضرورت اور ذات الہی کے مواخذہ کی طرف دلانی چاہیے۔ ایسے افراد کی ماضی میں تعداد بہت زیادہ تھی اور اب بھی یہ موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی عقل کو بروئے کار لا کر نظام خلقت اور اس میں موجود حکمتوں اور اسرار کا مطالعہ کیا ہے۔ خالق کائنات جو کہ دانا اور توانا ہے پر ایمان لا کر الہیوں پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ معاد کو ایک عجیب اور غیر معمولی چیز سمجھتے ہوئے باور نہیں کرتے اور معاد کے بارے میں انبیاء کی باتوں کو جنون آمیز خیال کرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی بعثت کے دور میں اہل مکہ ایسے ہی تھے۔ قرآن شریف صریحاً یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ یکتا خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اسے اس جہان کا خالق جانتے تھے۔

انبیاء کی باتوں کا انکار

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ ﴿۱﴾

اگر تم مشرکین اور بت پرستوں سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے۔ اللہ

ور پرسی مشرکان مکہ را
کہ نمود این خلقت ارض و سماء
اگر مشرکین مکہ سے پوچھا جائے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے؟
می بگویند آن خدائے ذوالجلال
اندر این رہ نیست حاجت برسؤال

تو وہ جواب دیں گے خدائے ذوالجلال نے اور اس بات پر سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
معاد اور قیامت کے بارے میں نبی اکرمؐ کی باتوں پر مکے کے بت پرست جو اعتراض کرتے تھے قرآن شریف نے اسے یوں بیان کیا ہے:

کافروں کی گفتگو

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُبَدِّلُكُمْ إِذَا مَرَّ قُتْمٌ كُلُّ مُتَرَقٍّ ۖ
إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أَفَتَزَيُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۗ ط

کفار تعجب سے یا مذاق کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے تھے: کیا تم چاہتے کہ ہم تمہیں ایسے شخص کا
تعارف کرائیں جو یہ خیال ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور زمین میں گل سڑ کر خاک بن جاؤ گے تو تم دوبارہ
زندہ ہوؤ گے۔ یہ شخص یا تو جان بوجھ کر اپنی باتوں سے خدا پر جھوٹ باندھتا ہے یا پھر دیوانہ ہو گیا ہے۔

معاد کے موضوع پر ان افراد سے بحث کرنا مناسب اور شانستہ ہے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں کائنات کو خالق تو انہی
کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ پیغمبروں کی نبوت اور وحی الہی کو تسلیم کرتے ہیں جس کی موت کے بعد روح کی بقا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور
انسانوں کو بارگاہ رب العزت میں مسئول اور جواب دہ جانتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے متعلق غور و فکر کرتے ہیں۔ یہ
ایک طرف تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے سے اس پر مختلف جہات سے تحقیق کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو زیادہ سے زیادہ محکم
اور مضبوط کرتے ہیں۔ دوسری طرف قیامت اور روز جزاء کو یاد کر کے اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے
ہیں اور اپنے آپ کو رحمت اور عفو الہی کی امید کے ساتھ روز حساب کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔

زیر بحث مطلب کو مختلف جہات سے کسی حد تک واضح کرنے کے لئے اس فصل میں ان تین گروہوں کے بعض نظریات اور اقوال پر مختصر بحث کی جائے گی۔

مادہ پرست

مادہ پرست MATERIALISTS یہ گروہ مبداء اور معاد دونوں کا منکر ہے اور ہمیشہ سے خدا پرستوں کے مقابلے میں موجود رہا ہے۔ انسانی معاشرے میں ان کا نظریہ بہت پرانا ہے۔ قرآن شریف میں ان کی بات یوں بیان ہوئی ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۗ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۳۸﴾^[۱]

وہ کہتے ہیں دنیا کی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی اور حیات نہیں ہے۔ ایک نسل ختم ہو جاتی ہے۔ تو دوسری نسل اس کی جگہ لے لیتی ہے اور ان نسلوں کو ہلاک کرنے والا زمانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

ان کی بات کی علمی اساس نہیں ہے بلکہ وہ حدس اور گمان سے کام لیتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے ایک مفصل حدیث میں فرمایا:

فأما كفر الجحود فهو الجحود بالربوبية وهو قول من يقول: لا رب ولا جنة ولا نار وهو قول صنفين من الزنادقة يقال لهم الدهرية وهم الذين يقولون: وما يهلكنا الا الدهر " وهو دين وضوءة لانفسهم بالاستحسان على غير تثبت منهم ولا تحقيق لشيء مما يقولون قال الله عز وجل "انهم الا يظنون"۔^[۲]

انکار و الاکفران کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا نہ کوئی خدا ہے نہ کوئی بہشت اور نہ کسی دوزخ کا وجود ہے اور یہ قول زنادقہ کے دو گروہوں کا ہے جن کو دہریہ کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں "زمانے کے سوا

[۱] سورہ الجاثیہ آیہ ۲۴

[۲] کافی، ج ۲ ص ۳۸۹

کوئی ہمیں ہلاک نہیں کرتا۔“ اور یہ ایسا مذہب ہے جو بغیر تحقیق کے گمان پر بنایا گیا ہے۔ خدا نے اس کے متعلق فرماتا ہے: ”وہ خود ساختہ مذہب ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں۔“
عظیم فلسفی صدر الممتا لہین شیرازی مادہ پرستوں کا نظریہ کو یوں نقل کرتے ہیں:

ان الانسان ليس الا هذا الهيكل المحسوس حامل الكيفية المزاجية
وما يتبعها من القوى والاعراض وان جميعها يفنى بالموت وينعدم
بزوال الحيوة ولا يبقى الا المواد العنصرى المتفرقة فالانسان كسائر
الحيوان والنبات اذا مات فات وسعادته وشقاوته منحصرة فما يحسب
الذات ولا لام الحسية الدنياويه. [1]

انسان اس محسوس ہیكل، مزاجی کیفیت اور دیگر مادی قوی و عوارض کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہ سب موت کے آنے سے فنا ہو جائیں گے اور زندگی کے خاتمے کے ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور موت کے بعد طبعی مواد اور معدنی عناصر کے علاوہ انسان کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اس بنا پر انسان حیوانات اور نباتات کی مانند ہے۔ جب مر گیا ختم ہو گیا۔ اس کی سعادت اور بدبختی صرف اور صرف دنیا کی حسی لذتوں اور مصائب میں منحصر ہے۔

ادیانِ الہی سے جنگ

گذشتہ زمانے میں الہی مکتب کے مقابلے میں مادی مکتب صرف ایک نظریے کے طور پر کتابوں کی حد تک تھا اور اس کے طرف دار اس پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔ لیکن اس آخری صدی میں ایک طرف تو دنیا میں لذت طلبیاں اور گناہ آلودہ شہوت پرستیوں کا دور دورہ ہو گیا ہے تو دوسری طرف اشتراکی حکومت اور کمیونزم کی باتیں ہونے لگیں ہیں۔ دنیا میں منصوبے بنانے والے اور پروگرام تجویز کرنے والے متوجہ ہوئے کہ الہی ادیان اور مذہبی عقائد ساری دنیا میں اشتراکیت اور شہوت پرستی کے اہداف کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اسی لئے وہ دینی عقائد کی قلم اور زبان کے ذریعے سے بیخ کنی کرنے کی فکر میں پڑ گئے وہ لوگوں کے مبداء اور معاد پر ایمان سے جنگ کرنے پر تہل گئے اور ان کو مذہبی عقائد سے منحرف کرنے لگے یا کم از کم ان کے ایمان کو متزلزل کرنے لگے۔ کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں کی طرف

سے تمام ممالک میں مختلف زبانوں میں کتاب لکھ کر منتشر کی گئیں اور نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنی گمراہ کن اور پرفریب باتوں سے گمراہی کے راستے پر لگا دیا۔ یہاں پر نمونے کے طور پر ڈاکٹر تقی ارانی کے چند جملے ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے مذہب اور قیامت کے بارے میں لکھے ہیں:

تین اہم خاصیتیں مذہب کی تباہی اور فنا کا باعث ہیں۔

۱۔ مذہب کا سائنس سے اختلاف: مذہب اگر صحیح ہو تو اسے ثابت ہونا چاہیے جب کہ سائنس متغیر ہے اور ایک متمدن انسان اپنے ادراکات کا انکار نہیں کر سکتا اور اگر مذہب بھی سائنس کی طرح تغیر پذیر ہو تو پھر اس کی مختلف حالتوں میں سے ہر ایک مطلق صحت کو کھودیتی ہے۔ اور یوں مذہب تباہ اور فنا ہو کر رہ جاتا ہے۔

کچھ ڈاکٹر ارانی کی گفتگو کے بارے میں

جناب ڈاکٹر ارانی! علم کہ جو دراصل واقع کے انکشاف حقیقت کی اور شناخت سے عبارت ہے ہرگز تبدیل نہیں ہوتا۔ جو کچھ تبدیل ہوتا ہے اور تغیر پذیر ہے وہ مفروضے ہیں اور مفروضے علم نہیں ہوتے۔ ممکن ہے ایک غلط مفروضہ سائنسی حلقوں میں قبول کر لیا جائے۔ سالوں تک اس کو پڑھایا جائے اور بعد میں اس کا غلط ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس لئے اسلام کے قطعی مسائل سائنس کی طرح ہمیشہ ثابت اور تغیر ناپذیر ہیں اور ان دونوں میں ہر ایک کبھی کبھی اپنی مطلق ہستی کو نہیں کھوتے کہ ان کا فنا ہونا لازم آئے۔

ڈاکٹر ارانی مذہب کی دوسری اہم خاصیت اپنے نظریے کے مطابق یوں بیان کرتے ہیں۔

۲۔ مذہب مختلف امتوں اور مذاہب کے پیروکاروں میں اختلاف اور نزاع کو پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ ان سب کی بنیاد ایک ہوگی اور ان میں عمومی اور باہم مطابقت رکھنے والی صفات موجود ہوتی ہیں اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور دوسرے کو باطل سمجھتا ہے۔“

مذہب کے پیروکار ایک دوسرے سے اختلاف عقیدہ کے باوجود صدیوں سے مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں اور اگر استعمار اپنے سیاسی اہداف کے حصول کے لئے مذہب سے سوء استفادہ نہ کرے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف نہ اکسائے تو بہت کم اختلاف اور نزاع رونما ہو۔ اس وقت سب سے بڑا خطرہ کمیونزم اور سرمایہ داری کا آپس میں گہرا اختلاف ہے۔

کمیونزم اور سرمایہ داری کا تضاد

اگر درست معلومات ہاتھ لگ جائے تو معلوم ہوگا کہ اس صدی میں ان دو نظاموں کے اختلاف نے دنیا کے

انسانوں کو کس قدر موت کے منہ میں دھکیلا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس اختلاف پر کچھ کہیں اور اس کے لئے کوئی تدبیر کریں۔

ڈاکٹر ارانی مذہب کی تیسری اہم خاصیت یوں ذکر کرتے ہیں:

۳۔ مذہب ہمیشہ برسر اقتدار طبقے کا آلہ کار رہا ہے اور یہ طبقہ ہمیشہ نچلے طبقوں کو مغلوب کرنے کے لئے تسبیح اور صلیب کو نیزے کے ساتھ چلاتا رہا ہے۔ یہی صفات مذہب کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔“ [۱]

انقلاب اسلامی ایران

ڈاکٹر ارانی صاحب کہاں ہیں وہ آئیں اور دیکھیں کہ حال ہی میں برپا ہونے والے اور جاری و ساری رہنے والے انقلاب اسلامی ایران میں تسبیح تکبیر کے نعرے لگانے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو مساجد اور امام بارگاہوں سے نکلے ہیں۔ یہ افراد عظیم علماء کی قیادت میں ظالم حکومت کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور بند مٹھیوں کے ساتھ سنگینیوں سے مقابلہ کیا اور اسلحہ برداروں پر حملہ آور ہوئے ہیں انہوں نے مستضعفین اور پستے ہوئے طبقے کی خاطر مستکبرین کو ناکوں چنے چبوائے شاہ کو نکال باہر کیا۔ (۲۵۰۰) ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی نظام کو پلٹ کر رکھ دیا۔ امریکیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اسلحہ برداروں اور ظالموں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اور یہی مستکبرین سے جنگ اور مستضعفین سے حمایت الہی دین کا مقصود ہے اور اسلام کی بقاء کا موجب ہے اور رہے گا۔

حیات جاوید اور بقاء روح کا عقیدہ انسانوں کی سوچوں اور افکار کے لئے دو مفید اور سودمند اثر رکھتا ہے۔

پروفیسر یونگ کی بات

پہلا اثر یہ ہے کہ زندگی کو معنی اور مفہوم عطا کرتا ہے۔ اسے لغو اور بے مقصد ہونے سے بچاتا ہے۔ علم نفسیات کے بہت بڑے استاد پروفیسر یونگ اپنے ایک مقالے میں یوں کہتے ہیں:

”بیسویں صدی کا انسان لا مذہب ہے اور اپنی روح کی جستجو میں سرگرداں ہے جب تک مذہب نہ آئے۔ آسائش میسر نہیں آئے گی۔ لادینی زندگی کے بے معنی اور بے مقصد ہونے کا موجب ہے۔“ [۲]

دوسرا اثر یہ ہے کہ روح کی جاوداں حیات کا عقیدہ موت کو آسان بنا دیتا ہے اور انسان کو یہ اطمینان عطا کرتا ہے کہ

[۱] پیکولوٹزی۔ ص ۲۷۲

[۲] کیمبان اخبار نمبر ۱۹۶

روحانی بلندی اور معنوی تکامل موت کی وجہ سے ختم نہیں ہو جاتے بلکہ روح ایک جہان سے دوسرے جہان میں انتقال کر جاتی ہے اور آخر کار اس کائنات کے خالق کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ڈاکٹر کارل کی گفتگو

دنیا کے مشہور دانشور ڈاکٹر کارل کہتے ہیں: ”مذہب کی نظر میں موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ اس کا آغاز ہے۔ روح بدن کے ساتھ پراگندہ ہونے کی بجائے اپنے کمال کے سفر کو جاری رکھتی ہے۔ اور اپنی شخصیت میں کسی قسم کی کمی کے بغیر خدا سے متصل ہو جاتی ہے۔“

”تقریباً دو ہزار سال سے اربوں مردوں اور عورتوں نے اس عقیدہ کے ساتھ کہ موت کے بعد اپنے عزیزوں، پاکیزہ افراد، فرشتوں اور خدا کے ہمراہ ہوں گے، نہایت سکون کے ساتھ اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی ہے۔ لہذا موت کے راز پر بشریت کے اضطراب کا مذہب کی طرف سے جواب سائنس کی طرف سے دیئے گئے۔ جواب سے کہیں بہتر اور مانع کنندہ ہے۔ مذہب کا جواب وہی ہے جو انسان کے دل کی آرزو ہے۔“^[۱]

ڈاکٹر ارانی کی تحلیل

ڈاکٹر ارانی صاحب بدن کی موت کے بعد بقاء روح کے عقیدہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

”تہذیب و تمدن کے پہلے پہلے ادوار میں جب انسان اپنے جسم کے متعلق بھی پوری طرح معلومات نہیں رکھتا تھا اپنے خواب و خیال وغیرہ کے ذریعے سے اس بات میں غور و فکر کرنے لگا وہ اپنی سادہ معلومات کی وجہ سے مجبور تھا کہ روحانی آثار کے ظہور کا ذریعہ ایک مستقل اور مخصوص موجود کے عمل کو سمجھے جو اس کے بدن میں ساکن ہے۔ پس چونکہ انسان کے فوت ہو جانے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ اس لئے اسے دائمی اور ابدی ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات اس سادہ انسان کے لئے تسلی خاطر نہ تھی بلکہ بہت بڑی بدبختی تھی کہ وہ قابل فہم مفروضوں کے باوجود ان کے رازوں کو نہ جان سکا اور اس بدبختی کو اپنانا قابل تغیر مقدر سمجھ بیٹھا۔“^[۲]

ڈاکٹر ارانی صاحب خود مادہ پرست ہیں۔ اور خدا، پیغمبروں اور عالم ماوراء طبیعت کے منکر ہیں۔ انہوں نے بقاء روح کے نظریے کو سائنسی لحاظ سے حقیر، پست اور ناچیز ثابت کیا ہے اور اس کی بنیاد اوائل کے اپنے جسموں سے نا آگاہ

[۱] راہ و رسم زندگی، ص ۱۳۳

[۲] پسیکولوجی، ص ۲۰۰

انسانوں کے خواب و خیال کو قرار دیا ہے۔ تاکہ نا آگاہ قاری یہ سمجھے کہ بقاء روح کا عقیدہ پرانی خرافات میں سے ہے اور اس کا تعلق جہالت کے ادوار سے ہے۔ جب کہ تعلیم یافتہ اور آگاہ افراد جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں بہت بڑے اور مشہور فلاسفر نفس کے تکرار اور اس کی بقاء کا نظریہ رکھتے تھے اور آج بھی بہت سے عظیم عالمی دانشور اور سائنس دانوں کہ جن میں سے بعض تو نوبل انعام یافتہ ہیں۔ مذہب اور بقاء روح دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر ارانی کی خلاف واقع بات ہے اور حقیقت کو پس پشت ڈالنے سے الہی تعلیمات کی عظمت ختم نہیں ہوتی اور بقاء روح کی علمی حیثیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ڈاکٹر ارانی کی باتوں کا جواب

ڈاکٹر ارانی صاحب نے اپنی گفتگو کے دوسرے حصے میں یہ کہا ہے کہ اس وقت کے سادہ لوح انسان کے لئے بقاء روح کے لئے ایک تسلیٰ خاطر نہ تھا بلکہ اس کی بہت بڑی بدبختی تھی۔ اس کے بعد اس عظیم بدبختی کے رموز کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ اپنے قابل فہم مفروضوں کے ذریعے سے ان کے رازوں کو نہیں پاسکتا۔ لیکن وہ اپنی اس عدم آگاہی اور لاعلمی کی وجہ سے بدبختی اور ناکامی کا احساس نہیں کرتا مثلاً انسان نہیں جانتا کہ کب مرے گا؟ لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی نے اپنے آپ کو اس لحاظ سے بدبخت سمجھا کہ وہ اپنے قابل فہم مفروضوں کے ذریعے سے اپنی موت کے وقت کو متعین نہیں کر سکتا۔ انسان اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ مستقبل کیسا ہے اور وہ اپنے قابل فہم فرض کے ذریعے اس کو جان بھی نہیں سکتا لیکن اپنے نہ جاننے کی وجہ سے اپنے آپ کو بد قسمت بھی نہیں سمجھتا بلکہ ذرا سا غور کرنے سے وہ یہ سمجھ سکتا ہے اس کی خوش قسمتی اسی میں ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے متعلق بے خبر ہو۔ کیونکہ اگر اس کا مستقبل اچھا ہے تو اسے نہیں جاننا چاہیے تاکہ وہ اپنے کام اور کوشش میں کوتاہی اور سستی نہ کرے اور اپنے روشن مستقبل کو حاصل کر لے اور اگر اس کا مستقبل تاریک ہے پھر بھی اسے نہیں جاننا چاہیے تاکہ وہ دائمی غم و اندوہ میں مبتلا نہ ہو جائے اور آج سے ہی اپنی زندگی کو مایوسی اور پریشانی میں لگے۔

مادہ پرستوں کی کتب میں مذہب اور معاد کے بارے میں مزید باتیں بھی ذکر ہوئی ہیں ان سب کا جواب دینے کے لئے ایک وسیع بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں پر اس مختصر بحث پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

منکر معاد خدا پرست

منکر معاد اللہ کے ماننے والے... دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو جہان کے خالق پر ایمان رکھتے ہیں اور کائنات کو دانا و توانا پروردگار کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ لیکن معاد اور عالم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایسے لوگ ماضی میں بھی موجود تھے اور اب بھی بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ رسول اکرمؐ کے دور کے مشرکین مکہ اسی گروہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ جو کچھ

انہوں نے رسول اللہ سے کہا ہے اور جو جوابات ان کو دیئے گئے ان کا کچھ حصہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یہاں پر ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾^[۱]

عاص بن وائل کہتا کہ جب میں مرجاؤں تو کیا دوبارہ قبر سے اٹھایا جاؤں گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس استفسار کا انکاری کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾^[۲]

کیا اس بات کے کہنے والے کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اس سے پہلے اسے خلق کیا ہے اور اسے وجود دیا ہے جب کہ وہ کوئی چیز نہیں تھا اور ذرہ برابر بھی وجود نہیں رکھتا تھا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٨﴾^[۳]

تم اس عالم میں اپنی پیدائش جو کہ نشاۃ الاولیٰ ہے سے آگاہ ہو۔ پس تم کیوں متوجہ نہیں ہوئے اور اپنی پہلی خلقت کو خالق توانا کی عالم آخرت میں قدرت خلقت پر دلیل کیوں نہیں سمجھتے؟
حضرت علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا:

والعجب لمن انكر النشأة الاخرة وهو يرى النشأة الاولى ﴿٦٩﴾^[۴]

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو شخص دنیا کو جو کہ نشاۃ اولیٰ اور خدا کی مخلوق ہے کو دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود عالم آخرت کا انکار کرتا ہے۔

وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧٠﴾^[۵]

وہ کہتے ہیں کہ جب ہمارا بدن قبر میں گل سڑ جائے گا اور اس کے ذرات بکھر کر زمین کے ذرات کے ساتھ مل جائیں گے کیا وہ ہمارے گمشدہ اور بکھرے ہوئے اجزاء و ذرات دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے اور ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے؟

[۱] سورہ مریم۔ ۶۶

[۲] سورہ مریم۔ آیت ۶۷

[۳] سورہ الواقعة۔ آیت ۶۲

[۴] علم الیقین۔ ص ۸۹۹

[۵] سورہ السجدہ ۳۲۔ آیت ۱۰

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے:

تبدیلیوں کا الہی علم

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿۱﴾

ہم زمین کے تمام افعال و انفعالات اور اس میں پیدا ہونے والی کمی بیشی کو جانتے ہیں اور وقوع پذیر ہونے والے تمام تغیرات اور تبدیلیاں ہمارے پاس موجود کتاب میں ثبت اور محفوظ ہیں۔

نزد ما باشد کتابی کا نداء او
ثبت باشد حال اشیا مو بمو

ہمارے پاس ایک کتاب ہے کہ جس میں تمام اشیاء کی جزئیات کا حال ثبت اور محفوظ ہے۔
امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

فتنبت اجساد الخلائق كما ينبت البقل فتتداني اجزائهم التي صارت
تراباً بعضهم الى بعض بقدره العزيز الحميد حتى انه لو دفن في قبر واحد
الف ميت وصار لحومهم واجسادهم وعظامهم النخرة كلها تراباً
مختلفت بعضها في بعض لم يختلط تراب ميت بميت آخر۔ ﴿۲﴾

قیامت میں لوگوں کے جسم پودوں کی طرح زمین سے اگیں گے۔ خاک میں مل جانے والے ان کے
اجزاء تو انا پروردگار کی قدرت سے آپس میں جڑ جائیں گے۔ اس طرح کہ اگر ایک قبر میں ہزار میتیں
بھی دفن ہوں پھر بھی ان کا مخلوط گلا سڑا اور مٹی میں تبدیل ہو جانے والا گوشت پوست اور ہڈیاں محشر کے
دن ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی اور ایک دوسرے بدن کی مٹی سے مخلوط نہیں ہوگی۔

منکرین معاد کو قرآن کا جواب

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں جنہوں نے معاد کا انکار کیا اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن خیال
کیا قرآن کریم نے ان کو جواب دیا اور ان کو یاد دلایا کہ جس خدا نے آغاز میں مردہ مادے کو حیات بخشی اور انسانوں کو پیدا کیا

﴿۱﴾ سورہ ق۔ ۴

﴿۲﴾ الثالی الاخبار۔ ص ۴۵۶

وہ موت کے بعد پرانگندہ ذرات کی جمع آوری اور ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور آخرت میں ان کو نئی زندگی عطا کر سکتا ہے۔

اولم یر الانسان انا خلقنه من نطفة فاذا هو خصيم مبين وضرب لنا
مثلاً و نسی خلقه قال من یحی العظام و هی رمیم۔ قل یحییها الذی
انشاها اول مرة و هو بکل خلق عظیم۔^[۱]

کیا قیامت کا منکر انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے ناچیز نطفے سے خلق کیا ہے کہ وہ اب کھلم کھلا دشمنی پر اتر آیا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں دیتا ہے وہ اپنی خلقت کو بھول گیا ہے وہ کہتا ہے کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو ان کا زندہ کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسے حیات دی تھی اور وہ تمام مخلوق اور جہان ہستی کے تمام ذرات سے آگاہ اور ان کا عالم ہے۔

یہ مکہ کے بت پرستوں کی باتوں کا خلاصہ تھا جو معاد کے منکر اللہ کے ماننے والے گروہ میں سے تھے جس کو قرآن شریف نے سوال و جواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ بت پرست روز جزا اور عالم آخرت کے انکار کے متعلق اپنے تنقیدی اور اعتراض آمیز افکار کو رسول اللہ کے سامنے سوال کی صورت میں پیش کرتے تھے اور آپ وحی کے ذریعے حاصل کئے گئے امر سے ان کو جواب دیتے تھے۔

معاد پر ایمان رکھنے والے خدا پرست

تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگ فقط سچے مسلمان اور قرآن شریف کے پیروکار نہیں ہیں بلکہ وہ تمام لوگ ہیں جو گذشتہ تاریخ میں انبیاء الہی پر ایمان لائے۔ الہی ادیان کی پیروی کی اور روز جزا پر عقیدہ رکھا۔ البتہ ان کے عقائد کی کیفیت میں کم و بیش تفاوت موجود ہے کہ جس پر اپنے مقام پر بحث کی جانی چاہیے۔ اس فعل میں گفتگو کے طولانی ہونے کے ڈر سے صرف علماء اسلام، فقہاء، محدثین، فلاسفہ اور متکلمین کے بارے میں اقوال کا کچھ حصہ نقل کیا جائے گا۔ اسی طرح معاد سے مربوط چند شبہات اور ان کے مختصر جوابات کو بھی زیر بحث لایا جائے گا۔

مسئلہ معاد

قیامت کا مسئلہ دین مقدس اسلام کے اساسی مسائل میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آیات اور

روایات وارد ہوئی ہیں۔ حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد مختلف ممالک میں اسلام کے پھیلاؤ اور وسعت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ عقائد، اخلاق، تفسیر و حدیث اور اسلام کے حلال اور حرام کے شعبوں میں علم و دانش کی تحصیل کی ضرورت میں برابر اضافہ ہوا۔ کچھ افراد نے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے کسب فیض کیا۔ انہوں نے علم کے اعلیٰ مدارج کو طے کیا اور آخر عمر تک اہلبیت کے راستے کو جاری رکھا۔ بعض افراد نے مکتب اہلبیت سے بہرہ مند ہونے کے بعد اپنے راستے کو تبدیل کر لیا اور دوسرے راستوں کو اختیار کر لیا۔

علم کلام کی پیدائش

دوسری صدی ہجری میں ایک موضوع اس عنوان کے تحت زیر بحث آیا کہ کیا قرآن شریف جو کہ کلام الہی ہے قدیم ہے یا حادث؟ اس موضوع پر سیر حاصل بحث ہوئی اور اس کے حق اور مخالفت میں بہت زیادہ گفتگو ہوئی اس موضوع کے حوالے سے توحید اور صفات الہی کے بارے میں اور بحثیں بھی چھڑ گئیں اور اس کے نبوت اور قیامت سے مربوط مسائل اور دیگر اسلامی مطالب بھی زیر بحث آئے ان میں سے ہر ایک پر عقلی دلائل کی روشنی میں دینی معیاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور و فکر کیا گیا بعد میں ان تمام اباحت کو مجموعی طور پر علم کلام کا نام دیا گیا اور اس علم کے عالم کو متکلم کہا گیا۔ چونکہ اس علم کا آغاز کلام الہی کے قدیم اور حادث ہونے سے ہوا ہے اسی لئے اس کا نام علم کلام اور اس کے عالم کو متکلم کہا جانے لگا۔

فلسفی کتب کا ترجمہ

اسلامی سلطنت میں روز افزوں وسعت اور بنی عباس کی حکومت کی قدرت و طاقت میں اضافے کی وجہ سے بہت زیادہ وسائل اور ذرائع حکومت عباسی کے اختیار میں آ گئے تھے دوسری صدی ہجری میں حکومت کے حکم پر یونان کی چند علمی اور فلسفی کتب کا ترجمہ کیا گیا اور مختلف علوم کی تدریس کے لئے مدارس قائم کئے اور کچھ لوگ عقلی اور فلسفی علوم کے حصول میں مشغول ہو گئے اور یوں آہستہ آہستہ فلسفی مسائل سے بھی علماء اسلام آگاہ ہو گئے۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مدارس میں مختلف علوم کے شعبہ جات وجود میں آ گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث اور فلسفی و کلامی مسائل بھی زیر بحث تھے اور علماء اسلام اسلامی مطالب پر مختلف زاویوں اور مختلف علوم کی نظر سے تحقیق اور ریسرچ کرتے تھے۔ معاد کا مسئلہ جو کہ دینی اور علمی لحاظ سے گونا گوں پہلوؤں کا حامل تھا اس کی اسی خصوصیت نے اس پر طرح طرح کی بحثوں کے لئے میدان ہموار کر دیا۔ حدیث اور تفسیر کے علماء نے معاد پر کتاب و سنت کی روشنی میں مطالعہ کیا فلاسفہ اور متکلمین نے اس پر عقلی اور فلسفی پہلوؤں سے تحقیق کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی نظر

کے مطابق نتیجہ اخذ کیا اور اس کا اظہار کیا۔

معااد کے بارے میں نظریات

اس روش کا آغاز دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا اور یہ چند صدیوں تک جاری رہی۔ مسئلہ معااد کے زیر بحث متعدد ابعاد اور چند دیگر مسائل میں عقلی و فلسفی نظریات میں تبدیلی کی وجہ سے کچھ مواد میں متکلمین اور فلاسفہ میں اختلاف نظر پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح بعض مواقع پر ظواہر آیات اور روایات سے کلامی اور فلسفی نظریات کی عدم ہم آہنگی فقہاء، محدثین اور متکلمین فلاسفہ کے درمیان اختلافات کا موجب بنی۔ اس فصل اور آئندہ فصول میں ان اختلافات میں سے کچھ کی وضاحت کی جائے گی۔

معااد کے متعلق سب سے پہلا اختلاف معااد کے جسمانی یا روحانی ہونے کے بارے میں دوسرے الفاظ میں قیامت کے دن روح اور جسم دونوں اکٹھے اٹھیں گے اور ان کا حساب و کتاب ہوگا یا فقط روح ہی سے حساب لیا جائے گا۔ کتاب مبداء و معااد کے مؤلف کے مطابق:

ذهب جمہور الفلاسفہ واتباع المشائین الی انہ روحانی فقط لان البدن

ینعدم بصورتہ واعراضہ فلا یعاد والنفس جوہر باق لا سبیل الیہ

الفناء فیعود الی عالم المجرادات لقطع التعلقات بالموت الطبیعی۔^[۱]

سب فلاسفہ بالخصوص فلاسفہ مشائین فقط روحانی معااد کے قائل ہیں ان کا نظریہ ہے کہ انسانی جسم کی صورت میں اعراض موت کی وجہ سے نابود ہو جاتی ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتیں۔ البتہ انسان کی روح ایک پائیدار اور باقی رہنے والا جوہر ہے جس کے لئے فنا کا تصور نہیں ہے۔ جب موت آتی ہے تو روح کے روابط عالم مادہ سے قطع ہو جاتے ہیں اور وہ عالم مجردات کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ابن سینا کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما الشیخ رئیس المشائین فانہ لم ینکر المعاد الجسمانی حاشاہ عن

ذلک الا انہ لم یحققہ بالبرہان کما یظہر لمن نظر فی الھیات الشفاء۔^[۲]

[۱] مبداء و معااد، ص ۲۷۳

[۲] شرح منظومہ ہزوار، ص ۳۳۵

ابن سینا اور معاد جسمانی

حکیم بزرگوار حاجی سبزواری کہتے ہیں: ابوعلی سینا رئیس مشائخ معاد جسمانی کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ ایسی فکر سے دور اور مبری ہیں۔ ابوعلی سینا معاد جسمانی کے مسئلہ کو عقلی دلائل کے ذریعے سے ثابت نہیں کر سکے۔ ان کی کتاب الہیات شفاء کا قاری اس امر سے واقف ہے۔

المحدیث اور متکلمین کا نظریہ

ذہب جمهور المتکلمین وعامة الفقهاء واهل حدیث الی انه جسمانی فقط
بناء علی ان الروح عندهم جسم سار فی البدن سریان النار فی الفعم
والماء فی الورد والزیت فی الزیتونه۔^[۱]

عمومی طور پر سب متکلمین، فقہاء اور اہل حدیث صرف معاد جسمانی کے قائل ہیں۔ اس بنا پر ان کے نظریے کے مطابق روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن میں موجود ہے۔ جس طرح آگ کونلوں میں، پانی مٹی میں اور روغن زیتون زیتون کے دانوں میں موجود ہوتا ہے۔

جسمانی معاد اور روحانی معاد

ذہب کثیر من اکابر حکماء ومشائخ العرفاء وجماعة من المتکلمین
کحجة الاسلام الغزالی والکعبی والحلیمی والراغب الاصفهانی والقاضی
ابو زید وکثیر من علماء الامامیہ واشیاختا الاثنی عشریہ کالشیخین
المفید وابی جعفر والسید المرتضی والعلامة الطوسی وغیرهم رضوان
الله علیهم اجمعین الی القول بالمعادین الجسمانی والروحانی جمعاً ذهاباً
الی ان النفس ومجردة یعود الی البدن۔^[۲]

حکماء، مشائخ اور عرفاء میں سے اکابرین کی بہت بڑی تعداد، اسی طرح غزالی، کعبی، حلیمی، راغب اصفہانی اور قاضی

[۱] مبداء ومعاد، ص ۲۷۳

[۲] مبداء ومعاد، ص ۲۷۳

ابوزید جیسے متکلمین کا ایک گروہ اور علماء امامیہ میں سے بڑے بڑے علماء اور شیخ مفید، شیخ طوسی، سید مرتضیٰ، خواجہ نصیر الدین جسمانی اور روحانی معاد کے قائل ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کی روح قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹ آئے گی۔ جب سے انسان متمدن ہوا اس وقت سے اب تک معاد جسمانی کے مسئلے پر دانشوروں، فلاسفہ اور متکلمین کی توجہ رہی ہے۔ انہوں نے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث اور گفتگو کی ہے۔ یہاں پر ان تمام مطالب کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قارئین کی مزید اطلاع کے لئے ان میں سے فقط بعض کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

معاد جسمانی کے منکرین کی دلیل

۱۔ معاد جسمانی کے منکرین کا دعویٰ ہے کہ انسان کا جسم موت کے بعد گلنے سڑنے سے معدوم ہو جاتا ہے اور معدوم چیز کا بعینہ واپس آنا علمی طور پر ناممکن ہے اور بعض نے تو اعادہ معدوم کے عدم امکان کو ایک بدیہی اور ناقابل انکار امر شمار کیا ہے۔

اعادة المعدوم هما امتنعاً
وبعضهم فيه الضرورة ادعى
اعادہ معدوم متمنع امور میں سے ہے۔ بعض نے اس کے بدیہی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

انہوں نے اپنی بات سے یوں نتیجہ اخذ کیا ہے کہ معاد جسمانی محال ہے۔ کیونکہ اس کا لازمہ اعادہ معدوم اور نابود شدہ بدن کا واپس آنا ہے۔ اور یہ کام محال اور ناممکن ہے۔ اس بناء پر معاد فقط روحانی ہونی چاہیے۔ کیونکہ انسان کی روح ایک پائیدار، ناقابل فنا اور نابود نہ ہونے والی حقیقت ہے جو کبھی بھی معدوم نہیں ہوتی اور موت کے بعد بھی اسی طرح باقی رہتی ہے یہ روح جاوید جو روز جزا کو حکم الہی سے ذات باری تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوگی، اسی سے سوال و جواب اور اسی کا حساب و کتاب ہوگا۔

منکرین کی دلیل کا جواب

اس دلیل کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ انسان کا جسم مرنے اور تجزیہ و تحلیل ہونے کے بعد زمین کے اندر معدوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر موجود نظم و ترتیب درہم برہم ہو جاتی ہے اور آپس میں متصل اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ مبداء و معاد کے مؤلف کہتے ہیں:

ثم اذا حصل مرة اخرى من نوع التأليف المعتبرين لاجزأ الباقية

بعینہا عاد الشخص الاول وكان هو الاول بعينہ۔^[۱]

جب مردہ بدن کے اجزاء آپس میں پہلے کی طرح جڑ جائیں گے تو پہلے والا شخص واپس آ جائے گا اور یہ عود کرنے والا بعینہ وہی ہے جو پہلے تھا۔

امام صادق علیہ السلام کا کلام

امام صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں قبر میں مردہ بدن کے اجزاء کے منتشر ہونے اور بکھرنے کے بارے میں ایک زندیق کا جواب دیتے ہوئے یوں فرمایا:

كل ذلك في التراب محفوظ عند من لا يعزب عنه مثقال ذرة في ظلمات

الارض ويعلم عدد الاشياء ووزنها۔^[۲]

خاک میں مردہ جسم کے تمام ذرات محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے کوئی بھی ذرہ زمین کی تارکیوں میں پوشیدہ نہیں ہے وہ تمام اشیاء کے عدد اور ان کے وزن کا عالم ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاد جسمانی کے موضوع پر اعادہ معدوم کے سامنے پیش کرنا بالکل غیر مناسب ہے۔ کیونکہ بدن قبر میں نابود و معدوم نہیں ہوتا بلکہ اس کی شکل میں تغیر واقع ہوتا ہے اور جسم کے گلنے سڑنے سے متصل اجزاً بکھر جاتے ہیں۔ قیامت میں حکم الہی سے وہی پر آگندہ اجزاء دوبارہ آپس میں پیوست ہو جائیں گے اور مردہ انسان اپنی دنیا والی شکل و صورت میں زندہ ہو جائے گا۔

شبیہ آکل و ماکول

۲۔ معاد جسمانی کے بارے میں پائے جانے والے شبہات میں سے ایک شبہہ جو علمی کتب میں زیر بحث لایا گیا ہے وہ شبہہ آکل و ماکول ہے۔ اگر کوئی انسان کسی درندے کا لقمہ بن جائے اور اس کے بدن کا کچھ حصہ اس حیوان کے جسم کا جزو بن جائے یا اگر ایک آدم خور کا فر ایک مومن کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا جائے تو ان کا حشر کس طرح ہوگا؟ بعض متکلمین اس کا یوں جواب دیتے ہیں:

ذكر بعض المتكلمين ان تشخص الشخص انما يقوم باجزائه الاصلية

[۱] مبداء و معاد، ص ۲۷۴

[۲] بحار الانوار، جلد ۳ ص ۲۰۳

وتلك الاجزاء باقيه في مدة حياة الشخص وبعد موته وتفرق اجزائه فلا
يعدم التشخص وعلى هذا فلو انعدم بعض العوارض الغير المشخصه
واعيد غيرها مكانها لا يقدح في كون الشخص باقيا بعينه. [1]

بعض متكلمين نے کہا ہے کہ ہر شخص کا تشخص اس کے اصلی اجزاء سے ہے اور یہ اجزاء انسان کی تمام
زندگی میں اور اسی طرح موت کے بعد اجزاء کے متفرق ہونے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اس کی
شخصیت کا معیار فنا نہیں ہوتا لہذا اگر انسان کے بعض غیر مشخص عوارض ختم بھی ہو جائیں اور ان کی جگہ
نئے عوارض لے لیں تو انسان کی باقی اور ثابت شخصیت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

گذشتہ فصل میں امام صادق علیہ السلام سے طینت کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے امام کا فرمان یہ تھا کہ
انسان کا تمام گوشت اور ہڈیاں قبر میں گل سڑ جائیں گی۔ صرف اس کی طینت باقی رہ جائے گی۔
علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے اس حدیث کو کافی سے نقل کیا ہے اور اس کے ذیل میں وضاحت کرتے ہوئے یوں
کہا ہے:

متکلمین کے کلام کی تائید

هذا يؤيد ما ذكره المتكلمون من ان تشخص الانسان انما هو بالاجزاء
الاصليه ولا مدخل لسائر الاجزاء والعوارض فيه. [2]

یہ روایت متکلمین کے قول کے تائید کرتی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ انسان کا تشخص اس کے اصلی اجزاء
سے ہے دوسرے اجزاء اور عوارض کا اس شخصیت میں کوئی کردار نہیں ہے۔
عظیم حکیم اور محقق عالی قدر صدر الدین شیرازی شبہہ آکل و ما کول کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

صدر الدین شیرازی کا جواب

وانه فاعه على ما مهدنا من الاصول بعد فهمها و تحقيقها بان العبرة في

[1] بحار الانوار۔ جلد ۳ ص ۲۰۳

[2] بحار الانوار۔ جلد ۳ ص ۲۰۱

تشخص کل انسان انما هو بنفسه واما بدنه فليس له تشخص الا بالنفس۔^[۱]

اس اصول کے فہم وادراک کے بعد جسے ہم نے قائم کیا ہے اس شبہ کو اس طرح رفع کیا جاسکتا ہے کہ ہر انسان کے تشخص کی کسوٹی اور معیار اس کا نفس ہے اس کا بدن نفس کے جز ہونے کے علاوہ کسی اور تشخص اور حیثیت کا حامل نہیں ہے۔

فیض کاشانی کی بات

حکیم بزرگوار فیض کاشانی مرحوم کہتے ہیں:

ان المعاد فی المعاد والمحشور فی الآخرة هو بعینه هذ الشخص الانسانی
الذی فی الدنیا روحاً ویدناً بحيث لویراه احد عند المحشر یقول هذا فلان
الذی کان فی الدنیا کما قال مولانا الصادق علیہ السلام فی البرزخی
(لورایتہ لقلت فلان) وان کان صورة صورت حمار او خنزیر وذلك لان
تشخص البدن علی ما حققه استنادنا صدر المحققین لیس الا بالنفس
فلا یمتاز ولا یتعین الا بها و لهذا یكون بدن زید و اعضائه ینسب الیه
و یعرف به ویحکم بوحده وان تبدل انواعاً من التبدل۔^[۲]

جو معاد میں واپس لوٹے گا اور آخرت میں محشور ہوگا وہ یقیناً وہی انسان ہوگا جو وہ دنیا میں اگرچہ اپنے
برے اخلاق و عادات کی وجہ سے گدھے اور خنزیر کی شکل میں ہی محشور ہوا ہو۔ امام صادق علیہ السلام
نے برزخی انسان کے متعلق فرمایا: ”اگر تم اسے دیکھو تو کہو کہ یہ فلاں شخص ہے۔“ یہ حدیث اسی مطلب
کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس وحدت اور عینیت کا منشاء و اساس انسان کا نفس ہے۔ کیونکہ ہمارے ا
ستاد صدر المحققین^[۳] کی تحقیق کے مطابق ہر انسان کے بدن کا تشخص اس کے نفس سے ہے اور نفس کے
پرتو کے سوا اس کا کوئی تشخص اور پہچان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے زید کے جسم اور اس کے اعضاء کو نفس سے

[۱] مبداء و معاد۔ ص ۲۸۹

[۲] علم الیقین۔ ص ۹۰۲

[۳] عظیم فلسفی سید صدر الدین شیرازی المعروف صدر المتالہین۔

نسبت دی جاتی ہے اور نفس کے ذریعے سے اس کا تعارف کرایا جاتا ہے اور یہ نفس ہی ہے جو انسان کی وحدت کا معیار ہے اگرچہ وہ اپنی زندگی کے دوران مختلف قسم کے تغیرات اور تبدیلیوں سے گذرتا ہے۔

اجزائے بدن میں تبدیلی

ہر انسان کا جسم طبعی طور پر ہمیشہ تغیر و تبدل کا شکار رہتا ہے۔ فرسودہ اور مردہ سیل نابود ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے سیل لے لیتے ہیں۔ بعض افراد ان طبعی تبدیلیوں کے علاوہ کسی بیماری یا عارضہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کا وزن کم یا زیادہ ہو جاتا ہے کبھی کچھ اشخاص جنگ میں شرکت کرنے یا ٹریفک کے حادثے میں اپنے کسی عضو سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لیکن طبعی اور اتفاقی حادثات میں سے کوئی بھی واقعہ یا حادثہ ان کی شخصیت کو نہیں بدلتا اور ان کے انفرادی تشخص میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا۔ اس بارے میں مزید روشنی ڈالنا زیادہ آگاہی اور معاد جسمانی کے متعلق شبہات کو برطرف کرنے کا باعث ہے۔ اس لئے اس کی مزید وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہر انسان اپنے آپ کا بالوجدان ادراک رکھتا ہے اپنی شخصیت کو علم حضوری سے پاتا ہے اور اس کو لفظ ”میں“ سے تعبیر کرتا ہے ہر انسان کی ”میں“ سے تعبیر کرتا ہے ہر انسان کی ”میں“ [یا اس کا خود جگہ اور ثابت اصل کے طور پر اس کا تشخص ہے۔ وہ اپنی تمام چیزوں کو اس کی طرف نسبت دیتا ہے وہ کہتا ہے میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میری آنکھ، میرا کان، میرا گھر اور میری زندگی وغیرہ۔

جب سے بچہ اپنی ”میں“ کو پہچانتا ہے اور اپنے خود کا ادراک کرتا ہے اس وقت سے لے کر اس کے بوڑھے اور کمر جھکنے تک وہ بالوجدان محسوس کرتا ہے کہ اس کی ”میں“ کے اندر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کے تمام اعضاء و قویٰ میں بنیادی تبدیلیاں آگئیں اور اس کی زندگی کے تمام مشخصات بدل گئے پھر بھی اس کا اپنا آپ عوض نہیں ہوا اس کا خود وہی پہلے والا ہے اور وہ اسی طرح اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے۔

کبھی کبھار جب وہ بڑھاپے کے ایام میں ماضی کے ورق الٹنا شروع کرتا ہے اور اپنے گزرے ہوئے دنوں کو یاد کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے کہتا ہے ایک دن میں بچہ تھا، پھر جوان ہوا جوانی گذاری اور ادھیڑ عمر کو پہنچا اور اب میں ہوں کہ اپنی توانائیاں کھو بیٹھا ہوں۔ اب پیری اور بڑھاپے کی زندگی گزار رہا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میری ہر چیز تبدیل ہو چکی ہے لیکن میرا وجدان گواہی دیتا ہے۔ میری اصل ثابت یعنی میری ”میں“ میرے اندر باقی ہے اور اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا۔

اجزاء بدن کی تبدیلی

اگر کوئی اپنی زندگی کے دوران طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے۔ مثلاً اس کے گردے فیل ہو جائیں، اس کا گوشت جل جائے یا ہڈی کو نقصان پہنچے، اس کی آنکھ کام کرنا چھوڑ دے یا اس کے خون میں کمی واقع ہو جائے اور وہ آپریشن اور جراحی کے ذریعے سے ان عیوب اور نقائص کو برطرف کرے۔ مثال کے طور پر اس کے باپ کے ایک گردے کو، بھائی گوشت اور ہڈی کو، کسی مردے کی آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے بدن میں پیوند کاری کر دی جائے اور کسی دوست سے خون لے کر اس کی رگوں میں داخل کر دیا جائے یعنی جب دوسرے انسانوں کے کچھ اعضاء و جوارح اس کے پیکر میں داخل کر دیئے جائیں تو کیا ان طبی پیوند کاریوں کی وجہ سے اور چند اعضاء کے اضافے اور دوسروں سے خون لے کر اس کے بدن میں داخل کرنے سے اس کی شخصیت اور پہچان بدل جاتی ہے اور وہ اپنی ”میں“ میں کسی اضافے کو محسوس کرتا ہے؟ کیا باپ بھائی اور دوست کی شخصیت میں گردے، جلد، ہڈی اور خون دینے سے تغیر واقع ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ”میں“ میں کمی محسوس کرنے لگتے ہیں؟

اب اگر کوئی دوسرا شخص پیوند کئے گئے گردے پر چوٹ لگائے یا پیوند کی گئی جلد کو سگریٹ سے سلگائے یا لگائی گئی نئی آنکھ پر مکار سید کرے تو کس شخص کو تکلیف اور درد ہوگا کیا اس شخص کو جس کے جسم میں پیوند کاری کی گئی ہے یا اس شخص کو جس سے گردہ، آنکھ یا گوشت لیا گیا ہے۔

عضو کی کمی اور ثابت شخصیت

ممکن ہے کوئی شخص ٹریفک کے حادثے کا شکار ہو جائے یا بلندی سے گر پڑے جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں یا ایک پاؤں سے محروم ہو جائے یا کسی مہلک بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اگرچہ ان حوادث میں سے ہر ایک کا وقوع عضو کے فقدان اور جسم میں نقص و کمی کا سبب ہے لیکن کوئی بھی حادثہ اس کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اس کا خود یعنی ”میں“ میں کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔ لہذا تمام انسانی اور الہی قوانین کے مطابق اور دنیا کے تمام لوگوں کی نظروں میں ناقص عضو والے شخص کی حقوقی اور جزا و سزا والی حیثیت اس کے صحت و سلامتی کے زمانے سے ذرہ برابر مختلف نہیں ہوتی۔ وہ کل کی طرح آج بھی قانونی لحاظ سے اپنے اموال کا مالک ہے۔ اسے فروخت کرنے یا خرید کرنے یا کسی کو بخش دینے کا حق رکھتا ہے اور جہاں تک قانون اسے اجازت دیتا ہے وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے کسی ادارے میں حسن کارکردگی کی وجہ سے وہ کسی قانونی جزا کا مستحق تھا تو اب بھی قانون اس پر لاگو ہوگا اور اسے ضرور سزا دی جائے گی۔

حالات کی تبدیلیوں میں شخصیت کی بقاء

جس طرح عضو کی کمی شخصیت میں تغیر و تبدیلی کا موجب نہیں بنتی اور انسان کی حقوقی اور جزائی حیثیت کو تبدیل نہیں کرتی، اسی طرح ایام جوانی گزرنے اور بڑھاپے کے آنے سے صورت حال نہیں بدلتی اور انسان کی حقوقی اور جزائی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ جو شخص جوانی میں کسی قتل کا مرتکب ہوا اور اس علاقے سے فرار کر گیا۔ اب اگر وہ بڑھاپے میں پکڑا جائے اور عدالت میں پیش کیا جائے تو شریعت عقل اور قانون اور عرف کی رو سے وہ سزا کا مستحق ہے اور اسے جوانی میں مرتکب ہونے والے جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے سے دوران جوانی میں قرض لیا ہو اور اب تک اسے ادا نہ کیا ہو تو دنیا کے تمام لوگ اسے مقروض سمجھیں گے اگرچہ بڑھاپے کی وجہ سے صورت حال تبدیل ہو چکی ہے پھر بھی وہ قرض لینے والے کو اجازت دیں گے کہ وہ قرض کا مطالبہ کرے اور اس سے وصول کرے۔ بحار الانوار میں آیا ہے:

ولذا يقال للشخص من الصيا الى الشيوخه هو بصيغته وان تبدلت الصور
والهيأت بل كثير من الاعضاء ولايات ولا يقال لمن جنى في الشباب
فوقب في المشيب انها عقوبة لغير الجاني^[۱]

”حفظ شخصیت کی بنیاد پر ایک فرد کو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یہی کہا جاتا ہے کہ یہ وہی ہے اگرچہ اس کی شکل و صورت اور اس کے بہت سے اعضا و جوارح مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں۔ جوانی میں جرم کا ارتکاب کرنے والے مجرم کو بڑھاپے میں سزا دینے پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس شخص کے بجائے کسی اور کو سزا دی گئی ہے۔“

مختصر یہ کہ اگر ایک جوان بوڑھا ہو جائے، اگر ایک صحیح و سالم انسان معذور ہو جائے اسی طرح اگر باپ کے گردے کو بیٹے کے اندر اور بھائی کی ہڈی یا جلد کو دوسرے بھائی میں پیوند کاری کر دی جائے تو ان میں سے کوئی بھی تبدیلی شرعی اور عقلی لحاظ سے انسان کی شخصیت کو تبدیل نہیں کرتی اور انسان کی ”میں“ کو متاثر نہیں کرتی اور ہر کوئی بالوجدان یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی ہوں اور میں نہیں بدلا۔

جزا اور سزا کا معیار

قیامت میں معاد جسمانی اور جسموں کا وجود میں آنا، اسی طرح نیک لوگوں کو جزا اور برے لوگوں کو سزا دینا اسی

[۱] بحار الانوار، جلد ۳۳ ص ۲۰۴

معیار پر ہے جسے شارع اسلام نے دنیا میں مقرر فرمایا ہے۔ جسے دنیا کے تمام عقلاء نے قبول کیا ہے اور تمام انسانی قوانین نے تسلیم کیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت میں انسانوں کی مٹی جمع ہو جائے گی۔ امام کے الفاظ یوں ہیں:

فتعود الصور بأذن المصور كهيتا و تلج الروح فيها فاذا قد استوى لا

ينكر من نفسه شيئا^[۱]

صورت بنانے والے خدا کے حکم سے انسانوں کی صورت ان کے جسموں میں لوٹ آئے گی اور روح ان میں داخل ہو جائے گی۔ جب انسان کا توازن برقرار ہوگا تو وہ اپنی طرف متوجہ ہوگا اور اپنی ”میں“ کو پالے گا اور اپنے وجود میں اسے احساسِ بیگانگی وغیرہ نہیں ہوگا۔

محقق دوانی کی بات

محقق دوانی عقائدِ عضدیہ کی شرح میں کہتے ہیں:

والحاصل ان المعاد الجسماني عبارة عن عود النفس الى بدن هو ذلك

البدن بحسب الشرع والصرف ومثل هذه التبدلات والمغايرات التي لا

تقدح في الوحدة بحسب الشرع والصرف لا تقدح في كون المحشور هو

المبدأ^[۲]

معاد جسمانی سے مراد روح کا اخروی بدن میں لوٹ جانا ہے۔ وہ بدن شرع اور عرف کے لحاظ سے

یہی دنیاوی بدن ہے اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیاں اور تغیرات شرعاً اور عرفاً بدن کی

وحدت کو ضرر نہیں پہنچاتیں اسی طرح یہ اس حقیقت کو بھی نقصان نہیں پہنچاتی کہ قیامت کا بدن وہی

دنیاوی بدن ہے۔

پس جو کچھ نبی اکرمؐ کے زمانے میں معاد جسمانی کے ناممکن ہونے کے بارے میں کہا گیا تھا اور جس کی طرف قرآن

مجید میں اشارہ ہوا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد امتناع اعادہ معدوم اور شبہہ آکل و ماکول اور دیگر

[۱] بحار الانوار ج ۳ ص ۱۹۹

[۲] بحار الانوار ج ۳ ص ۲۰۳

شبہات پیش کئے گئے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی معاد کے امر کو کمزور نہیں کرتا اور روزِ جزا میں لوگوں کی دوبارہ حیات پر عقلی امتناع کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اسلام کے سچے پیروکار قرآن مجید کی صریح آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات کی وجہ سے معاد جسمانی کو دین الہی کی قطعی ضروریات میں سے سمجھتے ہیں۔ اور اس بات میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

معاد جسمانی ضروریات دین میں سے ہے

علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

تذنیب. اعلم ان القول بالمعاد الجسمانی هما اتفق علیہ جمیع المسلمین وهو من ضروریات الدین ومنکرہ خارج من عداد المسلمین و الایات الکریمہ فی ذلك ناصۃ لا یعقل تاویلها والاخبار فیہ متواترۃ لا یمکن ردھا. [۱]

معاد جسمانی ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام قوموں کا اتفاق ہے اور اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ مسلمانوں میں سے شمار نہیں ہوتا نہ تو معاد جسمانی کے متعلق قرآن مجید کی صریح آیات کی تاویل کی جاسکتی ہے اور نہ اس بارے میں آنے والی متواتر روایات کو رد کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں نیک اور ایماندار افراد جو نیک کام انجام دیتے ہیں ان کے دو پہلو ہیں:

ان کا ایک پہلو معنوی اور روحانی ہے یعنی وہ صاف نیت اور پاکیزہ ضمیر پر مبنی ہوتے ہیں۔

ان کا دوسرا پہلو مادی اور جسمانی ہے جو جسم کی توانائیوں اور فعالیتوں سے مربوط ہے۔

روحانی اور جسمانی اجزاء

اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو مکمل اجر دینے کے لئے قیامت کے دن ان کو ویسے بنائے گا جیسے وہ دنیا میں تھے اور ان کی روح کو انہی جسموں اور اسی میت میں واپس لوٹائے گا تاکہ ان کے جسم، بہشت کی مادی نعمتوں اور کھانے پینے کی اشیاء سے لطف اندوز ہو سکیں اور ان کی روحیں اعلیٰ و ارفع معنوی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ مند ہو سکیں اور ان دونوں نعمتوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اور نیک اور پاکیزہ افراد سے ان کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ارشادِ الہی ہے:

[۱] بحار الانوار ج ۳ ص ۲۰۲

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
وَمَسْكِنٍ ظَلِيلَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿٢٤﴾

اللہ نے مومنین اور مومنات سے وعدہ کیا ہے وہ انہیں ابدی جنت جس کے خوبصورت اور باشکوہ مخلول کے نیچے نہریں جاری ہیں عطا کرے گا اور انہیں تروتازہ باغوں میں گھرے ہوئے پاکیزہ مکانات عنایت کرے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ مومنین اور مومنات کو جنت کی مادی نعمتوں کے علاوہ ان سے عظیم تر اور اہم تر نعمت یعنی اپنی رضا اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور مومنین کے لئے یہ روحانی جزاء انتہائی عظیم کامیابی ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان الله يقول لاهل الجنة يا اهل الجنة هل رضيتم؟ فيقولون ربنا وما لنا لا نرضى وقد اعطينا ما لم تعطه احدا من خلقك فيقول الا اعطيكم افضل من ذلك قالوا يا رب و اى شئ افضل من ذلك قال احل عليكم رضوانى فلا اسخط عليكم بعدا ابدا۔^[٢]

رضوان الہی

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے گا۔ اے اہل بہشت! کیا تم مجھ سے راضی ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کیوں راضی نہ ہوں؟ تو نے ہم پر ایسی عنایت اور لطف فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں کسی اور پر نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہیں اس سے بہتر اور برتر عطیہ نہ دوں۔ وہ کہیں گے کہ پروردگار اس سے بڑھ کر کیا چیز ہے؟ خدا فرمائے گا بہشت کی نعمتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم میری رضا و خوشنودی کے مستحق قرار پائے ہو اور اس کے بعد میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

ہست	پاداش	خدا	بر	مؤمنان
جنت	عدن	و	بہشت	جاودال

[١]

[٢] تفسیر درالمشور، ج ٣ ص ٢٥٤

لیک رضوان اسی برتر است
رفعت روح است و فوز اکبر است

خدا کے پاس مومنین کے لئے باغ و باغات اور ابدی بہشت ہے۔

لیکن اس کی رضا اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو روح کی رفعت اور عظیم کامیابی ہے۔

پاکیزہ اور نیک افراد کے اعمال کی طرح گناہگار اور بے ایمان افراد کے دنیاوی اعمال کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک ان کا روحانی اور معنوی پہلو ہے جو ان کی پلید نیت اور آلودہ ضمیر سے مربوط ہے۔ دوسرا ان کا جسمی اور مادی پہلو ہے جو بدن کی قوی اور فعالیتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان افراد کو بھی ہر دو پہلوؤں سے عذاب دینے کے لئے اللہ سبحانہ، ان کو جیسے وہ دنیا میں تھے ایسے ہی ان کے جسم اور روح کو اکٹھا کرے گا تاکہ ان کے جسم دوزخ کے مادی عذاب کا مزہ چکھیں اور ان کی روحیں معنوی اور روحانی عذاب میں مبتلا ہوں۔ ایسے ہر دو عذاب کا تذکرہ قرآن شریف میں ہوا ہے۔ جسمانی عذاب کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

جسمانی سزا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ
بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ [۱]

جنہوں نے ہماری آیات سے کفر اختیار کیا ہم بہت جلد انہیں دوزخ کی آگ میں ڈالیں گے، اور ہر دفعہ جب ان کی جلد حرارت کی وجہ سے پگھل جائے گی اور وہ عذاب میں کمی محسوس کریں گے تو ہم اس کو دوسری جلد سے تبدیل کر دیں گے تاکہ وہ دوزخ کے عذاب کو چکھیں۔

روح کی سزا

قرآن روح کے عذاب اور تکلیف کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُونَ ﴿۵۰﴾ [۲]

[۱] النساء-۵۶

[۲] الاحقاف-۲۰

پس آج کے دن تم ذلت آمیز عذاب میں مبتلا ہو گے جو روحانی رنج و تکلیف کا موجب ہے یہ تمہارے دنیا میں ناحق تکبر کرنے اور گناہ کے مرتکب ہونے کی سزا ہے۔

دوزخ و آتش قہر یزدان
کیفر جسمی بدکاران است
خوار گردیدن و تحقیر شدن
زجر روح است عذاب جان است

خدا کا قہر و غضب دوزخ اور آگ ہے جو بدکاروں کی جسمانی سزا ہے۔ ذلیل و خوار ہونا روح کے عذاب اور تکلیف کا باعث ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معاد کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی نہ ٹلنے والی قضاء ہے اور یہ مطلب پوری انسانی تاریخ میں پیغمبروں اور انبیاء کے وسیلے سے لوگوں تک پہنچایا گیا ہے۔ حضور اکرم کے زمانے میں بعض مشرکین اس کو غیر ممکن اور محال خیال کرتے تھے اور اس کے رد میں دلیلیں دیتے تھے جن کا جواب قرآن مجید نے دیا ہے۔ نبی اکرم کے بعد اسلامی معاشرے میں معاد کے بارے میں شبہات پیدا کئے گئے جن کو کچھ افراد نے علمی طور پر حل کیا۔ بعض نے معاد کی حقیقت کو روحانی کہا اور بعض نے اسے جسمانی کہا۔ لیکن جو کچھ قرآن کی صریح آیات اور روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں گل سڑ کر ذرات میں تبدیل ہونے والا جسم اور باقی رہنے والی روح حشر کے روز باہم مل جائیں گے اور دونوں پہلے کی طرح جیسے وہ دنیا میں تھے قیامت میں وارد ہوں گے اور یہ مسئلہ دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔

معاد یا قطعی سرنوشت

لوگ چاہیں یا نہ چاہیں وہ روز محشر زندہ ہوں گے اور عدالت الہی میں حاضر ہوں گے اور دنیا میں انجام دیئے گئے تمام اعمال کا جواب دیں گے۔ کوئی بھی فرد اس قطعی سرنوشت کو تبدیل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ وہ اجتناب ناپذیر مقدر کو خدا سے تبدیل نہیں کروا سکتا۔ اور اپنے آپ کو اس حادثے سے نہیں بچا سکتا۔

نظام تکوینی کا جبر

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

کان فیما وعظ بہ لقمان علیہ السلام ابنہ ان قال یا بنی ان تک فی شک من

الموت فأرفع عن نفسك النور ولن تستطيع ذلك و ان كنت في شك من
البعث فأرفع عن نفسك الانتباه ولن تستطيع ذلك فانك اذا فكرت في
هذا علمت ان نفسك بيد غيرك وانما النوم بمنزلة الموت وانما اليقظة
بعد النوم بمنزلة البعث بعد الموت. [۱]

لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اے فرزند! اگر تم اپنے آپ پر موت
آنے میں شک کرتے ہو تو اپنے آپ سے نیند کو ہٹا دو اور ایسا کام کرو کہ تمہیں ہرگز نیند نہ آئے۔ اور تم ہرگز اس پر قادر نہیں ہو۔
اور اگر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے اور اخروی حیات کے ناگزیر ہونے میں شک کرتے ہو تو بیدار ہونے کو اپنے آپ
سے دور کر دو۔ اور ایسا کام کرو کہ سونے کے بعد نہ اٹھو اور بیدار نہ ہو اور تم یہ کام بھی نہیں کر سکتے ہو۔ اگر میری کہی ہوئی ان
دو باتوں میں غور کرو تو تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہاری جان اور تمہارا تمام وجود کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ نیند موت کے مترادف ہے
اور سونے کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندہ ہونے کے برابر ہے ان دونوں میں سے میں بھی تمہیں اختیار نہیں ہے۔
اسی قسم کی تشبیہ رسول اکرمؐ کے کلام میں دوسرے الفاظ میں ذکر ہوئی ہے:

والذی بعثنی بالحق لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون. [۲]

مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس نے مجھے حق پر مبعوث فرمایا کہ تم سب مر جاؤ گے جس طرح تم سوتے
ہو اور اسی طرح قیامت میں اٹھو گے جیسا کہ تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔

قرآن شریف کے فرمان کے مطابق روز محشر جب لوگ زندہ ہوں گے تو وہ یہ خیال کریں گے کہ ہم تو نیند کی حالت
میں تھے اور اب بیدار ہو گئے۔ ارشادِ الہی ہے:

قَالُوا يَوْمَئِذٍ لَمَّا مَنَّا مَمَرًا مِّنْ مَّوَدِّئِنَا ۖ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ

الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾ [۳]

وہ کہیں گے وائے ہو ہم پر کسی نے ہماری خواب گاہوں سے جگا دیا اور ہمیں بیدار کر دیا؟ یہ وہی روزِ جزا کا وعدہ ہے
جس کی خبر پیغمبروں نے صدق و راست گوئی کے ساتھ دی تھی۔

[۱] بحار الانوار۔ ج ۳ ص ۲۰۰

[۲] بحار الانوار۔ ج ۳ ص ۲۰۲

[۳] یسین۔ ۵۲

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

فان القوم كانوا في القبور فلما قاموا حسبوا انهم كانوا نياما قالوا
يويلنا من بعثنا من مرقدا قال البلاءة "هذا ما وعد الرحمن وصدق
المرسلون" [۱]

لوگ قبروں میں ہیں جب زندہ ہو کر اٹھیں گے تو یوں خیال کریں گے۔ جیسے وہ سو رہے تھے اور انہیں
بیدار کر دیا گیا ہے۔ وہ کہیں گے وائے ہو ہم پر کس نے ہمیں جگا دیا؟“ فرشتے ان سے کہیں گے ”یہ
وہی دن ہے جس کا وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا اور انبیاء نے سچائی کے ساتھ اسے تم تک پہنچایا تھا۔
ذات باری تعالیٰ کی حتمی قضا سے قیامت برپا ہوگی۔ لوگ اپنی قبور سے جنہیں وہ اپنی خوابگا ہیں کہتے ہیں باہر آئیں
گے اور محشر کے وحشت زدہ میدان میں داخل ہوں گے اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں اپنے آپ کو دنیا میں انجام دیئے
گئے اعمال کے حساب کے لئے پیش کریں گے۔

عمر زود گذر

اس دن سب سے پہلے بات جو غافل اور گناہگار لوگوں پر واضح ہوگی اور جوان کے لئے بہت زیادہ تکلیف دہ
ہوگی۔ وہ دنیاوی زندگی کا ناچیز اور زود گذر ہونا اور اپنے اعمال کے بارے میں اس وقت عظیم مسئولیت کا احساس ہوگا۔ قرآن
مجید نے چند آیات میں اس نکتے کو یاد دلا یا ہے۔ تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اس دنیا میں جو دار تکلیف ہے
زندگی گذارتے ہوئے اپنی سعادت اخروی کے لئے فکر مند ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۗ قَدْ
خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۲۵﴾ [۲]

اے رسول، لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن خدا انہیں محشر کرے گا وہ اس روز اپنی دنیاوی عمر کے
بارے میں یوں اندازہ لگائیں گے گویا صرف ایک ساعت دنیا میں رہے اور ان کے لئے صرف اتنی
فرصت تھی کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور متعارف ہو سکیں۔ بے شک روز جزا کو جھٹلانے والے

[۱] تفسیر صافی، ص ۴۵۱

[۲] سورہ یونس۔ ۴۵

نقصان اٹھانے والے اور ہدایت کی سعادت سے محروم ہیں۔

عارضی دنیا

عربی لغت میں ساعت ایک مثل ہے جو بہت ہی کم مدت کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔^[۱] درحقیقت یہ آیت خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے افراد کو جگانا اور بیدار کرنا چاہتی ہے۔ اور ان سے کہہ رہی ہے کہ آگاہ رہو جس دنیا سے تم نے بہت دل لگا لیا ہے۔ جس کا تم نے ذخیرہ کر رکھا ہے اور جس پر تم مغرور اور متکبر ہو۔ وہ ذخیرہ عنقریب تمہارے ہاتھوں سے چھین جائے گا موت تمہیں اس سے جدا کر دے گی۔ حساب و کتاب کے موقعہ پر دنیا کی ساری زندگی تمہیں ایک گھڑی معلوم ہوگی اور اس کے مقابلے میں جو ضرر اور نقصان تمہیں اٹھانا پڑے گا وہ دائمی اور ابدی ہوگا۔

نہ صرف عالمِ آخرت میں دنیاوی عمر کم معلوم ہوگی بلکہ اسی دنیا میں جب ایک بوڑھا شخص اپنے ماضی کے اوراق الٹتا ہے اور اپنی گزری ہوئی ۹۰ سالہ زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اسے ذہن میں مجسم کرتا ہے تو اسے کم بہت کم اور ناچیز خیال کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ میری زندگی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر گئی۔ میرا بچپن کتنی جلد جوانی میں بدلا۔ میری جوانی ادھیڑ عمر میں بدلی اور ادھیڑ عمر سے میں بڑھاپے تک آن پہنچا اور اب موت کے دن پورے کر رہا ہوں۔ اس کی نوے سالہ عمر اسے کم بہت دکھائی دیتی ہے اور آخرت میں تو یہ مدت اور بھی زیادہ کم دکھائی دے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا يُوعَدُونَ لَا يَلْبَثُونَ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ط [۲]

جس دن وہ خدا کے وعدوں کو قیامت کے میدان میں مشاہدہ کریں گے ان کی عمریں انہیں اتنی قلیل دکھائی دیں گی۔ جیسے وہ گھڑی بھر سے زیادہ وہاں نہ رہے ہوں۔

ایک اور آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے لفظ ”ساعت“ کے بجائے دن کے پہلے یا آخری حصے کی تعبیر استعمال کی ہے یہ تعبیر دوسرے الفاظ میں ساعت ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۝ [۳]

جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے یہ احساس ان کے ذہن پر سوار ہو جائے گا کہ گویا انہوں نے دنیا میں

[۱] اردو میں بھی ’گھڑی بھر‘ ایک مختصر سی مدت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ (مترجم)

[۲]

[۳]

ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ زندگی نہیں گذاری۔

زندگی ایک خواب ہے

بعض روایات میں ذکر ہوا ہے کہ لوگ دنیا میں سوئے ہوئے ہیں یہ موت کے وقت بیدار ہوں گے جب ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ عالم غیب کا مشاہدہ کریں گے۔ یہ تشبیہ اور مثال بہت سی جہتوں اور پہلوؤں سے توضیح طلب ہے۔ ان میں سے ہر پہلو انسان کے لئے سبق آموز ہو سکتا ہے اور بہت حد تک اس کو مستقبل کے انجام سے خبردار کرتا ہے۔ یہاں پر ان پہلوؤں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ان گھنٹوں گہری نیند سوتا ہے جو نہی اس کی آنکھ گہری نیند سے کھلتی ہے وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بہت کم سویا ہے، لیکن جب وہ گھڑی پر نگاہ ڈالتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ تو کوئی گھنٹے سویا رہا ہے۔ جیسا کہ نیند سے بیدار ہونے والا انسان اپنے کئی گھنٹوں کی نیند کو بہت کم خیال کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا اور برزخ کی زندگی اپنے بسترِ قبر سے بیدار ہونے والے اور عرصہ محشر میں قدم رکھنے والے انسان کو یونہی نظر آئے گی۔ وہ انسان یہ تصور کرے گا دنیا میں اس کا قیام ایک ساعت سے زیادہ نہ تھا لیکن جب وہ اپنے نامہ اعمال پر نگاہ ڈالے گا جو گھڑی کی سونیوں کی مانند ہوگا اس وقت وہ متوجہ ہوگا کہ وہ تو کئی سال غفلت اور نافرمانی کی حالت میں دنیا میں زندگی گزار آیا ہے اور اس کے دامن میں گناہ اور جرائم کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ اس وقت وہ اپنے برے اعمال اور اس کے دامن میں گناہ اور جرائم کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ اس وقت وہ اپنے برے اعمال سے پشیمان ہوگا۔ اپنی خطاؤں اور غلطیوں سے آگاہ ہوگا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کے کسی کام نہیں آئے گی اور اس کو قیامت کے عذاب اور بدبختی سے نجات نہیں دلا سکے گی۔ ارشادِ الہی ہے:

يَوْمَ مَن يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانَ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ﴿١١﴾

روزِ محشر انسان اپنی خطاؤں اور غلطیوں کی طرف متوجہ ہوگا لیکن اس کی یہ توجہ اس کے کس کام کی؟

اس دن تمام لوگ ہوش میں آجائیں گے وہ اپنے حالات سے باخبر ہو جائیں گے لیکن حشر کے دن ان کا جان لینا اور پشیمان ہونا ان کے انجام میں کسی قسم کی تبدیلی نہ لاسکے گا نہ اچھے لوگوں کو بلند درجے پر پہنچائے گا اور نہ برون کو عذاب سے رہائی دلائے گا۔

مفید اور بار آور بیداری

خود آگہی اور بیدار دلی انسان کے لئے اسی دنیا میں مفید اور ثمر بخش ہے۔ یہ دنیا جو دار تکلیف اور کوشش و عمل کی دنیا ہے۔ اس میں انسان اپنے آپ کو انسان پہچانے اور اپنی اہمیت کو سمجھے زندگی سے استفادہ کرے اپنے آپ کو انسان بنائے اور اچھے اخلاق سے مزین کرے۔ ایسا شخص قیامت کے روز انسان محشور ہوگا اور جنت جو انسانوں کی جایگاہ ہے میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

الدنيا دار صدق لمن صدقها ودار عافيه لمن فهم عنها ودار عني لمن تزود منها ودار موعظة لمن اتفظ بها مسجد احياء الله ومصلى ملائكة الله ومهبط وحى الله ومتجر اولياء الله اکتسبوا فيها الرحمة وربحوا فيها الجنة. [1]

دنیا اس شخص کے لئے سچائی اور صداقت کا گھر ہے جو اس سے سچائی کے ساتھ پیش آئے۔ جو اس کو پہچانے اس کے لئے عافیت کا گہوارہ ہے جو اس سے توشہ لے لے یہ بے نیاز کر دینے والی منزل ہے۔ جو اس کی نعمتوں کو قبول کرے اس کے لئے وعظ و نصیحت کی جگہ ہے۔ یہ اللہ کے دوستوں کی مسجد، فرشتوں کی جائے نماز، وحی الہی کے نزول کی جگہ اور اولیاء خدا کے لئے بازار تجارت ہے۔ وہ اس تجارت کے بازار سے خدا کی رحمت کسب کرتے ہیں اور جنت کو بطور منافع پاتے ہیں۔

باب نمبر 14

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۗ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۗ تَوَدُّ لَوْ
أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا (آل عمران آیت ۳۰)

دنیا اور تکوینی قوانین

کرہ زمین جو کہ انسانوں اور دیگر جانوروں کی زندگی کا گہوارہ ہے اس میں تکوینی قوانین اور سنن کا ایک سلسلہ کارفرما ہے۔ جن سے اس سارے جہان کا نظام نظم و ضبط وابستہ ہے۔ مثال کے طور پر موت و حیات کا قانون، تولید نسل اور وراثت کا قانون، جاذبہ اور دفعہ کا قانون۔

روشنی کی رفتار کا قانون، رات اور دن کی پیدائش کا قانون اسی طرح سال میں موسموں کی تبدیلی، پانی کے بخارات بننے پر برفباری اور بارش ہونے وغیرہ کے تکوینی قوانین ان قوانین اور سنن میں سے کچھ کی علمی ترقی کی وجہ سے ایک حد تک شناخت ہو چکی ہے اور کچھ اسی طرح مجہول باقی ہیں۔

یہ تکوینی قوانین ذاتِ اقدس الہی نے بنائے ہیں اور یہ اصول و ضوابط مشیتِ الہی سے عدل کے مطابق اور مصلحت پر مبنی ہیں، جہان کی طبیعت میں مخلوط ہیں اور جبراً فرینش کے تحت اجراء ہوتے ہیں۔ اس ساری کائنات پر ان کی حاکمیت ہے۔ عالم ہستی کی حکیمانہ اور تھیرانگیز تنظیم انہی قوانین اور اصولوں کی وجہ سے باقی اور برقرار ہے۔

انسان اور تشریحی قوانین

طبیعی دنیا کے چلانے سے مربوط تکوینی قوانین کے ساتھ ساتھ ایک تشریحی قوانین کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انسانوں کی ہدایت کے لئے سعادت کے لئے وضع فرمایا ہے اور ان کو پیغمبروں کے وسیلے سے ان تک پہنچایا ہے۔ تشریحی قوانین میں کوئی خیر نہیں ہے۔ لوگ انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے اور رد کرنے میں آزاد ہیں وہ چاہیں تو دین الہی کو قبول کر لیں اور خدا کی ہدایت پر اس کے شکر گزار ہو جائیں اور چاہیں تو ان کی دعوت کو ٹھکرا دیں اور خدا کی نعمت ہدایت کا کفران کریں۔ البتہ پیغمبروں نے اس نکتے کی طرف ضرورتاً دلوائی ہے کہ الہی احکام اور تعلیمات کی پیروی دنیا میں انسان کے کمال اور ترقی کا موجب ہے اور آخرت میں اجرا الہی اور جزا کا سرمایہ ہے۔ اور ان احکام و تعلیمات سے انحراف دنیا

میں معنوی تنزل اور گمراہی کا باعث ہے اور آخرت میں خدا کے عذاب اور سزا کا سبب ہے۔

جہان کی فنا اور قوانین کی منسوخی

خدا کے تمام تکوینی قوانین جو نظام عالم کے محافظ ہیں اور اسی طرح خدا کے تشریحی قوانین جو سعادت کے راستے پر انسانوں کے لئے ہدایت کا چراغ ہیں یہ سب کے سب دنیا کے خاتمے اور نابودی تک اس عالم طبیعت میں برقرار رہیں گے۔ لیکن جو نبی قیامت کا دن آئے گا اس عالم کے تمام اوضاع و احوال بالکل تبدیل ہو جائیں گے۔ ایک نیا جہان جدید شرائط کے ساتھ وجود میں آ جائے گا۔ اب تک اس دنیا پر حاکم قوانین حکم الہی سے منسوخ ہو جائیں گے اور آخرت کے ابدی عوالم سے ہم آہنگ جدید تکوینی قوانین ان کی جگہ لے لیں گے۔ اس لحاظ سے عالم آخرت میں لوگوں کو جدید تکوینی قوانین اور سنن کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وحشت ناک تین روز

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

قال ان اوحش ما یکون هذا الخلق في ثلاثة مواطن یولد ویخرج من
 بطن امه فیری الدنيا ویوم یموت فیغاین الاخرة واهلها ویوم یبعث حیا
 فیری احکام لم یرها فی دار الدنيا۔^[۱]

اس مخلوق کے لئے تین وقت وحشت ناک ترین ہیں۔ ایک وہ دن جب وہ ماں کے پیٹ سے متولد ہوتی ہے اور دنیا کو دیکھتی ہے۔ دوسرا جس دن وہ مرتی ہے اور آخرت کے حالات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ تیسرا وقت وہ ہے جس دن وہ قبر سے زندہ کر کے اٹھائی جائے گی اور ایسے احکام اور قوانین کا سامنا کرے گی جن کو دنیا میں نہ دیکھا ہوگا۔

اس دنیا کے تکوینی قوانین کی طرح خدا کے تشریحی قوانین بھی دنیا کے خاتمے کے ساتھ ختم ہو جائیں گے اس دنیا کے فرائض اور احکام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انسانی نسل نابود ہو جائے گی اس لئے دینی احکام اور تشریحی قوانین کی ضرورت بھی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کے تکلیفیں احکام کو بیان کرنے اور ان کے فرائض کو واضح کرنے کے لئے تھے۔

[۱] تفسیر برہان - ج ۳ ص ۷

آخرت اور نئے قوانین

کتاب کی دوسری فصل میں چند تکوینی قوانین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ قوانین اس دنیا میں نظام طبیعت پر لاگو ہیں۔ آخرت میں حکم الہی سے یہ منسوخ ہو جائیں گے اور ان کی جگہ دیگر قوانین لے لیں گے۔ اس فصل میں بھی بعض آیات اور روایات کی رو سے چند تکوینی قوانین کے بارے میں بحث کی جاتی ہے یہ قوانین عالم طبیعت کے نظم اور اس کے چلانے کے ذمہ دار ہیں آخرت میں ختم ہو جائیں گے اور ان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیبت سے اور قوانین جاری و ساری ہوں گے۔

نورِ آفتاب اور زندگی

سورج اور اس سے دائمی طور پر حاصل ہونے والی عظیم توانائی زمین اور اس کے جانداروں کے لئے متعدد جہات سے خیر و برکت کا موجب اور سرچشمہ حیات ہے۔ نظام شمسی کے اس مرکزی عظیم جرم نے کرہ زمین کے توازن اور اس کی مدار کی گردش کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس سے جدا ہونے والے نور کا بہت بڑا حصہ اس بیکراں فضا میں بکھر جاتا ہے اس کا تھوڑا سا حصہ زمین تک پہنچتا ہے۔ لیکن اسی تھوڑی مقدار کے اثرات سے پودے اور درخت، حشرات اور حیوانات اور اسی طرح انسان زندہ ہیں اور اپنی نوعی اور انفرادی حیات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پانی اس عالم کے تمام جانداروں کا مایہ حیات ہے۔ سورج کی تپش سے سمندر میں بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ جو بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر برفباری ہوتی ہے اور بارشیں ہوتی ہیں۔ پانی تمام کرہ زمین تک پہنچ جاتا ہے جس کے نتیجے میں جانداروں کی زندگی پانی کی غیر موجودگی کے خطرے سے محفوظ رہتی ہے۔

درحقیقت یہ سورج کی حرارت اور قانون تنخیر ہے جو سمندروں کے پانی کو بادلوں کی صورت میں فضا میں پھیلا دیتا ہے، کرہ زمین کو سیراب کرتا ہے اور جانداروں کی حیات کو موت کے ہاتھوں محفوظ رکھتا ہے۔

زندہ جاندار کے لئے غذا کی ضرورت ہے اور سورج نباتات، حیوانات اور انسان کی غذا مہیا کرنے کا اہم ترین عامل ہے۔ پودے نورِ آفتاب کی وجہ سے زندہ ہیں۔ وہ خوراک حاصل کرتے ہیں اور اپنی نشوونما کرتے ہیں۔ یہ پودے سبزی خوار حیوانوں کی خوراک بنتے ہیں۔ سبزی خوار حیوان سورج کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں۔ چارہ کھا کر اپنے آپ کو موٹا تازہ بناتے ہیں اور یوں گوشت خوار حیوانوں کی خوراک کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ انسان جو کہ پودوں اور حیوانوں سے خوراک حاصل کرتا ہے وہ بیشتر سورج کی حرارت اور نباتات، حیوانات کی نشوونما کا محتاج ہے۔

دن رات کے بدلنے، سال کے موسموں میں تبدیلی سردیوں اور گرمیوں کے آنے سے نظام طبیعت میں جو مفید اور سود بخش تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ اسی سورج اور زمین کا اپنے مدار سے اس سے فاصلے کی مرہون منت ہیں۔ ان میں ہر تبدیلی کا خلقت کے حکیمانہ نظام میں نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کو جاری و ساری رکھنے کے خوراک، بہم پہنچانے اور ان کی سلامتی اور آسائش میں ایک قابل ملاحظہ کردار ہے۔

نباتاتی اور حیوانی حیات، آب و غذا، دن رات اور سرماء و گرما کے سلسلے میں مذکورہ چند موارد عالم طبیعت کے تکوینی قوانین اور اصولوں کا ایک گوشہ ہیں کہ جو اس وقت حکم الہی سے اس دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ لیکن آخرت میں ان میں سے کوئی قانون بھی اس دنیا کی طرح نہیں ہوگا۔

دنیاوی اور اخروی حیات میں فرق

آخرت میں حیات کا وجود ہے۔ البتہ وہ زندگی دنیا کی حیات سے کئی جہات سے متفاوت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کرۂ زمین کے معدنی اور طبیعی عناصر کا فقط محدود حصہ حیات کے دوام کے لئے کام آتا ہے۔ اور صرف چند روز نباتاتی یا حیوانی حیات کی نعمت سے استفادہ کیا جاتا ہے جب کہ زمینی مواد کا ایک بہت بڑا حصہ جمادات کی شکل میں اسی طرح باقی رہتا ہے لیکن آخرت کے کمال یافتہ عالم میں زندہ اور زندگی کے سوا کوئی اور چیز نہ ہوگی وہاں پر جو چیز ہوگی وہ حیات کی حامل ہوگی ان اشیاء میں سے بہشتی اور دوزخی انسان بھی ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آفتاب کے نور سے وابستہ ہے۔ لیکن جو کچھ آیات اور روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ بہشت اور دوزخ میں سورج ہی نہیں کہ حیات اس سے وابستہ ہو۔

بہشت کا دلپذیر نور

ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا:

هل في الجنة من ليل قال وما هي جك على هذا قال سمعت الله يذکر في الكتاب "ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا" (سورۃ ۱۹ - آیه ۵) فقلت الیل من البکرۃ والعشی فقال رسول الله صلی الله علیہ وآلہ: لیس هناك لیل واما هو ضوء و نور یرد الغدو علی الرواح والرواح علی الغدو وتاتیهم طرف الهدایا من الله لمواقیت الصلوات التي كانوا یصلون فیها فی الدنیا

وتسلم عليهم الملائكة. [۱]

کیا بہشت میں رات ہوگی؟ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے اس سوال کرنے کا انگیزہ اور محرک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید میں ذات اقدس الہی نے فرمایا ہے: ”بہشتیوں کا رزق صبح و شام ہوگا“ میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صبح و شام کے ساتھ تاریک رات بھی ہونی چاہیے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میں رات نہیں ہوگی۔ بلکہ بہشت کی فضا ہمیشہ روشن اور نورانی ہوگی۔ صبح کی خوبصورت روشنی غروب کی دلپذیر روشنی سے پیوستہ ہوگی اور اس کا غروب صبح کی روشنی سے وابستہ ہوگا۔ یعنی ان دو روشن فضاؤں میں نہ تو دن کی حرارت کا فاصلہ ہوگا اور نہ ہی رات کی تاریکی کا۔ اور ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایا اور نعمات اس موقع پر ملے گا جس وقت وہ دنیا میں فریضہ صبح اور فریضہ مغرب بجالایا کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بہشت کی فضائل اور نشاط بخش نور سے روشن اور منور ہوگی۔ خدا کے تحائف کو اٹھانے والے فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔

اس آیت میں صبح و شام کے ذکر کے متعلق تفسیر جلالین یوں کہتی ہے:

ای علی قدر ہما فی الدنیا ولیس فی الجنة نہار ولا لیل بل ضوء و نور ابدًا۔

اس سے مراد دنیا میں ان دو وقتوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ اگرچہ بہشت میں دن رات کا تصور نہیں ہے۔ بلکہ وہاں پردائی طور پر روشنی اور نور جلوہ فگن ہے۔ بحار الانوار میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ

لیس فی جنان الخلد ونیر انہا شمس ولا قمر۔ [۲]

کہ جاویدانی بہشت اور دوزخ میں سورج اور چاند نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یرون فیہا شمشا و زمہیریرا۔ [۳]

بعض مفسرین نے زمہیریر سے چاند مراد لیا ہے اور بعض نے موسم سرما اور آیت کا معنی یوں ہوگا کہ بہشتی افراد نہ سورج اور نہ ہی چاند کو دیکھیں گے یا یہ ہوگا کہ بہشتی نہ تو آفتاب کی گرمی سے رنج و تکلیف اٹھائیں گے اور نہ سردی سے پریشان

[۱] تفسیر در المنثور ج ۴، ص ۲۷۸

[۲] بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۲۷۳

[۳] سورہ الدھر۔ ۱۳

ہوں گے۔ تفسیر بیضاوی اس آیت کے ذیل میں کہتی ہیں۔

والمضئى هو اءها مضئى بذاته لا يحتاج الى شمس وقمر

یعنی بہشت کی ہوا طبعاً نورانی اور روشن ہے اسے سورج اور چاند کی روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

هواء الجنة سبج لا حروق [۱]

سبج کا لغوی معنی معتدل آب و ہوا ہے۔ ایسی آب و ہوا جو نہ سرد ہو اور نہ گرم ہو۔

بہشت کی معتدل آب و ہوا

حدیث کا ترجمہ: بہشت کی ہوا بین الطلوعین کی طرح روشن ہے البتہ نہ گرم ہے اور نہ سرد۔

تفسیر کشاف نے آیت کا یوں معنی کیا ہے:

والمعنى ان الجنة ضياء فلا يحتاج فيها الى الشمس والقمر۔

بہشت نور اور روشنی ہے وہاں پر سورج اور چاند کی ضرورت نہیں ہے۔

بہشت میں پانی موجود ہے اور قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے کہ ان کے مخلوق کے نیچے نہریں جاری ہیں لیکن جنتی پانی کا منشاء اور منبع سورج کی حرارت، سمندر کے پانی کا بخار میں تبدیل ہونا، بادلوں کی تشکیل برفباری ہونا اور بارش کا برسنا نہیں ہے۔ بہشت میں نہ تو سورج ہے نہ سمندر نہ بخارات میں تبدیل ہونا اور نہ ہی بادل ہیں۔ عالم آخرت کے حکیمانہ نظام میں پانی کا پیدا ہونا جدید قوانین اور سنسن کی بنیاد پر ہے جو کہ امر الہی سے اس عالم میں اجزاء ہوں گے جس کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں۔

بہشت کی نعمتیں

دوسرے جہان میں انواع و اقسام کی غذا اور میوے بہشتیوں کے پاس ہوں گے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی دنیا کے میوہ جات اور غذاؤں کی طرح آفتاب کے ذریعے پروان نہیں چڑھا ہوگا۔ بہشت جاوید میں بہار و خزاں، سرما اور گرماء، دن رات، سردیوں اور گرمیوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن دنیا کے تمام مختلف موسموں کے پھل بہشتیوں کو ہمہ وقت میسر ہوں

[۱] تفسیر کشاف، ج ۳ ص ۱۹۷

گے۔ اسی طرح موسموں کی تبدیلی اور دن رات کے بدلنے کے تمام فوائد اور سود بخش آثار جو دنیا کے لوگوں پر مرتب ہوں گے۔ بہشتی لوگ ان سب سے بہرہ مند ہوں گے۔

مختصر یہ ہے کہ قانون حیات اور چند دوسرے تکوینی قوانین اور سنن جو عالم طبیعت کے جانداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ سورج کی روشنی کے باعث تحقیق پذیر ہوتے ہیں لیکن بہشت اور دوزخ میں آفتاب تو نہیں ہے اس لئے وہاں پر مسئلہ حیات اور زندگی کے دیگر محافظ عوامل جدید تکوینی قوانین اور سنن کے ذریعے سے تحقیق پائیں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے عالم آخرت میں اجر اہوں گے۔

اعمال کا مجسم ہونا

عالم طبیعت یعنی موت سے پہلے کے جہان اور عالم ماوراء طبیعت یعنی موت کے بعد جہان میں ایک اور اہم فرق نظام تکوین کے پہلے سے تجسم و تمثیل اعمال کا مسئلہ ہے۔ قرآن کی آیات اور آئمہ معصومین کی روایات سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ صالح افراد کے نیک اعمال اور برے افراد کے برے اعمال عالم برزخ اور قیامت میں مجسم ہوں گے البتہ اس کی کیفیت ہم پر مجہول ہے اس طرح تمام انسان اپنے دنیا میں انجام دیئے گئے۔ چھوٹے بڑے اور برے اچھے اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور ان کا قریب سے مشاہدہ کریں گے اور یہ بذات خود موت کے بعد کی دنیا کے مشکل ترین اور پیچیدہ ترین امور میں سے ہے۔

عالم برزخ اور اعمال کا تمثیل

بعض آیات کی رو سے ہر انسان کے اعمال موت کے بعد کے لحاظ یعنی عالم برزخ کے ابتدائی مراحل میں مجسم ہیں اور صاحب عمل قبر کے اندر اپنی برزخی نگاہوں سے ان کو دیکھ لیتا ہے اور قیامت کے قیامت تک وہ ان کے ساتھ رہے گا۔ نیک افراد اپنے اعمال کا مشاہدہ کرنے سے مسرور اور خوش ہوں گے اور برے لوگ اپنے اعمال کو دیکھنے سے رنج و الم میں مبتلا ہوں گے۔ عالم آخرت جو کہ نکال اور ترقی کا مقام ہے، میں سب اشیاء اور ہر کوئی اپنے انتہائی رشد تک پہنچے گا اور اعمال کا مجسم ہونا بھی اس قاعدہ کلی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ نہ صرف بدن کے کام اور برے اور اچھے اعمال جن کو ہم ظاہراً انجام دیتے تھے، مجسم ہوں گے بلکہ ان کے اعمال کی روح یعنی ان کی اچھی اور بری نیتیں ان کے برے اعمال کی طرح مجسم ہوں گے۔

ہر خیال کو کند در دل وطن
روز محشر صورتی خواهد شدن

جو بھی خیال دل میں پیدا ہوتا ہے وہ محشر کے دن شکل و صورت اختیار کرے گا۔
امام صادق علیہ السلام ایک مفصل حدیث میں فرماتے ہیں:
جب باایمان شخص کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے وہ بہشت میں اپنی
جگہ دیکھ لیتا ہے۔

ويخرج من ذلك رجل لم تزعينه شيئا قط احسن منه فيقول يا عبد الله
ما رأيت شيئا قط احسن منك فيقول: انارأيك الحسن الذي كنت عليه
وعملك الصالح الذي كنت تعمله۔

عالم غیب کی طرف کھلنے والے دروازے سے ایک خوبصورت چہرے والا شخص خارج ہوگا۔ وہ ایمان دار شخص اس
سے پوچھے گا تو کون ہے کہ میں نے تجھ جیسا حسین نہیں دیکھا وہ جواب دے گا میں تیری اچھی نیت ہوں جس پر تم دنیا میں تھے
اور میں تیرا نیک عمل ہوں جسے تم نے دنیا میں انجام دیا۔
اسی روایت میں امام علیہ السلام نے فرمایا: جب کافر کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔ ایک دروازہ اس پر کھول دیا جاتا
ہے جس سے وہ اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتا ہے۔

ثم انه يخرج منه رجل اقبح من رأى قط قال: فيقول يا عبد الله من انت؟
ما رأيت شيئا اقبح منك فيقول انا عمك السع الذي كنت تعمله
ورأيك الخبيث۔^[۱]

پھر آگ کی طرف سے کھلے ہوئے دروازے سے ایک نہایت بدصورت شخص خارج ہوگا۔ امام علیہ السلام نے
فرمایا: کافر شخص اسے کہے گا کہ تم کون ہو میں نے تم سے زیادہ بدصورت شخص نہیں دیکھا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ میں تیرا
عمل ہوں جس کے تم دنیا میں مرتکب ہوئے اور تیری ناپاک اور خبیث نیت ہوں جو دنیا میں تمہارے دل میں تھی۔

تمثیل عمل اور نیت

روایات میں اچھے اور برے لوگوں کی نیت کی قیمت ان کے اعمال کے ساتھ ناپی گئی ہے اور ان دونوں میں ہر ایک
کی نیت اس کے عمل سے زیادہ اہم بیان کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

نية المؤمن من خيرا من عمله ونية الكافر شر من عمله وكل عامل يعمل

على نيته. [۱]

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہے اور ہر کوئی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

اس قسم کی روایات کی رو سے شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ نیک لوگوں کے لئے برزخ اور قیامت اچھی نیت کا مجسم ہونا ان کے نیک اعمال کے مجسم ہونے سے زیادہ مسرت بخش ہے اور برے افراد کے لئے غیب میں بدنیت کا مجسم ہونا ان کے برے اعمال سے زیادہ دردناک ہے۔

عمل اور صاحب عمل

روایات کی بناء پر جب قیامت کی گھڑی آن پہنچے گی خدا کے حکم سے لوگ زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں قدم رکھیں گے اس وقت ہر انسان کے اچھے یا برے اعمال جو برزخ میں مجسم ہوئے تھے ان کے ساتھ قبروں سے خارج ہوں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مفصل حدیث میں فرمایا ہے:

فاذا اخرجوا من قبورهم خرج مع كل انسان عمله الذي كان عمله في دار

الدنيا لان عمل كل انسان يعجبه في قبره. [۲]

جب لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ہر انسان کے اعمال جو اس کے دنیا میں انجام دیئے ہیں اس کے ساتھ خارج ہوں گے چونکہ ہر فرد کا عمل قبر میں اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔

اچھے اعمال کی زیبائی

آیات اور اخبار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایماندار افراد کے تمام اچھے اعمال اکٹھے اور ایک حسین و جمیل موجود کی صورت میں منظر میں ہوں گے اور وہ موجود صاحب عمل کے ہمراہ ہوگا۔ لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے

[۱] اصول کافی۔ جلد ۳ ص ۸۴

[۲] تفسیر برہان۔ ج ۳ ص ۸۷

کچھ نیک اعمال جداگانہ تشکل رکھتے ہوں گے۔ یہاں پر دو مقامات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الجنة قيعان وان غراسها سبحان الله وبحمده۔^[۱]

جنت ایک سرسبز زمین ہے جس میں ”سبحان اللہ و بھمدہ“ کے ذکر کا درخت ہمیشہ سے ہے۔

عمل اور صاحب عمل کا مکالمہ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ان المومن اذا خرج من قبره خرج معه مثال من قبره يقول له: ابشر
بالكرامة من الله والسرور فيقول له بشرك الله بخير... فلا يزال معه يؤمنه
مما يخاف ويبدشه بما يحب حتى يقف معه بين يدي الله عز وجل فاذا امر به
الى الجنة قال له المثال ابشر فان الله عز وجل قد امر بك الى الجنة. قال:
فيقول من انت رحمتك الله تبشرني من حين خرجت من قبري وانستني في
طريقي و خبرتني عن ربي قال: فيقول انا السرور الذي كنت تدخله وعلى
اخوانك في الدنيا خلقت منه لا بشرك واونس وحشتك.^[۲]

جب مومن قبر سے باہر نکلے گا تو ایک تمثیل بھی اس کے ساتھ خارج ہوگی اور وہ اسے کہے گی تمہارے
لئے الہی کرامت اور سرور و شادمانی کی بشارت ہے۔ وہ مومن انسان جو اب دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں
بھی خیر کی بشارت دے وہ تمہیں قیامت کی تمام منازل اس کے ساتھ رہے گی اور جس چیز سے خوف
کھاتا ہوگا یہ اسے احساس امن اور سکون دلائے گی۔ اور جس چیز کو وہ پسند کرتا ہوگا یہ اس کے لئے مژدہ
اور بشارت ہوگا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ مرد مومن دربار الہی میں پیش ہوگا۔
جب ذات اقدس الہی کی طرف سے اس کے متعلق بہشت کا حکم دیا جائے گا تو وہ تمثیل اسے کہے گی
تمہیں امر حق اور اہل بہشت ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے مزید فرمایا:

[۱] بحار الانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

[۲] کافی، ج ۲ ص ۱۹۱

یہاں پر وہ مرد مومن اس تمثیل سے پوچھے گا۔ خدا تم پر رحمت کرے تو کون ہے کہ جس نے قبر سے خارج ہونے پر مجھے بشارت دی۔ راستے میں میرا مونس تھی اور آخر کار امر الہی سے مجھے آگاہ کیا؟ تمثیل جواب دے گی: میں وہ خوشی اور سرور ہوں جو تم نے اپنے بھائیوں کے دلوں میں پیدا کیا تھا اور انہیں راضی و شاد کیا تھا۔ میں اس خوشی اور سرور سے بنائی گئی ہوں تاکہ تمہیں بشارت اور مزہ سناؤں اور وحشت کے مواقع پر تیری مونس رہوں۔

فلاسفہ اور متکلمین کا نظریہ

جوہر اور عرض کے بارے میں پہلے وقتوں سے فلاسفہ اور متکلمین نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی بنیاد پر تجسم عمل کا مسئلہ ایک ناممکن اور محال امر ہے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ ایسی ماہیت جو خارج میں جداگانہ اور موضوع محل کے بغیر وجود رکھتی ہو جو ہر کہلاتی ہے۔ لیکن عرض ایسا موجود ہے جو وابستہ اور غیر اصیل ہے اور خارج میں موضوع کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اعمال بشر خواہ وہ شرعی ہوں یا غیر شرعی سب اعراض ہیں اور انسان کے وجود سے قائم ہیں پس جداگانہ تجسم اور تشکل کے قابل نہیں ہیں اور موضوع سے ہٹ کر تحقق نہیں پاتے۔

جوہر اور عرض کی بحث

مثلاً دربار الہی میں رکوع عبادات میں سے ایک ہے اور چوری ایک گناہ ہے۔ جو کوئی رکوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تعظیم اور خضوع کی خاطر اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ بدن کو خم کرتا ہے اور سر کو جھکاتا ہے۔ اس نے اس عمل کے ذریعے خدا کی بندگی کی ہے۔ جو چیز خارج میں جداگانہ وجود رکھتی ہے وہ بدن ہے لیکن رکوع اور سر جھکانے اور بدن خم کرنے کی کیفیت اسی طرح تمام رکوع اور اس کی کمیت ایک عرضی اور جسم کے ذریعہ قائم امر ہے جیسے ہی رکوع کرنے والا بدن کی حالت کو تبدیل کرتا ہے اور دوسری شکل اختیار کرتا ہے رکوع کلی طور پر معدوم ہو جاتا ہے کیا یہ عرضی اور ناپائیداری کیفیت اور کمیت جداگانہ طور پر بدن کے بغیر خارج میں مجسم ہو سکتی ہے اور رکوع کرنے والا اسے جداگانہ موجود کی صورت میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔

جو کوئی چوری کرنے کے لئے جوہری کی دکان پر جاتا ہے۔ جب وہ دوکاندار کو غافل پاتا ہے تو اپنے ہاتھ کو چوری کے لئے آگے بڑھاتا ہے اور وہ چنگل بنا کر قیمتی انگوٹھیوں کا ڈبہ اٹھالیتا ہے۔ وہ اپنے عمل سے چوری کے گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو چیز خارج میں موجود ہے وہ چور کے ہاتھ اور اس کی انگلیاں ہیں۔ لیکن ہاتھ کا بڑھانا اور انگلیوں کا حرکت کرنا جس سے

اس نے ڈبہ اٹھایا ایک عرضی اور جو ہر بدن کے ذریعے سے قائم امر ہے کیا یہ عارضی اعمال جداگانہ طور پر چور کے ہاتھ اور انگلیوں کے بغیر خارج میں مجسم ہو سکتے ہیں اور تحقیق پاسکتے ہیں؟ فلاسفہ اور متکلمین کے نظریے جو ہر و عرض کی بنیاد پر ان دونوں سوالوں کا جواب فلسفیانہ ہے۔ اور اعراض و محل کے بغیر موجود نہیں ہوتیں [۱]۔ اور ناقابل تحقیق اور تجسم ہوتی ہیں۔ لہذا اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے بہت سے علما اور مفسرین نے آیات قرآن اور روایات کے ظواہر کو نظر انداز کیا ہے اور تجسم اور تشکل کے عمل کی ایک طرح سے تاویل اور توجیہ کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

آیات اور اخبار کی تاویل

یوم تجدد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان

بینہا و بینہ امدابعدا۔ [۲]

قیامت میں ہر انسان دنیا میں انجام دیئے جانے والے اپنے تمام اچھے اعمال کو حاضر اور مشہور پائے گا اور اسی طرح وہ اپنے مجسم ہونے والے برے اعمال سے بہت زیادہ دوری اور فاصلہ چاہے گا۔

نفسہا یا بند در روز نشور
آنچہ کردند از نکوئی در حضور

روز محشر ہر انسان اپنے کئے گئے نیک اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

بچنیں اعمال بد کان ظاہر است
پیش چشم اور یکا یک حاضر است

اسی طرح برے اعمال بھی اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم سے آ موجود ہوں گے۔

دوست دارد بین او و اعمال بد
فرق باشد تانیاید در عدد

اس کی شدید خواہش ہوگی کہ اس کے برے اعمال کے درمیان فاصلہ ہوتا کہ وہ گنتی میں نہ آئیں۔

[۱] اس کی مثال یوں دے سکتے ہیں: ہم کہتے ہیں اس پھول کا رنگ گلابی ہے۔ یہ گلابی رنگ پھول کے لئے ”عرض“ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کہ پھول اس

”عرض“ کا موضوع اور محل ہے۔ کسی موضوع اور محل کے بغیر رنگ کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہذا رنگ اس مثال میں ”عرض“ ہے۔ (مترجم)

[۲] اس کی مثال یوں دے سکتے ہیں: ہم کہتے ہیں اس پھول کا رنگ گلابی ہے یہ گلابی رنگ پھول کیلئے ”عرض“ کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ پھول اس ”عرض“

کا موضوع اور محل ہے کسی موضوع اور محل کے بغیر رنگ کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہذا رنگ اس مثال میں ”عرض“ ہے۔ (مترجم)

آن عملہا جملہ باشد پیش رو
 ے نماید بعد آزا آرزو

وہ تمام عمل اس کے سامنے ہوں جن کی اسے آرزو ہوگی۔

عظیم مفسر شیخ طبرسی رضوان اللہ علیہ اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد اس سے ملتی جلتی دو اور روایتوں کا ذکر کرتے ہیں

اور پھر کہتے ہیں:

اعمال کے دیکھنے کے بارے میں

قیامت میں انسان کے عمل کے حاضر ہونے کی کیفیت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر انسان اپنا اچھا اور برا نامہ اعمال دیکھ لے گا یہ قول ابو مسلم کا ہے۔ البتہ اور لوگوں سے بھی یہی بات نقل ہوئی ہے۔ قاضی نے اسے قبول کیا ہے اور خود بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض کا نظریہ ہے کہ قیامت میں حضور عمل سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اچھے یا برے عمل کی جزا کا مشاہدہ کرے گا۔ لیکن لوگوں نے جو اعمال دیئے ہیں چونکہ وہ خود اعراض تھے اس لئے باطل ہو گئے اور ان کی بازگشت ناممکن ہے اس بناء پر ہر آدمی کے وہ اچھے یا برے اعمال جو نابود ہو چکے ہیں ان کا قیامت میں حاضر ہونا اور صاحب عمل کا ان کا مشاہدہ کرنا محال ہے۔

تجسم اعمال کے مسئلے میں عظیم عالم ربانی شیخ بہائی اعلی اللہ مقامہ کے نظریئے کو علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں نقل کیا ہے۔ شیخ بہائی نے فرمایا ہے۔

تجسم الاعمال فی النشأة الاخریہ قدورد فی احادیث متکثرة عن طرق

المخالف والمؤلف [۱]

عالم آخرت میں تجسم اعمال کے متعلق عامہ اور خاصہ کے ذریعے سے بہت زیادہ روایات پہنچی ہیں۔ اس کے بعد قیس بن عاصم کی حدیث جو اس نے رسول اللہ سے روایت کی ہے۔ اسے انہوں نے تفصیل سے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اکرم نے قیس سے فرمایا:

پیغمبر اکرم کا قیس کو موعظ

اے قیس، مجبوراً ایک دوست اور ساتھی تمہارے ہمراہ دفن ہوگا اور تو مردہ ہوگا جب کہ وہ زندہ ہوگا اگر وہ ساتھی

کرامت اور بزرگواری کا حامل ہوگا تو تمہیں بھی عزت دے گا۔ اگر وہ گھٹیا اور پست ہوگا تو تمہیں بھی برا کر دے گا۔ بہر حال وہ تمہارے علاوہ کسی کے ساتھ محشور نہیں ہوگا اور تم اس کے بغیر محشور نہیں ہو گے۔ تم سے جو بھی سوالات کئے جائیں گے وہ صرف اس کے بارے میں ہوں گے۔ پس ایسے ساتھ کے لئے کسی صالح کو منتخب کر۔ کیونکہ اگر وہ صالح ہوگا تو تم اس سے مانوس ہو جاؤ گے اور اگر وہ فاسد ہوگا تو تمہیں اس سے سوائے وحشت و پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور وہ ساتھی اور ہم نشین تمہارا عمل ہے۔

قال: بعض اصحاب القلوب ان الحيات والعقارب بل والنيران التي تظهر

في القيامة هي بعينها الاعمال القبيحة والاخلاق الذميمة والعقائد

الباطلة التي ظهرت في هذه النشأة بهذه الصورة۔

پھر شیخ بہائی سے بعض اہل دل نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے: قیامت میں سانپ اور بچھو بلکہ آگ یہ سب بعینہ انسان کے برے اعمال مذموم عادات اور باطل عقائد ہوں گے جو کہ آخرت میں ان صورتوں میں ظاہر ہوں گے۔

ایں سخنہای چو مارو کثر دمت
ماد کثر دم گردد وگردد دمت

یہ جو تیری باتیں سانپ اور بچھو کی طرح ڈسنے والی ہیں قیامت کو حقیقی سانپ اور بچھو بن جائیں گی اور تیری دم کو پکڑیں گی۔

اچھائیوں اور بدیوں کا تمثیل

اسی طرح حور و غلمان اور بہشتی نعمتیں ہمارے اخلاق اچھے کام اور درست اعتقادات کا حصہ ہیں۔ جو آخرت میں ان شکلوں میں ظاہر ہوں گے کیونکہ ایک ہی حقیقت مختلف جہانوں میں مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے اور ہر عالم میں اسی عالم کا لباس زیب تن کر لیتی ہے۔

روز محشر ہر عرض را صورت تمیست
صورت ہر یک عرض را نوبتی است

محشر کے دن ہر عرض کی ایک صورت ہوگی اور ہر عرض کی یہ صورت اس کی باری پر ہوگی۔

این عرضہا نقل شد لون دگر
حشر ہر فانی بود کون وگر

یہ اعراض دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گی اور ہر فانی کا حشر ایک اور صورت میں ہوگا۔

گر بنودی ہر عرض را نقل و حشر
فعل بووی باطل و اقوال قشر
اگر ہر عرض تبدیل نہ ہوتی اور اس کا حشر نہ ہوتا تو تمام افعال اور اقوال باطل اور فضول نظر آئے۔

ہست این عالم جہان امتحان
عالم ثانی جز ای ایس و آن
یہ جہان تو جائے امتحان ہے
دوسرا جہان اس کی جزا ہے

شیخ بہائی مرحوم نے تجسم اعمال کے موضوع پر آیات اور روایات سے شواہد کے ساتھ اپنی بات کو مکمل کیا ہے۔ علامہ مجلسی شیخ بہائی کے تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

اقول: القول باستحالة انقلاب الجوهر عرضاً والعرض جوهرأ في تلك
النشأة مع القول بإمكانها في النشأة الأخرى قریب من السفلسه اذا النشأة
الأخرى ليست الامثل تلك النشأة وتخلل الموت والاحیاء بينهما لا یصلح
ان یصیر منشأ لا مثال ذلك. [۱]

جوہر کا عرض میں اور عرض کا جوہر میں منقلب ہونے کو اس دنیا میں محال سمجھنا اور عالم آخرت میں اس کو ممکن سمجھنا ایک طرح کا سفسطہ اور وہم سے آمیختہ قیاس ہے۔ وہ اس لئے کہ عالم آخرت عالم دنیا کی مانند ہے اور ان دو جہانوں میں زندہ ہونے اور مرنے کا فرق اس قسم کی تبدیلیوں اور دیگر گونیوں کا باعث نہیں بن سکتا۔ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

واما الایات والاخبار فہی غیر صریحة فی ذلك اذ یمکن حملها علی ان اللہ
تعالیٰ یخلق ہذہ بازاء تلك اوہی جزاؤھا. [۲]

آیات اور روایات میں تجسم اعمال کے سلسلے کی کیونکہ صراحت نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ ان کا یہ معنی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں لوگوں کے دنیا میں انجام دیئے جانے والے ہر عمل

[۱] بحار الانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

[۲] بحار الانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

کے بدلے اسی طرح کی کوئی چیز خلق فرمائے یا وہ خلق کی گئی صورت اس عمل کی جزاء قرار پائے۔

فلاسفہ کا محدثین پر اثر

اکثر مفسرین، محدثین اور بزرگ علما جن میں عالی قدر محدث علامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے جوہر اور عرض کے موضوع پر نظریات سے متاثر ہوئے ہیں اور اس کو انہوں نے ایک ناقابل تردید عقلی مسئلہ جانا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر آخرت میں تجسم اعمال کو ناممکن خیال کیا ہے۔ آیات قرآن جن میں کہا گیا ہے کہ ”لوگ قیامت میں اپنے اعمال کو حاضر اور مشہود پائیں گے۔“ کی انہوں نے تاویل کی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نامہ اعمال کا حضور ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد اعمال کی جزاء دیکھنا ہے۔ مجلسی مرحوم نے کہا ہے ممکن ہے ان آیات و روایات کو اس پر محمول کیا جائے کہ خداوند متعال ہر عمل کے بدلے اس جیسی کوئی اور چیز خلق فرمائے گا۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا علامہ مجلسی نظریہ جو ہر وعرض کی اساس پر شیخ بہائی کے مطلب اور ان افراد کی بات کو جو عالم آخرت میں نیک اور برے اعمال کے تجسم کے قائل ہیں کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی طرح ہیں اور ان دونوں میں مرنے اور زندہ ہونے کا فرق غرض کے جوہر میں تبدیل ہونے کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

اس سے پہلے کہ جوہر اور عرض کے مسئلہ میں فلاسفہ اور متکلمین کے نظریے کو سائنس کی روشنی میں زیر بحث لایا جائے۔ ضروری ہے کہ یہ مطلب واضح کیا جائے کہ واقعاً عالم آخرت عالم دنیا کی طرح ہے؟ کیا آخرت اور دنیا میں صرف یہی فرق ہے کہ انسان کا مرنا اور زندہ ہونا واقع ہوتا ہے؟ کیا کتاب و سنت میں عالم آخرت اور عالم دنیا میں مساوی اور یکساں توصیف کیا گیا ہے؟

دنیا اور آخرت کا فرق

قرآن شریف اور احادیث اس حقیقت کو اچھے طریقے سے روشن کرتی ہیں کہ آخرت کا جہان تکوینی قوانین اور سنن کے لحاظ سے اسی طرح اوضاع و احوال جو کہ اللہ کی قضا سے اس عالم میں برقرار ہوں گے دنیا کے تکوینی اصولوں اور اس کے اوضاع و احوال سے بہت زیادہ بنیادی اور اساسی فرق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور کچھ کا بعد میں ذکر ہوگا۔ یہاں پر فہرست کے طور پر چند موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس جہان میں بشر ماں کے شکم سے خارج ہوتا ہے اور دنیا کی زندگی کو شروع کرتا ہے۔ جب کہ اس جہان میں بشر زمین کے شکم سے باہر آئے گا اور اپنی اخروی حیات کا آغاز کرے گا۔

۲۔ اس دنیا میں تمام زمانوں میں انسان تدریجاً پیدا ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے جب کہ آخرت میں لوگوں کا زندہ ہونا ایک دم سے اور اولین اور آخرین مخلوق کو اکٹھا اٹھایا جائے گا۔

۳۔ اس دنیا میں انسان کا بچپن، جوانی، ادھیڑ پن اور بڑھاپہ ہے اور آخرت میں بچپن ہے نہ بڑھاپا۔

عارضی دنیا اور جاویدانی آخرت

۴۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ زندگی کے دن پورے ہونے کے ساتھ ہی موت پہنچ جاتی ہے اور زندگی کا دفتر بند ہو جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں موت ہی نہیں ہے۔ زندگی جاوید ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

۵۔ اس دنیا میں زمین، جہاد ہے اور انسان جو اعمال اس پر انجام دیتے ہیں اس پر کچھ نہیں کہتی۔ جب کہ آخرت میں وہ بدل جائے گی اور ذات باری تعالیٰ کی تکوینی وحی سے لوگوں نے جو شرعی اور غیر شرعی اعمال اس پر انجام دیئے گئے ہوں گے ان سب کو بتائے گی۔

۶۔ اس جہان میں جسم کے اعضاء میں سے فقط زبان بولتی ہے۔ اور دیگر اعضاء نہیں بول سکتے لیکن آخرت میں قرآن پاک صراحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ ہاتھ، پاؤں حتیٰ انسان کے بدن کا پوست بھی بولے گا اور شہادت دے گا۔

رازوں کا آشکار ہونا

۷۔ اس عالم میں لوگوں کے باطنی راز پوشیدہ ہیں اور افراد ایک دوسرے کی نیتوں سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں تمام رازوں سے پردہ ہٹ جائے گا۔ تمام افکار اور سوچیں قیامت کے میدان میں آشکار ہو جائیں گے لوگوں کی کتاب روح دوسروں کے سامنے کھل جائے گی۔

ان جیسی تفاوتوں کے باوجود کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نشاۃ دنیا اور نشاۃ آخرت دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں اور صرف مرنا اور زندہ ہونا ان دونوں کو آپس میں جدا کرتا ہے؟

صدر المتاہلین کی گفتگو

بلند پایہ حکیم و فیلسوف صدر المتاہلین شیرازی نے تجسم اعمال کے مسئلے کی یوں تفسیر کی ہے کہ قیامت میں لوگوں کے حشر کی کیفیت ان کے نفسانی ملکات اور اندرونی خلقیات کے مطابق ہوگی۔ اور وہ بطور مثال غصے کی ہیجانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

انسان میں شدید غصے کی حالت گردش خون میں تیزی، چہرے کی سرخی، جسم کی حرارت اور مواد بدن کے جلنے کا موجب بنتی ہے۔ غصہ نفس کی صفات میں سے ہے اور اس کا مرکز روح اور ملکوت انسان ہے لیکن حرکت، حرارت اور جلنا جسم

کی صفات ہیں جب اس دنیا میں یہ جسمانی عوارض ان نفسانی صفات سے وجود میں آسکتے ہیں تو اس بات کے کہنے میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اس مذموم، گناہ کی آلودگی کا باعث، مار پیٹ اور انسانی قتل جیسے مظالم کے عواقب رکھنے والی غصے کی صفت عالم آخرت میں دوزخ کی آگ میں مجسم ہو کر اپنے صاحب کے دل میں گھس کر اسے جلانے کی دوسرے اخلاقِ رذیلہ اور بری عادات بھی عالم آخرت میں اسی ناپسندیدہ غصے کی صفت کی طرح ہیں اور انہوں نے اپنی گفتگو کے ضمن میں شاہد کے طور پر جلال الدین رومی کے شعر کو نقل کیا ہے:

ای دیدہ پوستین یوسفال

گرگ بر خیزی از این خواب گران

اے یوسفوں کو پھاڑنے والے بھیڑیے اس گہری نیند سے جاگ

گشتہ گرگان یک یک خوابی تو

مید را نند از غضب اعضای تو

تیری عادتیں ایک ایک کر کے بھیڑیا کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور غصے میں تیرے اعضاء کو چیر پھاڑ رہی ہیں۔ اسی طرح مدکاتِ حمیدہ اخلاقِ حسنہ اور عقائدِ حقہ جو اخلاقی برائیوں اور باطل عقاید کے مد مقابل ہیں قیامت میں طرح طرح کی بہشتی نعمتوں کی صورت میں مجسم ہو جائیں گے اور اپنے صاحبان کو ان سے بہرہ مند کریں گے۔

ایک سوال

پھر اخلاقِ رذیلہ کے تجسم کے سلسلے میں اس سوال کو پیش کرتے ہیں کہ جب آخرت میں برے اور ناپسندیدہ اخلاق آگ اور گزندہ کی صورت میں اختیار کر لیں گے تو اس کا عذاب اور تکلیف اس کے صاحب تک کس طرح پہنچے گی اور کون سی چیز گناہگاروں کو اس آگ اور گزندگان سے مربوط کرے گی؟

جواب

جواب میں کہتے ہیں کہ اس جہان میں اگر کوئی اپنے دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اس کو اذیت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اولاً اور بالذات اپنے آپ کو آزار پہنچائے گا۔ ثانیاً اور بالفرض اپنے دشمن کو آزار و اذیت پہنچائے گا۔ کیونکہ انتقام کی آگ اور غصے کی حالت میں اندرونی تلاطم، حالتِ غیظ میں شدت، اعصاب کی تحریک، خون کے زہریلے ہونے، اندرونی نظامی میں خرابی، احساسِ خستگی، کوفت اور آسائش و آرام کے ختم ہونے کا سبب بنتی ہے اور یہ خود بہت بڑا عذاب اور بہت زیادہ

نقصان ہے جو خشکسالی انسان کے اندر ہوتا ہے پہلے تو یہ ذاتاً اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے پھر ان تمام مصیبتوں کے اٹھانے کے بعد اگر دشمن اس کے قابو میں آجائے تو وہ اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکتا ہے اور وہ یوں اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کی تلافی کر سکتا ہے۔ انتقام میں کامیابی کے بعد وہ اپنے دشمن کو ثنائاً اور بالفرض عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ دشمن پر کامیابی نہ پاسکے اور انتقام نہ لے سکے تو اس نے فقط اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے اور خود کو بلا و مصیبت میں مبتلا کیا ہے نہ کہ کسی دوسرے کو۔ لیکن عالم آخرت میں برے اخلاق جو کہ آگ اور گزندگان کی صورت میں مجسم ہوں گے۔ فقط اپنے صاحبان کو عذاب دیں گے اور دوسروں کو کوئی عذر نہیں پہنچائیں گے۔ اس بارے میں وہ یوں کہتے ہیں:

فاذا تحقق بذلك واتضح لديك كيفية تجسم الاعمال علمت ان الاخلاق
الذميمة اذا تمثلت وتصورت بصورة كريمة مناسبة لها في الاخرة
كالحيات والعقارب فانما يجب ان يصل ايلامها واذاها بالانسان الذي
هو صاحب تلك الاخلاق دون غيره لا بالذات والا بالعرض فان العلاقة
الوضعية التي بها يتحقق التأثير والتاثر من الماديات بالعرض في هذا
العالم مرتفعة في عالم آخر "فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون".
سورة ۳۲ آية ۱۰۱۔ کذا الاخلاق المحسنة اذا تمثلت وتصورت اشخاصها
كريمة بهية مناسبة لها فانما تصل لذاتها ويعبها بالانسان الموصوف
بها بغيره كما بينا۔ [۱]

مذکورہ بحث سے تجسم اعمال کی کیفیت آپ کے لئے واضح ہوگئی۔ اب آپ جانتے ہیں کہ جب آخرت میں برے اخلاق و عادات ایسے قبیح اور ڈنگ مارنے والے جو ان کے اعمال سے مناسبت رکھتے ہوں گے مثلاً سانپ اور بچھوؤں کی شکل میں ظاہر ہوں گے تو اس وقت ان کی آزار و اذیت فقط ان مذموم اخلاق کے حامل انسان کو پہنچنی چاہیے۔ اور اس کے علاوہ کسی اور کو یہ عذاب دامن گیر نہیں ہوگا نہ بالذات اور نہ بالفرض کیونکہ اعتباری رشتے اور اجتماعی روابط اس دنیا میں تاثیر و تاثر کے معیار ہیں آخرت میں یہ ختم ہو جائیں گے۔ وہاں پر نسبی اور اجتماعی روابط کارفرمانہ نہیں ہیں پھر قرآن شریف کی

ایک آیت کو وہ تائید مطلب کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح جب اخلاق حسنہ کریم اور پر شکوہ صورتوں میں جو انہی اخلاق سے مناسبت رکھتی ہوں گی، مجسم ہوں گے تو ان صفات کی لذتیں اور نعمتیں بھی اسی انسان کی طرف عود کریں گی نہ کسی اور کے پاس جائیں گی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

تجسم اخلاق

قارئین ملاحظہ کریں کہ صدر المتاہلین تجسم اعمال کے مسئلے کی نفی نہیں کرتے تاہم اس کو صرف اخلاقی ملکات اور عقائد و نیات جو کہ روح کے اعمال ہیں، پر جاری کرتے ہیں اور اعضاء و جوارح کے گناہوں جو کہ جوہر و عرض کی بحث میں شامل ہیں کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ البتہ نیت اور اخلاقی ملکات کا مجسم ہونا تجسم اعمال کا ہی حصہ ہے۔ کتاب کی دوسری فصل میں کی جانے والی وضاحت کے مطابق قیامت میں لوگوں کا حشر ان کی نیتوں اور روحانی ملکات کے مطابق ہوگا۔ اس لحاظ سے برے اخلاق کے حامل افراد ان حیوانات کی شکلوں میں اٹھیں گے جو ان مذموم اخلاق کے نمونہ ہیں۔ لیکن آیات اور روایات میں برے اور اچھے اعمال کا تجسم وسیع معنوں میں لیا گیا ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان چاہے وہ جس شکل و صورت میں محسور ہوا ہو اپنے اچھے اور برے اعمال کو اس کیفیت کے ساتھ جو ہمارے لئے مجہول ہے اپنے ساتھ حاضر اور مشہور پائے گا حتیٰ کہ بعض روایات میں عمل اور صاحب عمل کے درمیان مکالمے کا ذکر بھی آیا ہے۔

آج کا علم اور تجسم عمل

آج کے دور میں طبعی سائنسی علوم میں وسعت اور ترقی کی وجہ سے لوگوں کے اچھے اور برے اعمال جو کہ تجسم اعمال کا موضوع ہیں، کے بارے میں جوہر و عرض کی بحث منفی ہو چکی ہے۔ اور اس کی جگہ مادے اور انرجی نے لے لی ہے۔ اور اب تجسم اعمال کے مسئلے کی اس نظر سے تحقیق کی جاسکتی ہے اور اعراض کے ناپائیدار اور تبعی وجود سے نجات مل سکتی ہے جو فلسفی اور کلامی کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس دور کے سائنس دان لوگوں کی گفتار اور رفتار کو امور واقعی کا ایک سلسلہ سمجھتے ہیں اور ان کے لئے ایک اصلی اور جداگانہ وجود کے قائل ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے نظریہ کے مطابق جو اہر اور اعراض کے مصادیق کو اعتباری کمیتوں اور کیفیتوں مثلاً اشیاء کے وزن اور مساحت یا انتزاعی خوبصورتی اور بدصورتی میں تلاش کرنا چاہیے نہ کہ انسانوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں میں۔

مذکورہ مطلب کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ فلاسفہ اور متکلمین کے اقوال کے مطابق لوگوں کی عبادات مثلاً قیام و قعود، رکوع و سجدہ، تلاوت و ذکر اور دیگر اعمال کہ جنہیں بجالانے کا شارع نے مکلف افراد کو حکم دیا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے

گناہ مثلاً غیبت و تہمت گالی گلوچ چوری فراڈ اور دوسرے کام جن سے شارع نے منع کیا ہے۔ یہ سب اعراض میں اور اعراض کا جدا گانہ وجود نہیں ہے بلکہ ان کا وجود اپنے موضوع اور محل یعنی انسان کے اعضاء و جوارح کے ذریعے سے قائم ہے۔ لہذا جس چیز کا وجود تہجی ہے اور غیر سے قائم ہے تو وہ چیز غیر کے جانے سے چلی جاتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے وہ قیامت میں اصلی وجود نہیں بن سکتی اور نہ ہی ایک جدا گانہ موجود کی صورت میں اپنے صاحب عمل کے سامنے مجسم ہو سکتی ہے۔

لیکن آج کے فزکس دانوں نے حسی اور تجربی علم کے مطابق اس جہان کو مادہ اور توانائی کا مجموعہ سمجھتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ مادہ توانائی ہی کی ایک جامد شکل ہے اور یہ دونوں حقیقی اور جدا گانہ وجود ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ نظام طبیعت میں یہ دونوں ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں یعنی مادہ توانائی کی اور توانائی مادہ کے شکل اختیار کر سکتی ہے۔

مادے اور انرجی کا رابطہ

کتاب۔ چہ میدانم، زندگی و مرگ ستارگان کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے:

”۱۹۰۵ عیسوی میں آئن سٹائن نے نسبیت کے مفروضے کو پیش کیا اور ساتھ ہی توانائی اور مادے کے درمیان رابطے کو بیان کیا جو اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا اور متمایز خیال کئے جاتے تھے اس نے یہ ثابت کیا کہ مادہ اور انرجی ایک دوسرے سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔“

آر اسٹالبرگ اور ایف ایف ہیل کی فزکس کے صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے:

”تبدیلی کے وقت ممکن ہے کہ مادہ لائٹ انرجی یا HEAT ENERGY یا LIGHT ENERGY میں بدل جائے اور کوئی چیز ضائع بھی نہ ہو۔ یا دوبارہ کسی نقصان کے بغیر لائٹ انرجی مادہ کی شکل اختیار کر لے۔ پس بقاء انرجی کا قانون درحقیقت بقاء مادہ اور انرجی کا قانون کہلائے گا۔ انرجی اور مادہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو سکتے ہیں لیکن کل انرجی غیر متبدل رہے۔“

اسی طرح سائنسی حوالے سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ متفاوت شکلوں میں موجود مختلف توانائیاں ہیں۔ مثلاً برقی، حرارتی، کیمیائی، ثقلی، شمسی اور ایٹمی وغیرہ ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہیں اور مختلف کام انجام دے سکتی ہیں۔

اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ توانائی (انرجی) ان تمام تبدیلیوں اور تغیرات میں ہمیشہ پائیدار اور باقی CONSTANT رہتی ہے اور مادے کے توانائی کے مادہ میں بدلنے سے اسی طرح انرجی میں وقوع پذیر ہونے والی مختلف صورتوں میں نہ صرف انرجی ختم نہیں ہوتی بلکہ کسی کمی کا شکار بھی نہیں ہوتی اور اسی طرح عالم طبیعت کی وسعت میں

برقرار رہتی ہے۔

بریٹانیکا انسائیکلو پیڈیا کی جلد ۶ ص ۸۹۴

(ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA MACV BVOLP - 1974 - P 894)

پر درج ہے کہ:

بقاء توانائی کا قانون

بقاء توانائی کا مفہوم ایک ایسا بنیادی قانون ہے جو تمام طبیعی مظاہر میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ طبیعت میں وقوع پذیر ہونے والی تمام ترتیبیوں میں کل توانائی تبدیل نہیں ہوتی۔ توانائی کی بقاء طبیعت کے مختلف حاصلوں کی توصیف نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ جس کمیت کو توانائی کہا جاتا ہے وہ اس کے جانچ پرکھ کے زمانے یا اس کے دوران میں حاصل ہونے والے امور کی طرف توجہ کئے بغیر ثابت رہتی ہے توانائی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں یا بقاء توانائی کے قانون کی قید کے ساتھ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ برقی کیمیائی، حرارتی، حرکی، ثقلی، شمسی، ایٹمی اور مادی توانائی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان کے عام استعمال اور مختلف صورتوں میں کامل قانون بقاء توانائی نے ان کو اتنا پرکشش اور سود مند بنا دیا ہے۔“

کتاب مادہ و توانائی کے صفحہ ۴۹ پر یوں لکھا ہے:

”توانائیاں ایک قسم سے دوسری قسم میں بلاشک و شبہ تبدیل ہوتی ہیں وہ توانائی جو آبشار کے پانی گرنے سے پیدا ہوتی ہے وہ ڈائنامو کو چلا سکتی ہے اور ڈائنامو حرکی توانائی کو برقی توانائی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ برق اگر بلب میں آ جائے تو روشنی دیتی ہے اور روشنی کی توانائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اگر استری میں آ جائے تو گرمائش دیتی ہے اسی برق کو ایک گاڑی کی بیٹری میں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے ضرورت کے وقت اس کی موٹر کو متحرک کرنے یا لائٹیں جلانے کا کام لیا جاسکتا ہے۔“

مادے کی ایٹمی توانائی میں تبدیل ہونے کی بہترین اور واضح ترین مثال سورج کی حرارتی اور شمسی توانائی ہے۔ کہا گیا ہے کہ سورج ہر منٹ میں ۲۵۰ ملین ٹن مادے کو انرجی میں تبدیل کرتا ہے اور کائنات کی بیکراں فضا میں منتشر کرتا ہے۔ اس کا کچھ حصہ زمین تک پہنچتا ہے جو سرمایہ حیات اور کرہ ارض کی مختلف کارکردگیوں کا موجب ہے۔

ہمارے جسمانی نظام کے اندر جو طبیعی عمل اور رد عمل اور ان کے اثرات ہوتے ہیں اسی طرح جسم میں شکست درجت کے عمل سے جو خلقت کے پروگرام کے مطابق ہوتے رہتے ہیں، زندگی کو جاری رکھنے کے لئے مختلف ضروری

توانائیاں تولید ہوتی رہتی ہیں جس کے نتیجے میں حیاتی اعمال اور دوسرے ارادی اور غیر ارادی افعال انجام پاتے رہتے ہیں۔ انسان ایک ضعیف موجود ہے جو ہمیشہ محمول پذیر امور کے بدل کا محتاج ہے۔ اپنی زندگی کے دوران جس مواد کو کھو دیتا ہے۔ اسے باہر سے ہوا اور خوراک اور پانی کے ذریعے پورا کرنے کی اسے ضرورت ہے تاکہ وہ نئی توانائیوں کو پیدا کر سکے اور اپنے مختلف امور کو جاری رکھ سکے۔ البتہ جس قدر آدمی کی فعالیت میں کمی اور کیفی لحاظ سے اضافہ ہوگا اسی نسبت سے توانائی بھی زیادہ صرف ہوگی مثلاً اگر کوئی سردی کے موسم میں کھلی فضا میں بیٹھ کر ٹھنڈی ہوا سے سانس لے رہا ہے اور اس کو گرم حالت میں خارج کر رہا ہے اس موقع پر استعمال ہونے والی حرارتی توانائی کی مقدار سانس لی گئی ہوا کے گرم کرنے کے برابر ہے۔ لیکن اگر سانس لینے کے علاوہ وہ ورزش کر رہا ہو، یا کسی مقابلے میں شرکت کر رہا ہو، یا بلند آواز سے تقریر میں مشغول ہو یا اس نے کوئی بہت بڑا بوجھ اٹھا رکھا ہو۔ اور اس کو چند سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر لے گیا ہو۔ تو کام کی زیادتی کی صورت میں جتنا توانائی زیادہ مصرف ہوگی۔

فلاسفہ اور فزکس دانوں کا نظریہ

فلاسفہ اور متکلمین افعال انسان کے جداگانہ اور اصلی وجود کے قائل نہ تھے بلکہ ان کو اعراض سمجھتے تھے، یعنی فانی اور جو ہر بدن سے قائم۔ یہ مطلب سائنسی اور عقلی لحاظ سے اس قدر صحیح سمجھا گیا اور مقبول ہوا کہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے قیامت میں تجسم اعمال کے مسئلے کو غیر ممکن کا درجہ دے دیا: انہوں نے کہا: تجسم عمل کا لازمہ عرض کا جو ہر میں بدلنا ہے۔ اور یہ بات عقلی طور پر ممتنع اور محال ہے اس تشریح کی روشنی میں جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے تجسم عمل کے متعلق آیات اور احادیث کی ایسے احتمالات کے ساتھ تفسیر اور تاویل کی جو متناسب دکھائی دیتے تھے۔ لیکن آج کے سائنسدان کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال خواہ ارادی ہوں یا غیر ارادی کچھ توانائی صرف ہونے سے عبارت ہیں۔ اس بناء پر انسانوں کے اختیاری افعال جن کی تنظیم اور تصحیح کے لئے دینی فرائض عائد کئے گئے ہیں، اس چیز سے عبارت ہیں کہ ایک مکلف شخص اپنی خواہش کے مطابق اپنی توانائی کا کچھ حصہ اپنے ارادہ و میل کے ساتھ اپنے پسندیدہ کام کی انجام دہی میں خرچ کرتا ہے خواہ اس کام کی شریعت نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

اس بات کے پیش نظر کہ توانائی مادہ کی طرح حقیقی اور خارجی وجود رکھتی ہے اور ہمیشہ برقرار رہتی ہے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسان جو بھی اعمال انجام دیتا ہے۔ وہ اچھے ہوں یا برے وہ حقیقی امور ہیں اور ان کا وجود جداگانہ اور اصیل ہے نہ یہ کہ وہ اعتباری اور انتزاعی ہیں۔ ہم یہ خیال کریں کہ وہ اعراض میں اور جو ہر کے وجود سے قائم ہیں۔ لہذا آیات اور روایات میں مذکور تجسم اعمال کا عملی شکل اختیار کرنا فقط قانون بقائے توانائی کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کو گذشتہ دور میں اسلام کے علمی

معجزات اور غیب کی خبر شمار کیا جانا چاہیے۔

عمل کی بقاء یا انرجی کی بقاء

قیامت کے دن اپنے صاحب کے سامنے مجسم ہونے والے اعمال جو توانائی صرف کرنے سے انجام پاتے ہیں اور ہمیشہ باقی رہتے ہیں صرف ہمارے ظاہری اور جسمانی کام نہیں ہیں بلکہ ہمارا بات کرنا جو کہ زبان کا عمل ہے اسی طرح نیت، سوچ و فکر، افکار و ایمان اور اخلاقی ملکات کہ جو روح کے اعمال ہیں یہ سب جسمانی اعمال کی طرح مجسم ہوں گے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بعض روایات میں لفظ 'عمل' کو تمام اندرونی و بیرونی کاموں کے بارے میں استعمال کیا ہے حتیٰ کہ ایمان جو قلبی اعتقادات، جسمانی اعمال اور زبان کے اقرار کا مجموعہ ہے، اسے بھی عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں پر بطور شاہد ایک مفصل روایت کے چند جملوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ابو عمرو زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

قلت له ايها العالم اخبرني اي الاعمال افضل عند الله؟ قال: ما لا يقبل الله شيئا الا به قلت وما هو؟ قال الايمان بالله لا اله الا هو قلت الا تخبرني عن الايمان اقول هو وعمل امر قول بلا عمل؟ فقال الايمان عمل كله والقول بعض ذلك العمل۔

اے بزرگ عالم مجھے بتائیں کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل افضل اور برتر ہے آپ نے جواب میں فرمایا: وہ عمل جس کے بغیر خدا کسی اور عمل کو قبول نہیں فرماتا میں نے پوچھا وہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان کہ اس کے بغیر کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ ایمان عمل اور قول ہے یا قول بغیر عمل کے ہے؟ آپ نے جواب دیا: تمام ایمان عمل ہے اور قول اس عمل کا کچھ حصہ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایمان کو انسان کے تمام جوارح پر واجب کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مخصوص

ذمہ داری عطا کی ہے۔

فاما ما فرض على القلب من الايمان فالقرار والمعرفة والعقد والتسليم بان لا اله الا الله وهداه لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله

صلوات اللہ علیہ والہ والاقرار بما جاء من عند اللہ من نبی او کتاب فذلک
ما فرض اللہ علی القلب من الاقرار والبعرفة وهو عملہ۔

قلب و جوارح کے واجبات

جو چیز اس نے ایمان کے حوالے سے قلب پر واجب کی ہے وہ اقرار، معرفت، اعتقاد اور اس بات کو تہہ دل سے قبول کرنا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور جو چیز خدا کی طرف سے نبی اکرمؐ اور کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی حقانیت کا اعتراف کرنا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اقرار اور معرفت، قلب پر فریضہ الہی ہے اور یہی قلب کا عمل ہے۔

وفرض اللہ علی اللسان القول والتعبیر عن القلب بما عقد علیہ واقربہ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ”وقولوا للناس حسنا سورة ۲ آیت ۸۳“ وقال
”وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والہنا والہکم واحد ونحن لہ

مسلمون۔ سورة ۲۹ آیت ۳۶“ فہذا ما فرض اللہ علی اللسان وهو عملہ۔^[۱]
زبان پر الہی فریضہ یہ ہے کہ قلبی اعتراضات اور عقائد کو بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لوگوں کے ساتھ شائستہ اور اچھے انداز میں گفتگو کرو۔ اور اس نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اہل کتاب سے کہہ دیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں جو تمہارے اور ہمارے اوپر نازل ہوا ہے اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم سب نے اسی کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبان پر فرض ہے اور زبان پر واجب ہے کہ وہ اس کو انجام دے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے قلب اور زبان کے عمل کو بیان کرنے کے بعد دیگر اعضاء و جوارح کے اعمال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ہر ایک کے عمل کو قرآن مجید کی چند آیات کے حوالے سے ذکر کیا کہ جن کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

توانائی کا وجود اسیل

مذکورہ مطالب سے مجموعی طور پر چند نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

- ۱- لفظ، عمل، روایات میں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور روح، زبان اور بدن کے تمام افعال کو اپنے اندر شامل کرتا ہے۔
 - ۲- انسان کے تمام اندرونی اور بیرونی اعمال مثلاً نیت، فکر، گفتگو کرنا، بات سننا اور اعضاء کے دوسرے کام کچھ توانائی کے صرف ہونے پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔
 - ۳- توانائی اعتباری و امتزاعی امور سے نہیں اور نہ ہی اعراض سے ہے جو جوہر سے قائم ہیں بلکہ مادے کی طرح ایک خارجی حقیقت اور اصلت رکھتی ہے اور یہ فنا اور نابود بھی نہیں ہوتی۔
 - ۴- آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے تمام اعمال وہ جسمانی ہوں یا روحانی تجسم اختیار کریں گے۔ اس انداز سے کہ ہر انسان اپنی نیتوں اپنے افکار اپنے اندرونی عقائد اور اسی طرح اپنی باتوں اور سماعت کو، اپنے آنے جانے کو اور دیگر اعمال کو اپنے پہلو میں حاضر و محسوس پائے گا اور ان کا مشاہدہ کرے گا۔
- بحث کے آخر میں قارئین کی مزید آگاہی کے لئے تجسم اعمال کے بارے میں بعض آیات اور روایات کو نقل کیا جاتا ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۗ وَ مِمَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۗ ۱۱

روز قیامت ہر انسان دنیا میں انجام دیئے جانے والے اپنے ہر اچھے عمل کو اور اسی طرح اپنے ہر برے عمل کو حاضر پائے گا۔

اعمال کا عیاں ہونا

وَوَجَدُوا مِمَّا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۗ ۱۲

گناہگار جن اعمال کے مرتکب ہوں گے قیامت میں وہ انہیں اپنے پاس حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَبَدَأَ لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مِمَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۗ ۱۳

روز قیامت ظالموں کے گناہ ان پر عیاں اور آشکار ہو جائیں گے اور جس عذاب الہی کا وہ مذاق اڑایا

۱۱- سورہ آل عمران آیہ ۳۰

۱۲- الکہف- ۴۹

۱۳- الزمر- ۳۸

کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكُفْرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿١١﴾

قیامت کے دن ہر انسان اپنے آگے بھیجے گئے اچھے اور برے اعمال کا مشاہدہ کرے گا اور کافر اپنے برے اعمال کو دیکھ کر اتنا پریشان اور غمزدہ ہوگا کہ وہ کہے گا، اے کاش میں ناچیز خاک ہوتا اور اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتا۔

کافر انروز از تزلزل و اضطراب

گوید او یا لیتنی کنت تراب

کافر اس دن اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہے گا یا لیتنی کنت تراب۔

یعنی آنکہ بودی ایکاش خاک

می نمیدیم جنین هول و ہلاک

یعنی اے کاش میں خاک ہوتا۔ اور اس ہلاکت و خوف کا سامنا نہ کرتا۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿١٢﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

خَيْرًا يَرَهُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿١٤﴾

روزِ قیامت لوگ متفرق گرو ہوں کی صورت میں باہر آئیں گے تاکہ وہ اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جاء جبرئیل الى النبي صلى الله عليه وآله فقال: يا محمد عشا ما شئت

فانك ميت واحبب من شئت فانك مفارقه واعمل ما شئت فانك

ملاقية. ﴿١٥﴾

﴿١١﴾ النباء۔ ۴۰

﴿١٢﴾ الزلزال ۸، ۷، ۶

﴿١٣﴾ کافی، ج ۳ ص ۲۵۵

جبرئیل امین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے عرض کیا: اے محمد جس طرح چاہیں زندگی گذاریں آخر کار آپ کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ جسے چاہیں دوست رکھیں سرانجام آپ کو اس سے جدا ہونا ہے اور دنیا میں جو عمل چاہیں انجام دیں البتہ جو کچھ بھی کریں قیامت میں اس کا مشاہدہ کریں گے۔

قرآن کلام خدا ہے اور وہ خدا ہے جس نے سارے عالم ہستی کو خلق فرمایا ہے اس کے علم کے سامنے تمام واقعات اور حقائق آشکارا اور عیاں ہیں۔ یہ کتاب اس دنیا کے خاتمے تک انسانوں کی ہدایت اور اس کی نسلوں کو سعادت بخشنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے سائنسی اور علمی لحاظ سے بشر ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور ہمیشہ اس نے کمال کے مدارج طے کئے ہیں ممکن ہے کہ قرآن شریف کے کچھ حقائق انسان کی ایک نسل کے لئے مجہول اور مخفی رہیں لیکن بعد والی نسلیں علم میں پیش رفت کے نتیجے میں ان مجہول حقائق سے آگاہ ہو جائیں۔ یہی نکتہ بعض روایات میں ذکر ہوا ہے۔

امام سجاد علیہ السلام سے توحید کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

ان الله عز وجل علم انه يكون في آخر الزمان اقوام متعمقون فانزل الله
 "قل هو الله احد" والایات من سورة الحديد الى قوله "عليه بذات
 الصدور"۔^[۱]

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانے میں گہری فکر اور علمی تدبر کے حامل لوگ آئیں گے اس لئے سورہ
 توحید اور سورہ حدید کی چند آیاتوں کو نازل فرمایا:

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تجسم اعمال کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ فلاسفہ اور متکلمین حتیٰ بعض محدثین اور مفسرین نے جوہر و عرض کی بحث کی روشنی میں اس کو ایک ناممکن اور ممنوع امر خیال کیا اور آیات و روایات کی مختلف انداز میں توجیہ اور تاویل کی۔ لیکن آج کے علم نے گفتار اور رفتار حتیٰ لوگوں کی نیتوں کو ایک حقیقی اور اصیل امر سمجھا ہے۔ جو کہ تو انانائی صرف ہونے پر وجود میں آتے ہیں۔

قدماء گفتہ اندبی اغماض
 کہ عمل ہست قسمی از اعراض
 قدماء نے واضح طور پر کہا ہے

کہ عمل اعراض کی قسم ہے
 چون عرض نیست قائم بالذات
 کی کند خود بنفسه عرض حیات
 چونکہ عرض قائم بالذات نہیں ہوتا
 اس لئے وہ تنہا قائم نہیں رہ سکتا
 علم نیزیک و دانش امروز
 کردہ حل ایں قضیہ مرموز
 جب کہ آج کے فزکس اور علم نے
 اس مشکل مسئلے کو حل کر دیا ہے
 ہست اعمال ما انثر ریہا
 کہ از اجزاء جسم گشتہ جدا
 ہمارے اعمال توانائیاں ہیں
 جو جسم کے اجزاء سے جدا ہوئی ہیں
 لا جرم ایں عمل بہ روز اجزاء
 متکاثف کہ شد شود پیدا
 روز قیامت یہ عمل حتماً
 انجام پانے کے بعد وجود میں آجائے گا
 بہمین قول و منطق و علت
 تجد کل نفس ما عملت
 اسی قول منطق اور علت کی وجہ سے ہر انسان اپنے انجام دیئے گئے عمل کو پائے گا۔

باب نمبر 15

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ هَؤُلَاءِ يُجِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذُرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٤﴾

(سورہ دھر۔ آیت، ۲۴)

طاقت فرسادن

قیامت جسے قرآن مجید میں یوم موعود کہا گیا ہے۔ ایک سخت اور بہت بھاری دن ہے۔ اس دن کے آلام و مصائب اتنے طاقت فرسا اور جانکاہ ہیں کہ ہمارے لئے ان کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیات، احادیث اور سابقہ انبیاء کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بے مثال دن کے موقع پر اللہ تعالیٰ تمام ایماندار اور بے ایمان، نیک اخلاق والے اور برے اخلاق والے، اچھے اور برے عادل اور ظالم انسانوں کو جو دنیا میں آئے اور ایام زندگی گزارنے کے بعد مر گئے، زندہ کرے گا اور ان کے تمام اچھے اور برے اعمال کا حساب و کتاب لے گا۔ پاکیزہ افراد کو جزاء عطا فرمائے گا اور برے افراد کو سزا دے گا۔

بد قسمتی سے غافل انسان چند روزہ دنیا کی زندگی کا اس قدر دلدادہ ہوا ہے اور اپنے آپ کو مادی خواہشات و میلانات میں گم کر لیا ہے کہ آنے والے وحشت ناک اور خطرناک دن سے غافل ہو گیا ہے اور قیامت کے عظیم دن کی فکر نہیں کرتا۔ قرآن شریف نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

إِنَّ هَؤُلَاءِ يُجِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذُرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٤﴾

انہوں نے اسی دنیا میں دل باندھ لیا ہے اور قیامت کے سخت و ہولناک دن کو فراموش کر دیا ہے جو بہت

جلدان تک آن پہنچے گا۔

قیامت کا سخت اور بے نظیر دن گونا گوں ابعاد پر مشتمل ہے۔ ایک ذریعہ جو کسی حد تک ابعاد قیامت کو واضح کر سکتا ہے۔ اس دن کے اسماء ہیں۔ اللہ عزوجل نے قرآن شریف میں قیامت کو متعدد ناموں سے یاد کیا ہے اور ہر اسم اس کی کسی خصوصیت اور اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے ان میں سے بعض ناموں کی مناسبت عام افراد کے لئے قابل فہم ہے۔ مثلاً ”یوم

الدرین، روز جزا ”یوم الحساب“ یعنی حساب و کتاب کا دن۔ لیکن کچھ ناموں کی مناسبت کی شناخت کے لئے تشریح کی ضرورت ہے۔ مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس فصل میں ان میں سے کچھ ناموں کی وضاحت کی جائے گی۔

قرآن اور اسامی قیامت

ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۝ [۱]

قرآن مجید میں ذکر ہونے والے اسماء میں سے قیامت کا ایک نام ”یوم حق“ ہے۔

حق وعدالت کا دن

عربی لغت میں حق کے متعدد معانی ہیں اور قرآن شریف میں بھی یہ چند معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قیامت کے متعلق اس کا استعمال ہونا۔ بیشتر دو معانی کے بیان کے لئے ہے۔ ایک حق مطابق با واقع کے معنی میں جو خلاف حق کے مقابلے میں ہے جس کا معنی جھوٹ اور باطل ہے۔ اور یہ معنی اصل معاد کے بارے میں ہے یعنی معاد خدا کے حتمی اور قطعی وعدے کے مطابق ایک محقق الوقوع امر ہے جس میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اور معاد پر ایمان ایک حقیقی امر اور حق پر ایمان سے عبارت ہے۔ دوسرا حق کا معنی عدل ہے جو ظلم و جور کے مقابلے میں ہے۔ یہ مورد قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکموں اور فیصلوں کے متعلق ہے۔ یعنی روز جزا کی حاکم و مالک ذات اقدس الہی ہے اور اس دن حکم الہی سے جو سزا و جزا نیک اور برے لوگوں کے لئے مقرر ہوگی وہ سب حق وعدل کے مطابق ہوگی اور احکام خدا میں ظلم و جور کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کے لئے ان دو معانی کے بارے میں مختصر وضاحت کرنا ضروری ہے۔

معنی اول: انبیاء الہی نے صدیوں معاد کی بات کی ہے اور انہوں نے لوگوں کو روز جزا پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے لیکن ہر زمانے میں لوگوں کی اکثریت نے انبیاء کی باتوں کو جھوٹ خیال کیا، ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور معاد کو ایک غیر ممکن اور محال امر تصور کیا۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے

منکرین معاد

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّآبَاءُنَا أَيْتًا لَمُعْرَجُونَ ﴿۱۰۰﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا

نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ [۱]

کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا زمین کے اندر سڑگل کر خاک ہو جائیں گے کیا دوبارہ قبروں سے نکلیں گے؟ یہ وعدے پہلے سے ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد سے کئے گئے ہیں اور یہ وعدے جھوٹ اور اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

انبیاء الہی کی باتیں

معاذ کونا ممکن اور جھوٹ سمجھنے والے کافروں اور مشرکوں کی باتوں کے مقابلے میں انبیاء الہی کی باتیں ہیں جو قیامت کو یقینی، امر، برحق وعدہ اور حتمی الوقوع قضاء جانتے تھے اور ان کو قاطعیت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٧﴾ [۲]

یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ جو کچھ تم ہمیں دین خدا اور قیامت کے بارے میں بتاتے ہو کیا وہ حق اور حقیقت ہے؟ کہہ دو ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم جو کچھ میں کہتا ہوں وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور اللہ کا عذاب قیامت والے دن تمہیں نہیں چھوڑے گا۔

حتمی الوقوع یوم حق

اس آیت میں لفظ 'حق' سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھا یا جائے کہ معاد ایک حقیقی اور واقعی امر ہے اور انبیاء نے اسے پہنچانے میں غلطی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ قرآن مجید میں دیگر آیات بھی ذکر ہوئی ہیں جن میں لفظ "حق" اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ﴿٣١﴾ [۳]

بے شک اللہ کا وعدہ پکا اور حق ہے اور کہیں دنیا کی زندگی تمہیں مغرور نہ بنا دے اور آخرت کی یاد سے تمہیں غافل نہ کر دے۔

[۱] اہمل - ۶۷، ۶۸

[۲] یونس - ۵۳

[۳] لقمان - ۳۳

ایک اور جگہ پر حکم ہوتا ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذُوقُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ط قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ط قَالَ
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣١﴾

اگر تم دیکھو کہ جس وقت قیامت کا انکار کرنے والے اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے اس وقت وہ ان سے کہے گا کیا روزِ جزا یعنی آج جس میں تم اب موجود ہو یہ حق نہ تھا؟ وہ کہیں گے ہاں ہمیں ہمارے پروردگار کی قسم حق تھا۔ خدا ان سے کہے گا اب روزِ جزا کے انکار پر عذابِ الہی کا مزہ چکھو۔ دوسرا معنی: روزِ جزا کی مالک و فرمانروا خدا ہی کی ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس دن لوگوں سے پوچھ گچھ کرے گا۔ حق وعدل کی بنیاد پر ان کے درمیان فیصلے کرے گا اور کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ اسی لئے روزِ جزا کو یومِ الحق بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

الْمَلِكُ يَوْمَ مِيزَانِ الْحَقِّ لِلرَّحْمَنِ ط وَكَانَ يَوْمًا عَلَىٰ الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٣٢﴾
یعنی روزِ قیامت کی حاکمیت مطلق اور فرمانروائی خداوندِ رحمن ہی سے مختص ہے اور وہ دن کافروں کے لئے بہت سخت اور جانکاہ ہوگا۔

قرآن مزید فرماتا ہے:

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ط وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ط إِنَّ اللَّهَ
هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٣٣﴾

خداوند متعال روزِ قیامت حق وعدل کے ساتھ حکم کرے گا اور وہ معبود جو مشرکین نے اختیار کر رکھے ہیں وہ کسی قضاوت پر قادر نہ ہوں گے چہ جائیکہ اس خدا کے شریک ہوں کہ جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئْنَا بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ

﴿٣١﴾ الانعام - ٣٠

﴿٣٢﴾ الفرقان - ٢٦

﴿٣٣﴾ المؤمن - ٢٠

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ [١]

زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوگی۔ نامہ اعمال اپنی اپنی جگہ پر قرار پائیں گے۔ انبیاء اور شہداء عدل الہی کے سامنے حاضر ہوں گے ان کے درمیان حق و عدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

ظلم یا علامتِ عجز

ذات مقدس باری تعالیٰ کے لئے دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں کسی قسم کا ظلم و جور قابل تصور ہے۔ کیونکہ ظلم عجز کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عجز و توانائی سے مبرا اور منزہ ہے۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

وقد علمت انه ليس في حكمك ظلم ولا في نقمتك عجلة وانما يعجل من يخاف الفوت وانما يحتاج الى الظلم الضعيف وقد تعاليت يا الهى عن ذلك علوا كبيرا۔ [٢]

پروردگار! میں جانتا ہوں کہ تیرے حکم میں ظلم و ستم ہے نہ تیرے عذاب و پکڑ میں جلدی۔ اپنے کام میں وہ جلدی کرتا ہے جس کو ڈر ہو کہ فرصت کھو دے گا اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا اور ظلم و ستم کی ضرورت اسے ہے جو ضعیف اور ناتواں ہے۔ بارالہا تیری ذات اقدس ان دونوں سے انتہائی بلند مراتب پر منزہ اور مبرا ہے۔

قرآن مجید میں قیامت کا ایک اور نام ذکر ہوا ہے۔

انسان اور فردی و اجتماعی زندگی

إِنَّ يَوْمَ الْفِصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿٣٢﴾ [٣]

”یوم الفصل“ یعنی پاکیزہ اور غیر پاکیزہ افراد میں جدائی کا دن۔

[١] زمر۔ ٦٩

[٢] صحیفہ کاملہ دعائیں نمبر ٣٨

[٣] النباء۔ ١٤

اس مطلب کی وضاحت یوں ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی ایک لحاظ سے انفرادی ہے اور دوسرے لحاظ سے اجتماعی ہے۔ انفرادی لحاظ سے ہر انسان اپنی زندگی، صحت و سلامتی اور اپنی سعادت کے دیگر عوامل کا خود ذمہ دار ہے۔ اسے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے کمال و بلندی کے اسباب کو فراہم کر سکے اور ایسے عوامل سے اجتناب کر سکے جو اس کے انحطاط و زوال کا باعث ہیں۔ اجتماعی حوالے سے ہر فرد پیکر اجتماع کے عضو کی مانند ہے اور محیط سے وابستہ ایک جزو ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے مختلف مادی و معنوی حالات میں بعض خوش بختیاں اور بد بختیاں، کامیابیاں اور ناکامیاں، سختیاں اور آسانیاں، فتوحات اور شکستیں مختصر یہ کہ افراد کی بعض ترقیاں اور تنزلیاں ان اجتماعی حالات و واقعات سے مربوط ہیں جن میں زندہ گزارتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کی اکثریت فرض شناسی اور محنتی ہو تو وہ عملی طور پر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ عدالت پر استوار اصول و قوانین کی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ اس معاشرے میں انسان دوست اور خیر خواہ افراد لوگوں کی خدمت کے لئے کمر ہمت باندھ سکتے ہیں اور پریشان حال، تنگ دست، دردمند، بیمار، فقیر، یتیم اور بوڑھے افراد کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کے لئے پورے خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر کوشش کر سکتے ہیں اور ان محرومیوں کا سہارا بن سکتے ہیں۔ ایسے معاشرے کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام معاشروں میں سے اعلیٰ اور انسانیت کا امتیاز ہے۔ کہ جس میں عدل و انصاف کی حکومت بھی ہے اور جذبہ انسان دوستی کی بھی۔ ایک طرف عام لوگ عدالت اور اس پر مبنی قوانین سے بہرہ مند ہوتے ہیں دوسری طرف کمزور اور ضعیف افراد سے انسانی محبت اور دوستی کا سلوک کیا جاتا ہے۔

اگر کسی معاشرے میں اکثر افراد اجتماعی گناہوں میں آلودہ ہوں وہ حق و فضیلت کی رعایت نہ کریں اور اپنی محافل میں جھوٹ و افتراء، غیبت و تہمت، عیب جوئی، طعن و تشنیع، اہانت و دشنام اور فساد پھیلانے سے گریز نہ کریں تو ایسے معاشرے میں بدگمانی اور سوء ظن تیزی کے ساتھ پھیل جاتا ہے، اعتماد و اطمینان درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور لوگ ہمیشہ اپنی عزت و آبرو کو خطرے میں دیکھتے ہیں۔

ایسے معاشرے میں ممکن ہے بد اخلاق اور لالہ ابالی لوگوں کا ایک گروہ آپس میں مربوط ہو کر معاشرے کے مریض مزاج اور افراد کے درمیان موجود بدگمانی سے سوء استفادہ کریں اور بگاڑ اور تخریب کے راستے کو اپنائیں لوگوں کے اموال کو غارت کریں اور بد امنی پیدا کریں۔ اس صورت حال میں اچھے اور شریف افراد کی قلیل تعداد اگرچہ گناہگاروں کے ہمراہ نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ان کی طرح مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے وہ بھی معاشرے میں لگی ہوئی آگ میں جلتی ہے اور جس عذاب کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آیا ہوا ہوتا ہے وہ اس سے تکلیف اٹھاتی ہے اور یہ بات اجتماعی زندگی اور اس کے اعضاء باہم پیوست ہونے کا لازمہ ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا ہے:

معاشرہ اور ہمہ گیر بلائیں

وَأْتَفُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۝ [۱]

ایسے فتنے اور بلاء سے بچو جب وہ آتا ہے تو صرف ظالموں کو اپنی گرفت میں نہیں لیتا بلکہ خشک وتر اور نیک و بد کو ایک ساتھ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ان کو عذاب پہنچاتا ہے۔

انسان کے لئے اجتماعی زندگی ایک اجتناب ناپذیر ضرورت ہے اپنے کمال تک پہنچنے اور مادی و معنوی بلند مقامات کو حاصل کرنے کے لئے انسانوں کو چاہیے کہ وہ اجتماعی زندگی گزاریں اور مل کر جدوجہد کریں۔ حیات انسانی میں لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ وہ طبعی جبر کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ اپنے کاموں کو تقسیم کریں اور ہر گروہ کچھ کاموں کو اپنے ذمہ لے تاکہ زندگی کی گاڑی کو باہم کوشش کے ساتھ چلا سکیں اور یوں ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی روحانی اور جسمانی ضروریات کو پورا کریں۔

اشرارِ خلق سے بے نیازی

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام کے حضور میں دعا کی کہ میرے اللہ مجھے تمام مخلوق سے بے نیاز کر دے امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

لا تقل هكذا ولكن قل اللهم اغننا عن شرار خلقك فان المؤمن لا

يستغنى عن اخيه۔ [۲]

اس طرح دعا نہ کرو بلکہ کہو کہ میرے اللہ مجھے مخلوق کے اشرار سے بے نیاز فرما کیونکہ ایک مومن اپنے دینی بھائی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

امام صادق علیہ السلام کے دوستوں میں ایک شخص آپ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور اپنی خصوصی حالت کے بارے میں کچھ عرض کیا اور پھر کہا:

جملت فداك ادع الله لي ان تغينني عن خلقه قال ان الله قسم رزق م شاء

على يدي من شاء ولكن سل الله ان يغنيك عن الحاجة التي تضطرك الي

[۱] الانفال ۲۵

[۲] تحف العقول ص ۲۹۳

لِإِمامِ خَلْقِهِ ۱۱

میں آپ پر قربان جاؤں میرے لئے خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے۔
آپ نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم میں بعض کا رزق بعض دوسروں کے ہاتھوں میں
قرار دیا ہے لہذا تم خدا سے چاہو یہ کہ وہ تمہیں اضطراری حاجتوں اور قطعی ضروریات میں پست اور گھٹیا
افراد کا محتاج نہ کرے۔

ایک سالم معاشرہ تشکیل دینے اور اجتماعی زندگی کے فوائد سے بہرہ مند ہونے اور اس کے نقصانات سے محفوظ رہنے
کے لئے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت اور کوشش کو بروئے کار لائیں تاکہ عدل و انصاف کو ہمیشہ تمام لوگوں کے ساتھ فعال رکھ
سکیں اور عملی طور پر اسے زندگی کے تمام شعبوں پر لاگو کر سکیں۔

دوست و دشمن کے ساتھ عدل کا برتاؤ

اسلام کے مقدس آئین میں اسی لئے تمام مسلمانوں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ تمام لوگوں کے
ساتھ عملی اور زبانی طور پر عدل و انصاف سے پیش آئیں اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس مقدس اصول کو اپنے دشمنوں کے بارے
میں بھی خیال رکھیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَلَا يَجْرُ مِنْكُمْ شَنْءٌ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا أَعْدِلُوا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۱۲

کسی قوم و ملت سے تمہارا کینہ و دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم ان کے بارے میں عدل و
انصاف کو ترک کر دو تم ہرگز ایسا نہ کرو اور تمام لوگوں سے حتیٰ اپنے دشمنوں سے بھی عدل و انصاف کا
سلوک کرو۔ اور یہ انداز تقویٰ سے ہم آہنگ ہے۔

اسلام نے اخلاقی حقوق کے لحاظ سے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ
مسلمان ایک دوسرے سے روحانی ہمبستگی کے اعتبار سے ایک انسان کے جسم کی طرح زندگی گزاریں اس انداز سے کہ جیسے
ایک عضو میں درد و تکلیف دوسرے اعضاء جسم پر اثر ڈالتی ہے۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

۱۱ کافی، ج ۲ ص ۲۶۶

۱۲ المائدہ - ۸

المومن اخو المومن كالجسد الواحد ان اشتكى شيئا منه وجد الم ذلك في

سائر جسده۔^[۱]

ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارے جسم میں اس کا درد اور بے چینی محسوس کی جاتی ہے۔

مسلم معاشرے میں عدل و انصاف کی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے لئے اور اس کو خود غرض اور ہوائے نفس کے پیرو افراد کی قانون شکنی سے بچانے کے لئے اسلامی قانون بنانے والے نے اجتماعی نظارت کے طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لوگوں کے لئے دینی فریضہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو شرعی واجب کے وسیلے سے ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ قوانین کے اجراء پر بہترین نگران کے فرائض انجام دیں۔ اگر کوئی قوانین کی سرحد سے تجاوز کر لے یا حدودِ الہی کو پامال کرے تو سب لوگ ذمہ دار ہیں کہ اسے اس ناجائز عمل سے روکیں ورنہ پورا معاشرہ تباہی و ہلاکت کے دبانے پر پہنچ سکتا ہے۔

نبی اکرمؐ نے اس حقیقت کو ایک واضح اور دلنشین تشبیہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے:

ان قوما ركبو سفينة في البحر واقتسموا فصار كل واحد منهم موضعه

فنقر رجل موضعه بفاس فقالوا ما تصنع؟ قال هو مكاني اصنع به ما

شئت فان اخذوا على يديه نجوا ونجوا وان لم يأخذوا على يديه هلك و

هلكوا۔^[۲]

گناہگاروں سے جنگ

یعنی کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور سمندر میں سفر کا آغاز کرتے ہیں وہ کشتی میں جگہ کو اپنے درمیان کر لیتے ہیں اور ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میری اپنی جگہ ہے میں یہاں جو چاہوں کروں۔ اگر اہل کشتی اس کے ہاتھ کو پکڑ لیں اور اسے اس خطرناک کام سے روک دیں تو نہ صرف وہ بلکہ سب اہل کشتی بچ جائیں گے اور اگر اسے نہ روکیں اور آزاد چھوڑ دیں تو وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

[۱] کافی، ج ۲، ص ۱۶۶

[۲] مجموعہ درام، ج ۲، ص ۲۹۳

وہ لوگ جو معاشرے میں گناہوں کو دیکھتے ہیں گناہگاروں کے قریب سے خاموشی سے گزر جاتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرتے تو وہ اپنے سکوت کی وجہ سے سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر گناہوں کے باعث کوئی بلا و مصیبت معاشرے پر آن پڑے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہوں گے۔ جیسا کہ کشتی کے مسافرین اس بے وقوف شخص کے بارے میں خاموشی اختیار کریں جب پانی کشتی میں داخل ہو جائے گا تو صرف نادان گناہگار غرق نہیں ہوگا بلکہ تمام اہل کشتی سمندر کی لہروں کی نذر ہو جائیں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اوحی اللہ تعالیٰ الی شعیب النبی: انی معذب من قومک مائة الف اربعین
الفامن شرارهم وستین الفامن خیارهم فقال یارب هولاء الاشرار فما
بالاخیار؟ فاوحی اللہ عزوجل الیہ واهنوا اهل المعاصی فلم یغضبوا
لغضبی۔ [۱]

اللہ تعالیٰ نے شعیبؑ نبی کو وحی کی کہ تمہاری قوم کے ایک لاکھ افراد پر عذاب نازل کروں گا ان میں سے چالیس ہزار برے لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار اچھے افراد ہیں۔ شعیبؑ نے کہا میرے پالنے والے برے لوگ تو عذاب کے مستحق ہیں لیکن نیک افراد کو کیوں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ نیک افراد گناہگاروں سے نرمی برتتے ہیں اور ان سے اچھا سلوک روارکھتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرتے اور جو نفرت میں گناہ اور گناہ کاروں سے رکھتا ہوں وہ اس نفرت کا اظہار نہیں کرتے۔

پاکیزہ افراد کا غیر پاکیزہ سے جدائی کا دن

ان تمام باتوں کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس دنیا میں انفرادی نفع و نقصان کے علاوہ اجتماعی فائدہ اور ضرر بھی موجود ہے۔ اس عالم میں انسان کے نصیب ہونے والی برکات و خیرات اور شرور و نقصانات میں سے بعض اس کے معاشرے سے ارتباط اور وابستگی کی وجہ سے ہیں اور یہ اس کے انفرادی پہلو سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ البتہ قیامت میں ایسی بات نہیں ہوگی اور اس طرح کے فائدے اور نقصانات لوگوں کو پیش نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ دن ”یوم الفصل“ ہے یعنی نیک افراد کا برے افراد سے پاکیزہ

کا غیر پاکیزہ اور گناہگاروں کا پرہیزگاروں سے جدائی کا دن ہے۔ اس دن گناہ آلودہ افراد کو حکم ہوگا۔

وَأَمْتَاؤُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

اے گناہگارو، پاکیزہ افراد میں نہ مل جاؤ اپنے آپ کو ان کی صفوں سے جدا کر لو۔

قیامت میں نیک لوگوں کی جزاء اور برے لوگوں کی سزا ان کے انفرادی کاموں اور کردار کی اساس پر ہوگی اور کسی کو بھی دوسرے کے ناجائز عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٦٠﴾

کوئی بھی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اور گناہ نہیں اٹھائے گا۔

انفرادی سودوزیاں

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کا سودوزیاں دو قسم کا ہے۔ ایک قسم کی وہ خیرات اور شرور ہیں جو انسان کو پہنچتے ہیں اور اس کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دوسری قسم ان برکات اور شرور کی ہے جو انسان پر معاشرے کی طرف سے پہنچتے ہیں۔ لیکن قیامت روز فصل ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اجتماعی نفع اور نقصان ختم ہو جائے گا۔ ہر شخص تنہا خدا کے سامنے حساب کے لئے پیش ہوگا اور فقط اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ﴿٦١﴾

قیامت میں محصور ہونے والے تمام لوگ ایک ایک کر کے دربارِ الہی میں پیش ہوں گے۔

قرآن حکیم میں قیامت کا ایک اور نام ”یوم تبلی السرائر“ ذکر ہوا ہے۔

يَوْمَ تَبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٦٢﴾

یعنی وہ دن جب پنہاں راز آشکار ہو جائیں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے کہ والسرائر ما سرہ من خیر او شر وما اضمرة من ایمان او کفر۔

سرائر خیر و شر یا ایمان و کفر کی وہ چیزیں ہیں جنہیں انسان پنہاں رکھتا ہے۔

﴿٥٩﴾ یسین۔ ۵۹

﴿٦٠﴾ الفاطر۔ ۱۸

﴿٦١﴾ مریم۔ ۹۵

﴿٦٢﴾ الطارق۔ ۹

رازوں کا عیاں ہونا

تفسیر مجمع البیان میں ہی ایک روایت عبد اللہ بن عمر سے نقل کی گئی ہے کہ اس نے کہا ہے:

يَبْدَى اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلَّ سِرٍّ وَيَكُونُ زِينًا فِي الْوَجْهِ وَشِينًا فِي الْوَجْهِ. [۱]
اللہ قیامت کے روز تمام اسرار کو ظاہر کر دے گا اور یہ ظاہر شدہ اسرار نیک لوگوں کے چہروں پر باعث زینت و جمال ہوں گے اور برے لوگوں کے چہرے پر بدنمادار ہوں گے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ [۲]

قیامت ایسا دن ہے جس میں سفید چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور سیاہ چہرے والے آگ میں ڈالے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا؟ اب اپنے کفر کے عذاب کا مزہ چکھو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

هم اهل البدع والاهواء والاراء الباطلة من هذه الامة. [۳]
امت اسلامی کا وہ گروہ جس نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا وہ ہے جو بدعتوں، ہوائے نفس اور باطل آراء و نظریات کی پیروی کرتا ہے۔

سیاہ چہروں والے

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ [۴]
قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جو خدا پر جھوٹ باندھتے تھے اور دین الہی کے بارے

[۱] تفسیر مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۲۷۲

[۲] آل عمران - ۱۰۶

[۳] تفسیر صافی - ص ۹۸

[۴] الزمر - ۶۰

میں جھوٹی باتیں کرتے تھے ان کے چہرے سیاہ اور تاریک ہوں گے۔

شاداب چہرے

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَأَمَّا الَّذِينَ أَبْيَضَتْ وُجُوهُهُمْ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٥٠﴾^[۱]

لیکن وہ اشخاص جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ خدا کی بے پناہ رحمت کے سایے میں ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے اللہ کی یہ وسیع رحمت ان کے شامل حال رہے گی۔ ارشاد رب العزت ہے:

وَجُودًا يَوْمَ مَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٥١﴾^[۲] إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿١٥٢﴾^[۳]

قیامت میں ایسے افراد محسوس ہوں گے جن کے چہرے شاداب اور روشن ہوں گے اور وہ رحمت الہی کے انتظار میں ہوں گے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہے:

یعنی مشرقہ ثواب رہا۔^[۳]

ان لوگوں کے چہرے قیامت میں درخشاں ہوں گے اور یہ جزا الہی کے منتظر ہوں گے۔
قرآن فرماتا ہے:

وَجُودًا يَوْمَ مَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٥٣﴾^[۴] تَنْظُرُونَ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿١٥٤﴾^[۵]

اور کچھ افراد میدان قیامت میں داخل ہوں گے ان کے چہرے انتہائی مرجھائے ہوئے اور اداس ہوں گے اور وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان پر ایسی سخت اور سنگین مصیبت پڑنے والی ہے کہ جو ان کی کمر توڑ دے گی۔

قرآن فرماتا ہے:

[۱] آل عمران - ۱۰۷

[۲] القیامۃ - ۲۲، ۲۳

[۳] تفسیر صافی - ص ۵۵۱

[۴] القیامۃ - ۲۳، ۲۵

وَجُودًا يَوْمَ مَبِيدٍ مُسْفِرَةً ۝ ضاحِكَةً مُسْتَبْشِرَةً ۝ ۱۱

قیامت کے دن بہت سے چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے اور فضل الہی کے انتظار میں خنداں و شاداں ہوں گے۔

گنگا ہگاروں کے چہرے

قرآن یہ بھی فرماتا ہے:

وَوَجُودًا يَوْمَ مَبِيدٍ عَلَيْهَا غَبْرَةٌ ۝ تَرَاهُهَا قَتْرَةً ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجْرَةُ ۝ ۱۲

اور اس دن ایسے چہرے بھی دیکھیں جائیں گے جن پر گرد پڑی ہوگی اور ظلمت و سیاہی نے ان کو چھپا رکھا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی عمریں کفر اور گناہ کے ساتھ گزاری ہوں گی۔

ایک اور مقام پر قرآن فرماتا ہے:

يُعْرِفُ الْمَجْرِمُونَ بِسَيِّئِهِمْ ۝ ۱۳

عرصہ محشر میں مجرم لوگ اپنے گناہ آلودہ چہروں سے پہچانے جائیں گے اور لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے باطن کو جان جائیں گے۔

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ

بُشْرُكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

الْعَظِيمُ ۝ ۱۴

اس دن تم مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو دیکھو گے کہ نور ان کے آگے سے اور دائیں ہاتھ سے جس میں نامہ عمل ہوگا چھٹ رہا ہوگا اور فرشتے ان کو جاویدانی بہشت کی بشارت دیں گے۔ جو کہ

۱۱ عیس - ۳۸، ۳۹

۱۲ عیس - ۲۰، ۲۱، ۲۲

۱۳ الرحمن - ۲۱

۱۴ الحجر - ۱۲

بہت بڑی کامیابی ہے۔

مختصر یہ کہ قیامت میں لوگوں کے اسرار پردے سے نکل آئیں گے۔ چھپے ہوئے راز آشکار ہو جائیں گے پاکیزگی اور پلیدی نیک اور برے افراد کے چہروں سے عیاں ہوگی اور یہ بات اپنے مقام پر دنیا اور آخرت کے تکوینی قوانین میں موجود واضح تفاوت میں سے ایک ہے۔

اچھے اور برے لوگوں کے رخسار

دنیا میں لوگوں کی اچھی اور بری نیتیں اور صفات ان کے اندر چھپی ہوئی ہیں اس لحاظ سے برے اچھے اور نیک و بد سب ایک معاشرے کے اعضاء ہیں اور ظاہراً ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ تو نیک لوگوں کی پاکیزگی اور اچھائی ان کے چہروں سے پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی گناہگاروں کے چہروں سے ان کے گناہ اور برائی۔ لیکن قیامت میں سب رازعیاں اور چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو جائیں گی، اچھے اور برے لوگ دو متفاوت چہروں کے ساتھ محسوس ہوں گے اور لوگ پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کی اندرونی حالت کو جان جائیں گے اور ایک دوسرے کے باطن کی پاکیزگی یا پلیدی سے آگاہ ہو جائیں گے اور یہ مطلب قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے:

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رُوحٌ فِي الْقُبُورِ ۖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۖ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ

يَوْمَ مَبْنِي تَحِيَّتٌ ۖ ﴿۱۱﴾

کیا انسان نہیں جانتا جب قبروں کی خاک الٹ پلٹ کیا جائے گا اور مردے اٹھائے جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں پنہاں راز باہر آئیں گے جیسے پھلکے کے اندر سے کوئی میوہ باہر آ جاتا ہے۔ اس دن آگاہ اور خمیر خدا نہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ”یوم تبلی السرائر“ کو قیامت کے اسماء میں سے قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس دن چھپے ہوئے رازعیاں اور پنہاں اسرار آشکار ہوں گے۔

روزِ حسرت

قیامت کا ایک اور نام ”یوم الحسرة“ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے:

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ۗ^[۱]

یعنی جس دن لوگ گذری ہوئی زندگی اور کھوجانے والی موقع پر افسوس کریں گے۔

بہت سے انسان جب میدان قیامت میں قدم رکھیں گے تو وہ آخرت کی وحشت ناک حالت کو دیکھیں گے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو غفلت اور سستی میں گنوا دیا نہ صرف انہوں نے زندگی سے فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ اس گراں قدر اور اعلیٰ سرمائے کو نقصان دہ اور فضول راہوں پر خرچ کیا اور آج کے دن کے لئے وبال، بوجھ اور پلیدی و گناہ کے علاوہ کچھ حاصل نہ کیا۔ اس طاقت فرسا دن اس جائنکا صورت حال کی طرف توجہ ان کو سخت افسردہ کر دے گی۔ ایسی افسردگی جو بہت دردناک اور ناقابل تلافی ہے۔

دردناک افسوس

ارشاد ہوتا ہے:

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۖ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۗ^[۲]

گناہگاروں کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جس وقت حساب قیامت ہوگا اور جزا و سزا الہی قطعی ہو جائے گی یہ لوگ اس لحاظ سے آخرت میں بد بخت و بیچارے ہیں کہ انہوں نے دنیا کو غفلت اور بے ایمانی میں گزارا ہے۔

قیامت میں گناہگاروں کی روحانی کیفیت اور ان کی حسرت کے سبب کو کسی حد تک واضح کرنے کے لئے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

کھیتی آخرت

الدنيا مزرعة الاخرة.

یہ مشہور جملہ نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

[۱] مریم۔ ۳۹

[۲] مریم۔ ۳۹

والعمل الصالح حرث الاخرة. [۱]

عمل صالح آخرت کا بیج ہے۔

اگر چند کسان ایک دیہات میں اکٹھے زندگی گزارتے ہیں اور دن رات سب کے لئے یکساں ہیں اسی طرح زمین، پانی، آلات اور بیج کے لحاظ سے بھی وہ آپس میں مساوی ہیں۔ البتہ ان میں بعض موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وقت پر زمین میں ہل چلاتے ہیں، بیج ڈالتے ہیں اور ضروری اقدامات انجام دیتے ہیں جب کہ بعض دوسرے اپنی عمر کو ضائع کرتے ہیں۔ زمین اور پانی کو بروئے کار نہیں لاتے۔ اور سود مند موقع کو گنوا دیتے ہیں۔ کسانوں کی ان دو قسموں میں فرق فصل اٹھانے کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

عمر کی بربادی

جنہوں نے ہر موقع کام کیا وہ اب اپنی محنت کا پھل پا کر مسرور و شاداں ہوتے ہیں انہوں نے سال بھر کی روزی جمع کر لی ہوتی ہے اور باقی سارا سال مکمل آسائش و سہولت میں گزارتے ہیں اور پورے عزت و احترام میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنہوں نے زمین اور پانی کو صحیح استعمال نہ کیا اور اپنی عمر کو برباد کیا وہ سخت نادم اور پشیمان ہوتے ہیں افسردگی اور پریشانی ان کے غمناک چہروں سے عیاں ہوتی ہے۔ وہ خالی ہاتھ اور شرم کے مارے ہوتے ہیں۔ انہیں سرتاپا یاس و ناامیدی نے گھیر رکھا ہوتا ہے۔ اسی مثال کو شعر میں بیان کیا گیا ہے

آنکہ دانہ نفاشا ند بزستان در خاک
نا امید بود از دخل بہ تابستانش

فرصتِ دنیا سے فائدہ اٹھانا

قیامت جو کہ ایام عمر کی فصل اٹھانے کا دن ہے اس میں ایماندار اور بے ایمان لوگوں کی صورت حال ابھی اسی طرح ہوگی۔ ایماندار اور نیک لوگ اس لحاظ سے کہ انہوں نے دنیا میں موقع کو غنیمت سمجھا اور صالح اعمال کے ذریعے سے سعادت کا بیج کاشت کیا آج وہ اس کا پھل ملنے پر شاداں اور مسرور ہیں۔ لیکن بے ایمان لوگوں نے زندگی غفلت میں گزار دی اور اپنی عمر کو برے اخلاق و اعمال کے ساتھ بسر کیا۔ اور آج کے دن اپنے لئے مصیبت و بدبختی کے علاوہ کچھ حاصل نہ کیا وہ سخت اندوہیگن اور افسردہ ہوں گے اور اپنے برباد ماضی پر افسوس کا اظہار کریں گے۔ قرآن میں ارشادِ الہی ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا
يُحْسِرُ تَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۗ أَلَا
سَاءَ مَا يَزُرُونَ ﴿٣١﴾

بے شک منکرین قیامت اپنے انکار سے نقصان اٹھائیں گے یہاں تک کہ اچانک قیامت آن
پہنچے گی وہ اس وقت کہیں گے وائے ہو ہم پر کہ ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور اپنے فرائض پر عمل نہ
کیا۔ یہ لوگ اس دن اپنے برے اعمال کا بوجھ کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور یہ کتنا برا
بوجھ ان کے دوش پر ہے۔

قابل توجہ نکتہ

یہ بات قابل توجہ ہے کہ قیامت میں ایک بے ایمان اور گناہگار شخص کا افسوس اور پریشانی غافل کسان کے افسوس
اور پریشان سے قابل موازنہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کسان نے فرائض سے غفلت کی وجہ سے اپنے آپ کو صرف ایک سال کی
زرعی آمدنی سے محروم کیا اور صرف ایک فصل کا حاصل اسے موصول نہ ہوا جب کہ زمین اور پانی اسی طرح اس کے اختیار میں
ہے وہ آئندہ سال اور باقی سالوں میں موقع سے استفادہ کر کے اپنے فرائض کو مکمل طور پر بروقت ادا کر کے زمین اور پانی سے
فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جو مرتا ہے وہ اس دنیا جو کہ دائر عمل اور آخرت کی کھیتی ہے، سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاتا ہے
درحقیقت موت کے آنے سے عمل کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی کھیتی مکمل طور پر برباد ہو جاتی ہے۔ واضح ہے کہ ایسے
انسان کی قیامت میں حسرت اور افسردگی دنیا میں غافل کسان سے زیادہ شدید اور سخت ہوگی۔
جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ قیامت میں افسوس اور پشیمانی کسی خاص گروہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ اچھے برے
سب لوگ کم و بیش اس روحانی حالت میں مبتلا ہوں گے۔

بے فائدہ ندامت

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَخْلُوقٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَيَنْدِمُ وَلَكِنْ لَا يَنْفَعُهُ النَّدَامَةُ فَمَا

السعيد اذا رأى الجنة وما الله فيها لاوليائه المتقين يندم حيث لا عمل
له مثل عملهم وان كان من الاشقياء اذا رأى النار وزقيرها وما اعد الله
فيها من العذاب الا ليم صرخ وندم حيث لم يكن اقلع عن ذنوبه
ومعاصيه ليسلم مما هو فيه. [۱]

قیامت کے دن کوئی مخلوق ایسی نہیں ہوگی جو نادم و پشیمان نہ ہو لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔
سعادت مند شخص جب بہشت اور نعمتوں کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اولیاء کے لئے آمادہ کی
ہوگی تو وہ اس لحاظ سے پشیمان ہوگا کہ وہ ان اولیاء جیسا عمل نہیں رکھتا ہوگا اور جو شخص شقی و بد بخت ہوگا
جب وہ دوزخ کا مشاہدہ کرے گا اور اس کی وحشت ناک آواز سنے گا اور یہ دیکھے گا کہ خداوند نے
برے لوگوں کے لئے کیا کیا عذاب تیار کئے ہیں تو وہ نالہ و فریاد کرے گا اور اس پر پشیمان ہوگا کہ اس
نے دنیا میں اپنے دامن سے گناہوں کو کیوں نہ پاک کیا کہ آج وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہتا۔
قیامت میں عمومی حسرت سے ہٹ کر بعض افراد ایک مخصوص جہت سے یا حسرت سے دوچار ہوں گے اور یہ
بات بعض آیات اور احادیث میں ذکر ہوئی ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ان اشد الناس حسرة يوم القيامة الذين وصفوا العدل ثم خالفوه وهو
قوله عز وجل "ان تقول نفس يا حسرتي على ما فرطت في جنب الله. سورة
الزمر آیت ۵۶" [۲]

قیامت میں شدید ترین حسرت اور افسوس ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے لوگوں کے لئے عدل و
انصاف کا پرچار کیا لیکن خود اس کے خلاف عمل کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا شخص قیامت میں
کہے گا۔ ہائے افسوس کہ میں نے خدا کے حق اور اس کی اطاعت میں کوتاہی کی ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام درج ذیل آیت ”كذلك يريهم الله اعمالهم حسرات عليهم البقره

[۱] التالی الاخبار ص ۳۶۹

[۲] تفسیر صافی ص ۳۶۸

۱۶۷ میں مذکورہ لوگوں کی حسرت و افسوس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هو الرجل يكتسب المال ولا يعمل فيه خيرا فيرثه من يعمل فيه عملا

صالحا فيرى الاول ما كسبه حسرة في ميزان غيره. [۱]

وہ ایسا شخص ہے جس نے دنیا میں مال کمایا لیکن اس سے کوئی صالح عمل انجام نہ دیا لیکن وہ مال ایک ایسے شخص نے ارث میں پایا جو اہل خیر تھا اور اس نے نیک کام انجام دیئے۔ پہلا مالک جب حساب کے دن اپنے مال کو اپنے وارث کے میزان عمل میں خیر کی صورت میں دیکھے گا تو وہ سخت حسرت و افسوس کا شکار ہوگا۔

شدید ترین افسوس

یہ بات ان کہی نہ رہ جائے کہ سنی اور شیعہ طریقوں سے آنے والی روایات میں اس بات کا ذکر ہوا کہ قیامت میں اس وقت گناہگاروں اور کافروں کا افسوس اور پشیمانی اپنی اوج پر پہنچ جائے گی جب یہ اعلان کیا جائے کہ ان کا عذاب دائمی و ابدی ہے اور اس کے بعد موت ہی نہیں ہوگی کہ یہ لوگ مرجائیں اور اس دردناک اور مصیبت بھری زندگی سے جان چھڑالیں۔

ابن جریر نے ابن عباس سے آیت ”انذرهم يوم الحسرة“ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: کہ

يصور الله الموت في صورة كبش املح فيذبح فيئس اهل النار من الموت

فيما يرونه فتأخذهم الحسرة من اجل الخلود في النار. [۲]

قیامت میں موت حکم الہی سے ایک خوبصورت گوسفند کی صورت میں مجسم ہوگی اور ذبح کر دی جائے گی اس کے بعد اہل عذاب مرنے سے مایوس ہو جائیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کی فکر ان کو گہرے فسوس میں مبتلا کر دے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

[۱] تفسیر مجمع البیان - ج ۲، ص ۲۵۱

[۲] الدر المنثور ج ۳ ص ۲۷۲

یوم الحسرة یوم یأتی بالموت فیذبح [۱]

روز حسرت وہ دن ہے جس دن موت کو لا کر ذبح کریں گے یعنی دوزخیوں کا عذاب ابدی ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

ویوم یعض الظالم علی یدیه۔

یعنی قیامت کے دن ظالم لوگ ندامت کے مارے اپنے ہاتھوں کو چبائیں گے۔

روز حسرت و ندامت

قیامت کچھ افراد کے لئے روز حسرت ہے اور کچھ افراد کے لئے روز ندامت۔ مذکورہ تشریح کے مطابق حسرت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو دنیا میں اپنی فکر کو بروئے کار لا سکتے تھے اللہ کے رسولوں کی باتوں پر غور کر سکتے تھے اور دین الہی کو اپنا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ زندگی کے ایام کو غفلت میں گزار دیا اور آخر کار بے ایمان اس دنیا سے چلے گئے۔ ایسے لوگوں کے لئے قیامت تاسف اور حسرت کا دن ہے۔ اس دن وہ اپنی دنیاوی زندگی کی اہمیت سے واقف ہوں گے اور اس لحاظ سے قیمتی موقع گنوا بیٹھے ہیں افسوس کا اظہار کریں گے۔ البتہ پشیمان گروہ کی مصیبت ندامتِ غم حسرت سے کہیں زیادہ دردناک ہوگی۔ کیونکہ اس گروہ نے انبیاء کی باتوں پر کان دھرا اور ان کی دعوت کو قبول کیا اور دین الہی کو اپنا یا لیکن برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھے اور شیطانی وسوسوں پر عمل کرنے سے حق کے راستے سے منحرف ہو کر دین الہی کو ترک کر دیا اور دوبارہ اپنے آپ کو کفر و شرک کی آغوش میں ڈال دیا۔ قرآن شریف نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۵﴾

يَا لَيْتَنِي لَيْتَنِي لَمَّا اتَّخَذْتُ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾

یعنی ظالم شخص قیامت میں شدت پشیمانی سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش! میں نبی کی راہ ہدایت کو جاری رکھتا۔ وائے ہو مجھ پر! کاش میں فلاں سے دوستی نہ کرتا وہ مجھے گمراہ کرنے والا تھا اس نے مجھے انحراف کے راستے پر لگا دیا جب کہ میرے دل میں یا خدا آتی ہے اور وسوسے

[۱] تفسیر صافی - ص ۳۳۸

[۲] الفرقان - ۲۷، ۲۸، ۲۹۔

سے پیدا کرنے والا شیطان انسان کے لئے بے چارگی کا باعث ہے۔

برے ساتھی کا خطرہ

ایمان افراد بالخصوص جو ان نسل ہمیشہ اپنا خیال رکھے برے اور گمراہ افراد کی صحبت اور دوستی سے دوری اختیار کرے تاکہ ان کے فریب میں نہ آئے اور اپنے ایمان کے سرمائے کو ضائع نہ کرے۔ یہ شیطان صفت افراد اپنی پر فریب باتوں اور گمراہ کن تحریروں کے ذریعے سے بڑی آسانی کے ساتھ سادہ دل جوانوں کو دھوکا دے لیتے ہیں ان کے پاکیزہ افکار کو مسموم کر دیتے ہیں اور ان کو اپنے باطل مقاصد کی تکمیل میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک طرف یہ پاک فطرت جو ان خیال کرتے ہیں کہ یہ گمراہ کنندہ افراد صحیح کہتے ہیں دوسری طرف وہ مسائل دینی کے تجزیہ و تحلیل میں کمزور ہوتے ہیں وہ حق اور باطل سے اور صحیح و غلط کے مابین تمیز نہیں کر سکتے۔ اسی لئے وہ بہت جلدی دھوکا کھا جاتے ہیں اور آسانی سے صراطِ مستقیم سے منحرف ہو جاتے ہیں، گناہ اور فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں وہ آہستہ آہستہ خدا کو بھلا دیتے ہیں اور آخر کار ہلاک اور تباہ ہو جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِثُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٥﴾

قیامت ایسا دن ہے جب باطل پرستوں کا ضرر و نقصان آشکار ہو جائے گا۔

قیامت کا دن جس طرح بعض لوگوں کے لئے افسوس و حسرت کا روز ہے اور بعض دوسروں کے لئے روزِ ندامت و پشیمانی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے ضرر و نقصان کا دن ہے جو دنیا میں باطل پرست تھے اور انہوں نے اپنی گمراہی زندگی بیہودہ اور فضول کاموں میں گزار دی۔ وہ اشخاص جو فضول باتیں کرتے ہیں اور فضول و باطل کاموں کو انجام دیتے ہیں ممکن ہے وہ باطنی طور پر صاحب ایمان ہوں اور نسبتاً صحیح العمل ہوں لیکن اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے اور دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے لغویات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ اس بات سے غافل ہیں کہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مؤمن کی علامات میں ایک لغو سے دوری ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٢٦﴾

مومنین وہ ہیں جو فضول باتوں اور کاموں سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

امام جعفر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

[۱] الجاثیہ - ۲۷

[۲] المؤمنون - ۳

هو ان يتقول الرجل عليك بالباطل او يأتيك بما ليس فيك فتعرض عنه

اللہ۔ [۱]

لغو سے اعراض کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص باطل اور بیہودہ بات تمہارے سامنے کرے یا تمہارے متعلق ایسی بات کہے جو تم میں نہیں ہے تو اس موقع پر خدا کی رضا کی خاطر اس سے منہ پھیر لو۔

لغو سے ہر باطل گفتگو اور ہر بے ہودہ کام مراد ہے جس کا مادی فائدہ ہوتا ہے نہ معنوی۔ وہ لوگ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی یاد میں رہتے ہیں ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی تو انانیوں کو شریعت کے راستوں پر صرف کریں اور ایسے اعمال انجام دیں جو مرضی الہی کے مطابق ہوں وہ اپنے ایمان کی بدولت اپنی تمام حرکات و سکنات کی طرف متوجہ رہتے ہیں وہ فضول باتوں کے پیچھے نہیں جاتے اور اپنے دامن کو باطل سے آلودہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ افراد ہیں جنہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے اور اس ذات مقدس کے حضور اپنی ذمہ داری و مسؤلیت سے غافل ہیں ایسے لوگ اخلاقی انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں اور لغو گفتگو اور باطل کردار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

کل قول ليس فيه ذكر فهو لغو۔ [۲]

ہر وہ بات جس میں ذکر خدا نہ ہو لغو اور بے ہودہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا ہے: مدینہ میں ایک شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے لغو اور بے ہودہ کام کرتا تھا۔ امام سجاد علیہ السلام کبھی کبھار راستے میں اس کے نزدیک سے گذرا کرتے تھے اور اس کے عمل سے بے اعتنائی کرتے تھے اور بغیر مسکرائے گذر جاتے تھے اس شخص نے کہا امام سجاد نے مجھے تھکا دیا ہے۔

ایک دن آپؑ راستے سے گذر رہے تھے دو آدمی آپ کے ساتھ تھے اس مسخرے نے آ کر پیچھے سے امام کی عبا کو کاندھوں سے کھینچا اور بھاگ گیا۔ امام اعتنائے بغیر چلتے رہے دوسرے دو آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا اس سے عبا چھین کر امام کے کندھوں پر لاکر ڈال دی۔ آپؑ نے ان سے پوچھا:

من هذا؟ فقالوا له هذا رجل بطل يضحك اهل المدينة فقال: قولوا له ان

[۱] تفسیر مجمع البیان۔ ج ۷، ص ۹۹

[۲] تفسیر صافی۔ ص ۳۶۸

اللّٰهُ يَوْمًا يُخَسِرُ فِيهِه الْمَبْطُلُونَ. [۱]

وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا وہ ایک مسخرہ ہے جو مدینہ کے لوگوں کو ہنستا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن مقرر کیا ہے۔ جس میں باطل پرست اور لغویات بکنے والے اپنے برے اور باطل اعمال کا ضرور نقصان دیکھیں گے جو انہوں نے دنیا میں انجام دیئے ہوں گے۔

قیامت یا پیشی کا دن

قیامت کا ایک اور نام ”یوم التلاق“ قرآن مجید میں آیا ہے:

لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ [۲]

یعنی اللہ کے رسول لوگوں کو ملاقات اور پیشی کے دن سے ڈرائیں۔

”یوم التلاق“ یعنی پیش ہونے کا دن۔

تمام انبیاء الہی کی ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کو اس دن سے آگاہ کریں اور انہیں

خطرے سے خبردار کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ [۳]

وہ خدا ہے جو ایماندار افراد کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ وہ عرش کا مالک اور اس جہان ہستی کا خالق و فرمانروا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں جو ملاقات، اس کے سامنے پیش ہونے اور مختلف گروہوں کے لئے ایک دوسرے کا سامنا کرنے کا دن ہے۔

”یوم التلاق“ یعنی آمنے سامنے ہونے کے دن اور یوم ملاقات کا کیا معنی ہے، اس بارے میں مختلف احتمالی ذکر

کئے گئے ہیں۔

[۱] امالی شیخ صدوق۔ مجلس ۳۹، ص ۱۳۳

[۲] المؤمن - ۱۵

[۳] المؤمن - ۱۵

ایک احتمال یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھیں گے کیونکہ دنیا میں فرشتے جو کہ نظام کائنات کو چلانے والے اور مدبر ہیں، لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں اور لوگوں کے لئے ان کا مشاہدہ موت کے وقت شروع ہو جاتا ہے لیکن میدان قیامت میں یہ مشاہدہ اور ملاقات بہت زیادہ عمومی اور آشکار ہوگی اور سب اچھے برے لوگ نزدیک سے فرشتوں کو دیکھیں گے۔

اہل آسمان اور زمین کی ملاقات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ”یوم التلاق“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

یوم یتلقى اهل السماء و اهل الارض۔ [۱]

قیامت کے دن اہل آسمان اور اہل زمین آپس میں ملاقات کریں گے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ قیامت میں ظالم اور مظلوم، مستضعف اور مستکبر غیبت کرنے والے اور جس کی غیبت کی گئی ہوگی۔ مختصر یہ کہ وہ تمام جنہوں نے کسی نہ کسی طرح دوسروں کے حقوق کو دبا یا ہوگا اور وہ تمام جن کا کسی طرح بھی حق پامال ہوا ہوگا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اس دن حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ذرا برابر ظلم کئے بغیر لوگوں کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ قرآن فرماتا ہے:

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

الْحِسَابِ [۲]

قیامت کے دن ہر کوئی اپنے عمل کی جزا دیکھ لے گا اس دن کی عدالت میں کوئی ظالمانہ اور حق کے خلاف

فیصلہ نہیں ہوگا اور اللہ بندوں کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ظالم کا دن یہ مختصر اور فانی دنیا ہے جب کہ یوم مظلوم آخرت کا پائیدار جاوداں دن ہے۔ ظالم اپنے دن میں فاسد و سنگمرغی مدد سے مظلوم پر ستم کرتا ہے اور اس کے حقوق کو پامال کرتا ہے۔ مظلوم اپنے دن میں ظالم کے سامنے آئے گا اور اللہ تعالیٰ جو کہ عادل و توانا ہے، کی حمایت و مدد کے زیر سایہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرے گا۔ قطعاً یہ دو دن برابر نہیں ہیں۔ موال علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق:

[۱] تفسیر صافی - ص ۷۱

[۲] المؤمنون - ۱۷

قیامت یا یومِ مظلوم

یوم المظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم علی المظلوم۔^[۱]

مظلوم کا دن ظالم پر، ظالم کے مظلوم پر دن سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس دن لوگ اپنے سامنے مجسم کا مشاہدہ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں انجام دیا ہوگا۔ اس کو اپنے سامنے مجسم صورت میں پائیں گے اور اس موضوع پر پچھلی فصل میں سیر حاصل وضاحت کی جا چکی ہے اور اس بارے میں آیات و روایات سے ثبوت پیش کئے جا چکے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں قیامت کے دو اور اسماء ذکر ہوئے ہیں ایک ’یوم الجمع‘ اور دوسرا ’یوم التغابن‘ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ^[۲]

جس روز خدا تمہیں اکٹھا کرے گا یوم جمع کے لئے اور وہ روز تغابن ہے۔ یعنی جس دن لوگوں پر دنیا میں ان کا انجام دیا ہو غبن اور ہیر پھیر ظاہر ہوگا۔

تمام انسانوں کے جمع ہونے کا دن

یوم جمع سے مراد آیات اور روایات کی روشنی میں اسلام کے ماننے والوں کے لئے واضح اور روشن ہے اور کسی توضیح اور شرح کی ضرورت نہیں ہے یعنی جس دن اللہ تعالیٰ اولین و آخرین مخلوق کو یکجا زندہ کرے گا اور انہیں ایک جگہ پر جمع کرے گا۔ البتہ تغابن کے معنی کی کسی حد تک وضاحت کے لئے اس کے بارے میں مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

اخذ کرنے میں غلطی

غبن دنیاوی معاملات میں خرید و فروش کے موقع پر لوگوں کو پیش آتا ہے اور یہ ایک قسم کا فریب اور دھوکا کھانا ہے اس کی وجہ جنس کی پہچان اور شناخت میں غلطی ہے جس کو معاملے کے واقع ہونے کے بعد خریدار یا بیچنے والا سمجھتا ہے اور وہ اپنے غبن سے واقف ہوتا ہے۔

غبن معنوی معاملات میں تفکر سے غفلت اور نفسانی شہوات سے فریب کھانے کا نتیجہ ہے اس کی وجہ انبیاء الہی کے

[۱] نوح البلاغہ۔ کلمہ ۲۴

[۲] التغابن۔ ۹

بارے میں نامناسب تصور اور دینی تعلیمات کے سمجھنے میں غلطی کرنا ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں نتیجے میں غلطی دنیا میں رونما ہوتی ہے اور اس کا ظاہر ہونا بھی اسی دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ دھوکا کھانے والا شخص اسی جہان میں اپنی غلطی کا احساس کر لیتا ہے اور اپنے غبن سے آگاہ ہو جاتا ہے لیکن معنوی معاملات میں معیار کی شناخت میں خطا دنیا ہے لیکن اس کا علم ”یوم التغابن“ یعنی روزِ قیامت کو ہوگا۔ وہ دن جب عمل کی ذمہ داری اختتام پذیر ہوگی۔ دھوکے کا ازالہ ناممکن ہو جائے گا اور اس سے ہونے والا نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔

راغب کہتے ہیں کہ ”یوم التغابن“ کے بارے میں بعض افراد سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا:

تبدوا الاشياء لهم بخلاف مقاديرهم في الدنيا۔^[۱]

اس دن اشیاء کی حقیقی قدر و قیمت فریب کھانے والوں پر آشکار ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے حقیقی قدر و قیمت کے برخلاف دنیا میں عمل کیا ہے۔

قرآن شریف اور روایات اسلامی میں بطور مکرر دنیا میں لوگوں کے اعمال کو معنوی اور روحانی اور ان کی جزا و سزا کے اعتبار سے دنیا کے بازار میں خرید و فروخت اور ظاہری معاملات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کے اعمال کے متعلق نفع و نقصان اور غبن و مغبون کا ذکر ہوا ہے۔ کتاب الہی میں قیامت کو بہت سے افراد کے لئے ”یوم التغابن“ کہا گیا ہے یعنی جس دن وہ اپنے دنیا میں انجام پانے والے معاملات میں غبن اور دھوکے سے واقف ہوں گے۔

معاملہ محشر میں غبن

**إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي
الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُرَكِّبُهُمْ ۗ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۰**

وہ لوگ جو الہی عہد و پیمانہ اور اپنی قسموں کو دنیا کی ناچیز قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت میں ان سے کلام نہیں کرے گا اور ان پر نظر رحمت نہیں کرے گا اور ان کی تطہیر و تزکیہ نہیں کرے گا ایسے افراد کے لئے دردناک عذاب مقرر کیا گیا ہے۔

[۱] مفرداتِ راغب (غبن)

[۲] آل عمران۔ ۷۷

ضرر رساں تجارت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

ولبئس المتجران تری الدنيا لنفسك ثمنا و همالك عند الله عوضا. [۱]

یہ کتنی بری تجارت ہے کہ اپنے وجود کی قیمت تم یہ دنیا سمجھو اور اپنے بارے میں الہی عنایات کو دنیاوی ذخائر کا معاوضہ جانو۔

روزِ آگاہی

وہ لوگ جنہوں نے عہدِ الہی کی قدر و قیمت پہچاننے میں خطا کی ہے اور اسے بہت کم قیمت پر فروخت کر دیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو اپنی قدر و اہمیت کو نہ سمجھ سکے اور انسانیت کی قیمت یہ فانی دنیا لگائی، وہ افراد جنہوں نے دنیا کے بازار میں اپنے آپ کو ایک گھٹیا جنس اور متاع کے طور پر فروخت کے لئے پیش کیا اور نہایت کم قیمت پر اپنے آپ کو بیچ دیا محشر کے دن جو ”یوم التغابن“ ہے۔ اپنے غبن سے آگاہ ہوں گے۔ وہ اس دن سمجھیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانی اور اپنے آپ کا صحیح اندازہ نہ لگا کر وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اپنے انتہائی قیمتی سرمایہ زندگی کو گناہ اور فسق کے راستے میں تباہ کر بیٹھے ہیں۔

قرآن مجید میں آیا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ [۲]

قیمت ایسا دن ہے جس میں مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

دنیا کشمکش اور مقابلے کا نام ہے لوگ زندگی کے حوادث اور امور میں اپنے جائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تنگ و دو کرتے ہیں تاکہ وہ ایک طاقت حاصل کر لیں اور اس سے اپنے راستے کی مشکلات اور رکاوٹیں دور کر سکیں اور اپنے مطلوبہ اہداف اور مقاصد کو پالیں۔

معنوی طاقت کا اثر

دنیا میں جو طاقتیں مؤثر ہیں ان کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان میں سے ایک روحانی طاقت ہے وہ افراد جو لوگوں کے

[۱] نوح البلاغہ۔ خطبہ ۳۲

[۲] الشعراء۔ ۸۸

دلوں میں مقام رکھتے ہیں اور معاشرے میں مقبول ہیں، بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں۔ اگر یہ افراد کوئی قطعی فیصلہ کریں تو عوامی طاقت سے اپنی بہت سی مشکلات کو برطرف کر سکتے ہیں۔ سخت قسم کی رکاوٹوں کو عبور کر سکتے ہیں اور اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لئے راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ ان قوتوں میں سے جو افراد کو توانائی عطا کرتی ہیں ان کی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی ہیں، ایک علمی قوت ہے۔ تعلیم یافتہ افراد بعض مواقع پر اپنے علم و دانش کے مراتب استفادہ کر سکتے ہیں اور لائق اشخاص کے ذریعے سے جوان کے علمی مقام و منزلت کے قدردان ہیں اپنی مشکلات برطرف کر سکتے ہیں اور اپنے اہداف تک پہنچ سکتے ہیں۔

دولت اور عہدے کی طاقت

بعض اوقات افراد طاقت کے حصول کے لئے یہ کوشش کرتے ہیں کہ حکومت یا فوج میں کوئی اہم عہدہ حاصل کر لیں اور یوں طاقت و ربن جائیں اور اپنی راہ کی رکاوٹ کو برطرف کر کے اپنے مقاصد کو پالیں۔ کچھ لوگ مال و دولت جمع کر کے طاقت و ربن جاتے ہیں اور وقت پڑنے پر سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کو مغلوب اور اپنا تابع بنا لیتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے اہداف کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ بعض اشخاص اپنے بھائیوں اور بیٹوں، رشتہ داروں اور قوم قبیلے کی حمایت اور حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان پر بھروسہ کرتے ہوئے جرأت سے بات کرتے ہیں اور اس طریقے سے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ مختصر یہ کہ لوگ اپنے آپ کو طاقت و ر قدرت مند بنانے کے لئے جدوجہد اور محنت کرتے ہیں تاکہ ضروری مواقع پر اپنا دفاع کر سکیں یا کبھی دوسروں کے حقوق پر تجاوز کر سکیں۔ قیامت کے دن ان باتوں میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں ہوگی کیونکہ اس دن حاکم اور فرمانروا مطلق ذات اقدس الہی ہے اور اس کی بارگاہ میں کسی کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے نہ دفاعی طاقت کی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈال سکے گا۔

پس اس بنا پر دنیا میں حق یا خلاف حق کے لئے استعمال ہونے والی طاقتیں اور قوتیں آخرت میں انسان کے لئے ذرا برابر مفید نہیں ہوں گی۔

طاقتوں کے زوال کا دن

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

قیامت کے روز نہ مال و ثروت انسان کے کام آئے گا اور نہ اولاد۔ بلکہ جو چیز انسان کو فائدہ پہنچائے گی وہ یہ ہے کہ انسان شرک و نفاق اور اخلاقی برائیوں سے پاک و سالم دل کے ساتھ دربار الہی میں حاضر ہو۔

امام صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

السليم اى يلقى ربه وليس فيه احد سواه وكل قلب فيه شرك اوشك فهو
ساقط. [۱]

صاحب قلب سلیم وہ شخص ہے جو اپنے پروردگار سے ملاقات کرے اس کے دل میں خدا کے سوا کوئی اور نہ ہو اور جس دل میں شرک اور شک موجود ہو وہ دل ساقط ہے (یعنی مردہ ہے)

صاحب قلب سلیم

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے:

صاحب النية الصادقة صاحب القلب السليم. [۲]

جس شخص کی نیت سچی ہے وہ قلب سلیم کا مالک ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: ایک دن ہم نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے ایک طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اس راستے سے ابھی ایک اہل بہشت تمہارے پاس آئے گا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ انصار میں سے ایک شخص اس راستے سے (وضو کے پانی کو اپنے ہاتھوں سے خشک کرتے ہوئے) آیا اور سلام کیا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنی ریش سے وضو کا پانی اپنے ہاتھوں سے خشک کر رہا ہے اور اپنے جوتوں کے تسمے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔ دوسرے تیسرے دن بھی رسول اکرمؐ نے وہی بات دہرائی اور اسی طرح وہی شخص اس راستے سے آیا ہے۔

تیسرے دن جب حضور اکرمؐ مجلس میں تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص اس انصاری کے پیچھے گیا اور اس سے جا کر کہا میرے اور میرے باپ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن ان کے پاس نہ جاؤں اگر آپ موافق ہوں تو یہ تین دن آپ کے پاس گزاروں۔ اس شخص نے کمال صفا و سادگی سے کہا: اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں تین راتیں اس کے پاس رہا اور ہر وقت اس کے اعمال کو گہری نظر سے دیکھتا رہا۔ ان تین راتوں کے دوران میں نے اسے نہیں دیکھا کہ عبادت کے لئے اٹھا ہو۔ البتہ کبھی کبھی بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے ذکر خدا کرتا تھا اور طلوع فجر کے بعد نماز صبح کی ادائیگی کے لئے اٹھتا تھا لیکن اس مدت کے دوران میں نے اس سے اچھائی اور نیکی کے علاوہ کوئی اور بات نہ سنی۔

[۱] تفسیر برہان، ج ۳، ص ۱۸۴

[۲] تفسیر صافی، ص ۳۹۳

پاکیزہ دل انصاری

تین روز ختم ہو گئے۔ رخصت کے وقت میں نے چاہا کہ اس کے اعمال کو ناچیز خیال کروں۔ میں نے اسے کہا میرے اور میرے باپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا لیکن میں نے رسول اکرم سے تین دن متواتر آپ کے بارے میں اس طرح سنا۔ مجھ میں یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی کہ آپ بارگاہ الہی میں کون سا عمل انجام دیتے ہیں کہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ البتہ میں نے اس مدت میں آپ سے کوئی غیر معمولی عمل نہیں دیکھا۔ پس کس چیز نے آپ کو یہ بلند مقام بخشا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کچھ بجا نہیں لاتا اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

میں اپنی راہ ہولیا۔ اس نے مجھے آواز دی اور کہا:

ما هو الا ما رایت غیرانی لا جد علی احد من المسلمین فی نفسی غشاً ولا حسد

علی خیر ا اعطاه اللہ ایاہ۔ قال عبد اللہ: ہی التی بلغت بك وهی التی لا تطیق۔^[۱]

میرے اعمال وہی تھے جن کا آپ نے مشاہدہ کیا مگر یہ کہ میرے دل میں مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں بھی کینہ نہیں ہے اور جو نعمت اور خیر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا کی اس پر میں حسد نہیں کرتا۔

اس پر عبد اللہ نے کہا: یہ تیرے دل اور ضمیر کی پاکیزگی ہے جس نے تجھے اس مقام پر پہنچایا ہے اور ہم ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

تمام پہلوؤں سے دل کا سالم ہونا

قیامت میں قلب سلیم اپنے صاحب کو فائدہ اور نفع پہنچائے گا اسے نجات اور فلاح تک پہنچائے گا اور اسے سعادت ابدی سے ہمکنار کرے گا۔ انسان کا قلب مختلف جہات اور گونا گوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ قلب سلیم کے خواہشمند کو چاہیے کہ وہ تمام جہات اور پہلوؤں سے اس کی سلامتی کا بندوبست کرے ایمان کے پہلو سے صرف یگانہ خدا کی طرف متوجہ رہے اور اپنے آپ کو شرک و نفاق سے پاک رکھے۔ اخلاق اور نفسانی ملکات کے اعتبار سے سچی نیت اور پاکیزہ ضمیر کا حامل ہو اور دل کی فضاء کو پلیدی نیتوں اور باطل افکار سے آلودہ نہ کرے۔ ان دو پہلوؤں کی مذکورہ روایت سے اچھی طرح تائید ہوتی ہے، خدا سے محبت کرے، ان چیزوں کو محبوب رکھے جن میں خدا کی مرضی شامل ہو اور ان افراد یا اشیاء سے دل لگانے سے اجتناب کرے جو قلب کی سلامتی کے منافی ہیں اور انسان کی سعادت میں رکاوٹ ہیں۔

[۱] مجموعہ درام۔ ج اول، ص ۱۲۶

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

هو القلب الذي سلم من حب الدنيا. [۱]

قلب سلیم وہ دل ہے جو حب دنیا سے پاک ہو۔

اس اور اس جیسی دوسری احادیث میں حب دنیا سے مراد انسانوں کی بیوی بچوں، دکان، سرمائے، گھر اور اس کے اثاثوں اور دیگر دنیاوی معاملات سے عام اور طبعی محبت نہیں ہے کیونکہ محبت کی یہ قسم فطری ہے اور اللہ تعالیٰ نے نظام خلقت کو چلانے کے لئے اس محبت کو تمام انسانوں کی فطرت میں ودیعت کیا ہے اور اسلام اپنی تعلیمات میں ایک خاص حد تک اس کا احترام کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من قتل دون ماله فهو شهيد. [۲]

جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید کا اجر رکھتا ہے۔

مذموم دنیا کی شناخت

وہ دنیا جس سے محبت قابل مذمت ہے اس سے مراد ایسی دنیا ہے جو انسان کو خدا سے غافل کر دیتی ہے اس کی کشش اور جاذبیت لوگوں کو اطاعت الہی سے روکتی ہے، گناہ اور پلیدی کی راہ ہموار کرتی ہے اور انسانوں کی ہلاکت اور تباہی کے اسباب فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دل کی سلامتی سے میل نہیں کھاتی۔ یہ وہ حب دنیا ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ہے:

حب الدنيا رأس كل خطيئة [۳]

دنیا سے وابستگی اور لگاؤ تمام خطاؤں اور انحرافوں کی جڑ ہے۔

[۱] تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۱۹۴

[۲] سفینۃ البحار، ج (شہد)، ص ۲۰

[۳] مجموعہ درام، ج اول، ص ۱۲۸

باب نمبر 16

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَفُّوهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۶﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصُرُوْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ

مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (سورہ صافات آیت ۲۶، ۲۷، ۲۸)

نیند کا عالم اور بیداری

جب انسان گہری نیند میں چلا جاتا ہے تو عالم بیداری اور بیدار افراد سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ خواب میں مختلف مناظر دیکھنے میں غرق ہو جاتا ہے۔ اچانک اس کے اطراف میں ایک زوردار آواز آتی ہے وہ اس آواز کی شدت سے نیند سے بیدار ہو جاتا ہے اور ایک لمحے میں ایک جہان سے دوسرے جہان میں آ جاتا ہے البتہ وہ نہیں جانتا کہ یہ انتقال کس طرح ہو گیا اور کیا عوامل اور اثرات اس کے جسم کے اندر رونما ہوئے کہ یہ انتقال انجام پا گیا۔

انسان یا حیوان جب اتنا سولے کہ اس کی طبعی ضرورت پوری ہو جائے تو خود بخود کسی بے آرامی اور پریشانی کے بغیر جاگ جاتا ہے اور نشاط زندگی کے ساتھ اپنے زندگی کے امور کا آغاز کرتا ہے۔ لیکن وحشت ناک اور خوف ناک آواز سننے کے بعد نیند سے جاگنا غیر طبعی ہے اور یہ بیداری تکلیف دہ اور اعصابی کھچاؤ کا باعث بنتی ہے۔

نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق روزِ محشر لوگوں کو اٹھایا جانا بھی نیند سے جاگنے کی طرح ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ اس موقع پر اٹھنے والے کہیں گے:

يٰۤوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ﴿۱﴾

وائے ہو ہم پر کس نے ہمیں نیند سے بیدار کر دیا؟

وحشت ناک بیداری

البتہ روایات اور آیات کی رو سے یہ بیدار ہونا طبعی اور نشاط آور نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی خوف ناک اور وحشت ناک بیداری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے جس آواز سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنے بستر خاک سے سر

اٹھائیں گے وہ حضرت اسرافیل کے صور کا نغمہ یا شدید چنگھاڑ ہوگی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہوگا۔ وہ نامعلوم اور مجہول چنگھاڑ پروردگارِ عالم کی اجازت اور مشیت سے تعمیری بھی ہے اور لوگوں کو زندہ بھی کرے گا اور اس خوفناک آواز کے اثر کی وجہ سے انسانوں کا اٹھنا دہشت اور خوف و ہراس کی حالت میں ہوگا۔ یہ بات قرآن مجید میں مختلف انداز میں بیان ہوئی ہے:

الْقَارِعَةُ ۙ مَا الْقَارِعَةُ ۙ وَمَا أَذْرِكُ مَا الْقَارِعَةُ ۙ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۙ ﴿١١﴾

کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ اے رسول! آپ کھڑکھڑانے والی کی حقیقت تفصیلی طور پر نہیں جانتے۔ جس دن لوگ پروانوں کے ہجوم کی طرح جو رات کو شمع کے گرد چکر لگاتے ہیں، ناموزوں اور بے مقصد حرکت کریں گے، ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور گروہ گروہ کر کے آگ میں ڈالے جائیں گے۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے:

القارعة اسم من اسماء يوم القيمة لانها تفرع القلوب بالفرع ﴿١١﴾
”قارعة“ قیامت کے اسماء میں سے ہے کیونکہ قیامت اس دن دلوں کو ہلا دے گی اور انہیں شدید خوف و ہراس سے دوچار کر دے گی۔

خوفناک دعوت

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ مِ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكْرٍ ﴿١٢﴾ خُشِعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ
مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿١٣﴾ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ
هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿١٤﴾

جس دن قیامت کا دعوت دینے والا یعنی اسرافیل لوگوں کو ایک وحشت ناک اور اجنبی چیز کی طرف بلائے گا یہ بلا وہ اتنا خوفناک ہوگا کہ اس کی شدت سے آنکھیں احساسِ ذلت سے جھک جائیں

﴿١١﴾ القارعة۔ ۱، ۲، ۳، ۴

﴿١٢﴾ تفسیر مجمع البیان۔ ج ۱ ص ۵۳۳

﴿١٣﴾ القمر۔ ۶، ۷، ۸

گی، لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور ٹڈی دل کی طرح انسان بھی حیرت زدہ اور خوف کی حالت میں حرکت کریں گے اور انہیں اپنی حرکت کی جہت بھی معلوم نہیں ہوگی۔ وہ دعوت دینے والے کی آواز کے پیچھے پیچھے چلتے جائیں گے۔ کفار اس ہیبت ناک صورتِ حال کو دیکھ کر کہیں گے: یہ بڑا سخت اور مشکل دن ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اشد ساعات ابن ادم ثلاث ساعات الساعة التي يعاين فيها ملك الموت
والساعة التي يقوم فيها من قبرة والساعة التي يقف فيها بين يدي الله
تبارك وتعالى فاما الى الجنة واما الى النار۔^[۱]

آدمی کے لئے تین گھڑیاں سخت ترین ہیں۔ پہلی گھڑی وہ ہے جب وہ ملک الموت کو دیکھتا ہے دوسری گھڑی وہ ہے جب وہ قبر سے اٹھے گا اور تیسری گھڑی وہ ہے جب انسان بارگاہِ الہی میں پیش ہوگا اور اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا یا وہ جنت کی طرف جائے گا یا اسے جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

اعمال کی سزا کا خوف

بروز محشر کفار اور ظالمین سخت ترین حالات میں ہوں گے۔ پریشانی، ناراحتی، خوف اور وحشت نے ان کے تمام جسم کا احاطہ کیا ہوگا۔ ان کے لئے پریشانی اور تکلیف کا سبب سے پہلا عامل زندگی کا سیاہ اعمال نامہ اور دنیا میں بجالائے گئے اعمال کی سزا کا خوف ہوگا۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ط۔^[۲]

تم قیامت کے دن ظلم و ستم کرنے والے کو دیکھو گے جو اپنے برے اعمال پر سخت وحشت زدہ ہوں گے لیکن ان کا خوف کسی کام نہیں آئے گا۔ مجبوراً انہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

[۱] حصص صدوق، ص ۱۱۹

[۲] الشوریٰ۔ ۲۲

وسائلِ دنیاوی سے انقطاع

ان کی وحشت اور پریشانی کا دوسرا سبب یہ ہوگا کہ وہ رشتہ داری و وابستگی، دوستی و رفاقت، مال و دولت اور طاقت و قدرت اور وہ تمام وسائل دیکھیں گے تو جو دنیا میں اپنے مقاصد اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ان کے پاس تھے لیکن انہوں نے ان سے اس طرح استفادہ کیا کہ وہ سب ختم ہو گئے اور ان میں سے ایک بھی میدانِ قیامت میں قدر و قیمت نہیں رکھتا ہوگا۔

.....وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۳۷﴾ [۱]

ایک طرف وہ عذاب الہی کا مشاہدہ کریں گے اور دوسری طرف یہ دیکھیں گے کہ تمام دنیاوی وسائل ان کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں۔

سیاہ نامہ اعمال

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ ۗ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيهِ ۗ يَا لَيْتَنِي كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۗ هَلْكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ۗ ﴿۳۸﴾ [۲]

البتہ نامہ اعمال جس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: اے کاش! نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنی حالت سے آگاہ نہ ہوتا۔ اے کاش! دنیا میں موت میرے تمام وجود کو نابود کر دیتی اور اس کے بعد میں نہ ہوتا اور نہ اٹھایا جاتا۔ میں نے دنیا میں جو مال و دولت جمع کیا وہ مجھے آج بے نیاز نہیں کرتا اور دنیا میں میرے پاس جو طاقت تھی وہ مکمل طور پر میرے ہاتھوں سے جا چکی ہے اور اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

مشرکین، کفار اور گناہگاروں کی پریشانی اور اضطراب کا تیسرا عامل یہ ہوگا کہ قیامت میں حاکم مطلق ذاتِ اقدس الہی ہوگی۔ اس کے سامنے کسی قسم کا بہانہ، سازش، مکر و حیلہ، سفارش اور محو حقیقت ممکن نہیں ہوگا اور اس کی درگاہ میں کوئی بھی کسی حیلے بہانے سے اپنے آپ کو اپنے برے اعمال کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ ہر کسی کو سر جھکائے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنا ہوگی۔

[۱] البقرہ-۱۶۶

[۲] الخاقنہ-۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸

ذلت آمیز سزا

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَتَزَهُفُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ
اللَّهِ مِنَ عَاصِيٍّ ۝ [۱]

وہ لوگ جو گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اپنے گناہوں جیسی سزا ذلت و خواری کے ساتھ کہیں گے اور کوئی بھی طاقت انہیں خدا کی ناراضی اور اس کی منصفانہ سزا سے رہائی نہیں دلا سکتی۔

جیسا کہ ہر ملک کے بالغ اور عاقل افراد معاشرے کی عدالت میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا جوابدہ سمجھتے ہیں اور انجام دیئے گئے جرم کے تناسب سے اپنے آپ کو سزا دیتے ہیں۔ اسی طرح دینی اور معنوی لحاظ سے بھی دنیا کے تمام لوگ خالق جہاں کے حضور اپنے اعمال کا جوابدہ ہیں اور قیامت کے دن انہیں مختلف مقامات پر روکا جائے گا تاکہ ہر مقام پر ان کے نامہ اعمال کے کسی ایک باب کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی وہ اعمال کے تناسب سے جزا یا سزا پائیں۔

ایک مقام پر توقف

وَقَفُّوهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُؤُونَ ۝ [۲]

انہیں ایک مقام پر روک لو تاکہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فحاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا عليها فان للقيامة خمسين موقفا كل
موقف مقدار الف سنة ثم تلا "في يوم كان مقداره خمسين الف سنة۔

سورۃ ۴۰، آیت ۴، [۳]

پچاس ہزار سال کا دن

اپنے آپ کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے کیونکہ قیامت میں پچاس موقف (چوکیاں) ہیں اور

[۱] یونس - ۲۷

[۲] والصفۃ - ۲۴

[۳] علم الیقین، ص ۹۱۲

ہر موقف (چوکی) کا وقت ہزار سال ہوگا اس کے بعد آپ نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

اس بات کے پیش نظر کہ ظلم و عدل، حق و باطل، جائز و ناجائز اور مشروع و غیر مشروع وغیرہ اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کے تمام شعبوں میں موجود ہو سکتا ہے اور دینی طور پر تمام لوگوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام موارد میں انہیں ملحوظ رکھیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب اور پوچھ گچھ کے متعدد مواقع ہوں تاکہ ہر چیز کے بارے میں اس کے مخصوص موقف (مقام) پر جانچ پڑتال کی جائے اور مذکورہ حدیث میں امام صادق علیہ السلام نے ان کا مجموعہ پچاس موقف بتایا ہے۔

گناہوں میں فرق

قیامت میں حساب و کتاب سے قارئین محترم کی مزید آگاہی اور ایک حد تک وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ شریعت مقدس کی نظر میں گناہوں میں فرق اور اسی طرح ان گناہوں کے بارے میں لوگوں کی ذمہ داری کے مراتب اور درجات کے بارے میں بعض آیات اور احادیث کی روشنی میں مختصر وضاحت کی جاتی ہے امید ہے مفید اور سود مند ثابت ہوگی۔

ظلم کی تین قسمیں

امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

الظلم ثلاثة: ظلم يغفره الله عز وجل وظلم لا يغفره وظلم لا يدعه فاما
الظلم الذي لا يغفره فالشرك بالله عز وجل واما الظلم الذي يغفره الله
فظلّم الرجل نفسه فيما بينه وبين الله عز وجل واما الظلم الذي لا يدعه
فالمذاينة بين العباد. [۱]

ظلم کی تین قسمیں ہیں: ایک ایسا ظلم ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے لطف و رحمت سے بخش دے گا۔
دوسرا وہ ظلم ہے جو نہیں بخشا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے درگزر نہیں فرمائے گا۔ تیسرا وہ ظلم ہے جسے اللہ

تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ البتہ وہ ظلم جو قابلِ بخشش نہیں ہے وہ شرک با خدا ہے۔ وہ ظلم جو قابلِ عفو ہے وہ ایسا ظلم ہے جو بندے نے اپنے اور اپنے خدا کے مابین اپنے آپ پر کیا ہے۔ اور وہ ظلم جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور اس کا مواخذہ اور باز پرس کی جائے گی لوگوں کے ایک دوسرے پر حقوق اور قرضے ہیں۔

دین مقدس اسلام میں اللہ تعالیٰ سے شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے اور اس بارے میں متعدد آیات اور روایات منقول ہیں۔

ان میں سے قرآن میں منقول لقمان حکیم کا وہ جملہ بھی جو انہوں نے اپنے فرزند سے کہا تھا:

شرک یا نہ بخشا جانے والا گناہ

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾^[۱]

میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے شرک نہ کرو، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ قرآن شریف میں ایک مقام پر آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ ﴿۲۴﴾

بے شک اللہ مشرک کے شرک کو نہیں بخشے گا اور اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ البتہ شرک کے علاوہ گناہوں کو جسے چاہے اور مصلحت سمجھے بخش دے گا اور اپنے عذاب سے چھٹکارا دے گا۔

اسلام میں شرک بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا۔ جس نے شرک اختیار کیا اس نے درحقیقت اپنے اس عمل سے اپنی عقل کی نفی کی، اپنی فکر کو پامال کیا اور مخلوقات الہی میں سے کسی ایک کو پرستش میں خدا کا شرک بنا دیا مثلاً چاند، سورج، سانپ، گائے یا دوسرے فرضی معبود وغیرہ۔ اس نے ان چیزوں میں کسی ایک کی عبادت و بندگی کو اپنا بنا لیا اور یہ ذاتِ اقدس الہی کی بہت بڑی اہانت ہے۔ اسی طرح اس نے اپنی گراں قدر اور محترم عقل کے ساتھ بھی برا سلوک۔ ایسا گناہ بارگاہِ الہی میں قابلِ بخشش نہیں ہے اور ایسا گناہ گار حتماً عذابِ الہی کا مزہ چکھے گا۔ انہی مطالب کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

[۱] لقمان - ۱۳

[۲] النساء - ۴۸

حق بغیر از شرک از ہر کس کہ خواست
 ہر گناہی را بنجشد گر سز است
 و آنکہ بگر فتہ است انبازی بہ او
 برگناہی بس بزرگ آورده رو
 شرک اندر نزد اہل معرفت
 ذنب بنود سوء ذاتست و صفت
 گفت ز آئرد ذنب را مخشم تمام
 یک مشرک نیست مغفور راز کلام
 شرک انکار از وجود واجبت
 فی زبونی کان بر رحمت جاذبت

دینی اعتبار سے قابل توجہ بات یہ ہے کہ گناہ شرک کے علاوہ مشرک کے دوسرے اعمال کا حساب و کتاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرک کا ناقابل بخشش گناہ ہی مشرک کے دائمی عذاب اور اس کی ابدی سزا کے لئے کافی ہے۔ یہ نکتہ آئمہ علیہم السلام کی روایات میں مذکور ہے۔

اہل شرک کے متعلق امام کا قول

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اعلموا عباد اللہ ان اهل الشرك لا تنصب لهم الموازين ولا تنشر لهم

الدواوين وانما تنشر الدواوين لاهل الاسلام۔^[۱]

اے اللہ کے بندو! جان لو کہ قیامت کے دن مشرکین کے لئے ترازو اور میزان نہیں لگائے جائیں گے

اور ان کے اعمال کے حساب و کتاب کے لئے ان کا نامہ اعمال نہیں پڑھا جائے گا۔ نامہ اعمال

موجودین کا کھولا جائے گا جو دنیا میں اللہ کی وحدانیت کے سامنے سر تسلیم خم تھے۔

قابل عفو ظلم اپنے نفس کے ساتھ ظلم ہے یعنی ایسا ظلم جو انسان اپنے اور خدا کے درمیان انجام دیتا ہے اور اس میں کسی

دوسرے کے حقوق پر تجاوز نہیں کرتا ایسے ظلم میں صاحب حق اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ یہ لوگ احکام الہی کی خلاف ورزی

[۱] امالی صدوق، جلد ۷، ص ۳۰۳

پر عذاب کے مستحق ہیں لیکن جن موارد میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی عفو و رحمت کا سایہ کرنا چاہے ان کے گناہ کو بخش دے گا اور انہیں عذاب سے رہائی دے دے گا۔

ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

اذا دخل اهل الجنة الجنة باعمالهم فاین عتقاء الله من النار ان الله عتقاء
من النار۔^[۱]

اگر صرف نیک لوگ اپنے اعمالِ حسنہ کی بناء پر جنت میں جائیں تو پھر اللہ کی طرف سے بخشے جانے والے کہاں ہوں گے؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا: کچھ لوگ عذابِ الہی کے مستحق ہونے کے باوجود جہنم کی آگ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا، یہ افراد اللہ کے آزاد کردہ ہوں گے۔

وہ ظلم جس کا پورا پورا حساب ہوگا اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جائے گا۔ وہ لوگوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور یہ بات بہت سی روایات میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ آئمہ علیہم السلام نے مختلف مواقع پر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

لوگوں کے مالی حقوق

افراد کے ایک دوسرے کے ذمے مالی حقوق، ان حقوق العباد میں سے ہیں جن پر قیامت کے دن سخت مواخذہ اور حساب ہوگا۔ خواہ یہ مال شرعی طریقے کسی کے ذمے ہو مثلاً قرض، غیر نقدی معاملہ وغیرہ، خواہ غیر شرعی کے ذریعے سے ہوں مثلاً چوری، کم فروشی وغیرہ۔ اس کی جو بھی صورت ہو اللہ تعالیٰ حقوق العباد سے درگزر نہیں کرے گا جب تک صاحبانِ حق راضی نہیں ہوں گے یہ مالی حساب و کتاب صاف نہیں ہوگا۔
امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

كل ذنب يكفره القتل في سبيل الله الا الدين فانه لا كفارة له الا اداؤه او
يقضى صاحبه او يعفو الذي له الحق۔^[۲]

[۱] امالی شیخ طوسی، ج اول، ص ۱۸۲

[۲] وسائل، کتاب تجارت، باب وجوب قضاء دین، ص ۱۹۰

خدا کی راہ میں قتل ہونا ہر گناہ کا کفار ہے مگر قرض یا مالی ادائیگی کا نہیں۔ کیونکہ قرض کا کفارہ نہیں ہے مگر یہ کہ مقروض خود اس کو ادا کر دے یا اس کے مال میں سے ادا ہو جائے یا مقروض کا دوست اس کی طرف سے ادا کر دے یا صاحب حق اپنا یہ حق مقروض کو معاف کر دے۔

شہید اور قرضہ

حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

لقد صلى رسول الله بأصحابه ذات يوم فقال ما هيئنا من بني اللجاء احد
وصاحبهم محتبس على باب الجنة بثلاثة دراهم لفلان اليهودي وكان
شهيذاً. [1]

ایک دن رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی اور فرمایا: یہاں پر بنی نجار میں سے کوئی ہے؟ ان کا دوست جنت کے دروازے پر روک کر گرفتار کر لیا گیا ہے اور اسے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی کیوں وہ فلاں یہودی کا تین درہم کا مقروض ہے اگرچہ مقروض شہداء میں سے ہے اور راہ خدا میں قتل کیا گیا ہے۔

معاویہ بن وہب روایت کرتے ہیں:

قلت لابي عبد الله عليه السلام بلغنا ان رجلا من الانصار مات وعليه
دين فلم يصل عليه النبي (ص) وقال لا تصلوا على صاحبكم حتى يقضى
عنه الدين فقال عليه السلام ذلك حق ثم قال عليه السلام: انما فعل
رسول الله صلى الله عليه وآله ذلك ليتعاطوا الحق ويؤدى بعضهم الى
بعض ولئلا يستخفوا بالدين. [2]

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ انصار میں سے ایک مقروض شخص فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور فرمایا: جب

[1] احتجاج طبرسی، ج اول، ص ۳۳۳

[2] سفینہ (دین) ص ۷۷

تک قرض ادا نہ ہو جائے دوسرے بھی نماز نہ پڑھیں۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: یہ خبر صحیح ہے رسول اکرمؐ نے یہ طرز عمل اختیار کیا تا کہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان گردش کرتا رہے۔ بعض افراد دوسروں کا قرضہ ادا کریں اور لوگ قرض کے مسئلے کو معمولی نہ سمجھیں۔

امام اور قرض متونی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اللہؐ سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا:

ایما مؤمن او مسلم مات و ترک دینا لم یکن فی فساد ولا اسراف فعلی
الامام ابن یقظیہ۔ [۱]

ہر مسلمان اور مومن جو مرے اور اس کے ذمے قرض ہو اگر یہ قرض حرام اور برے کاموں فضول خرچی یا اسراف یا فساد آمیز امور کے لئے نہ کیا گیا ہو تو امام کو یہ قرض ادا کرنا چاہیے۔

ان چند روایات اور ان جیسی دوسری روایات سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی قوانین میں لوگوں کے مالی حقوق کی طرف پوری توجہ دی گئی ہے یہاں تک کہ اگر مقروض مرجائے اور اس کا کوئی مال نہ ہو اس کے دوست احباب اور رشتہ دار بھی قرض کی ادائیگی میں تعاون نہ کریں تو اس صورت حال میں اگر اس نے یہ قرض برائی اور اسراف میں خرچ نہ کیا ہو تو امام کو چاہیے کہ بیت المال سے ادا کرے۔

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قیامت میں متعدد مقامات و مواقف ہیں۔ لوگوں کی اعتقادی اخلاقی، عبادی اور عملی لحاظ سے مختلف امور میں بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں اور ان میں ہر ایک کا مخصوص مقام پر حساب لیا جائے گا۔ یہاں پر مزید آگاہی کے لئے قیامت کے بعض مواقف اور ان کے مطالب کے بارے میں چند روایات کا ذکر کرنا مناسب رہے گا۔

عمر اور جوانی کے بارے میں سوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تزول قدما عبد یوم القیامة حتی یسئل عن اربع عن عمره فیما افناہ و
عن شبابه فیما ابلاہ وعن ماله من این اکتسبه و فیما انفقہ وعن حینا اهل

البیت۔ [۱]

قیامت کے دن کوئی بھی اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک چار سوالوں کے جواب نہ دے لے۔ پہلا سوال اس کی زندگی کے متعلق ہوگا کہ اسے کس راستے پر گزارا اور اسے کس طرح ختم کیا۔ دوسرا سوال جوانی کے بارے میں ہوگا کہ جوانی کیسے اور کس راستے پر گذاری۔ تیسرا سوال مال و دولت کے بارے میں کیا جائے گا کہ اسے کس طریقے سے حاصل کیا اور کس راستے میں خرچ کیا۔ چوتھا سوال اس سے اہلیت سے محبت اور دوستی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

پہلا اور دوسرا سوال زندگی اور دوران جوانی سے مربوط ہے اگرچہ جوانی پوری عمر کا ہی حصہ ہے اور عمر کے بارے میں پرستش سے جوانی کا ذکر بھی ہو جاتا ہے لیکن نبی اکرمؐ نے عمر کے ساتھ ساتھ جوانی کا جدا طور پر ذکر کیا ہے اور اس کو مشخص کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام زندگی میں جوانی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ گراں قدر گوہر اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ جدا گانہ اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اس کے لئے یہی مناسب ہے کیونکہ جوانی اجتماعی زندگی کا آغاز ہے۔ جوانی کے ایام میں انسان اپنی خود سازی کرتے ہیں، تمام زندگی کے لئے راستے کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنی شخصیت کو اپنے منتخب راستے کے مطابق استوار کرتے ہیں۔ لہذا جوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ جوانی کو عنایت سمجھیں اس قسمت ساز دور کو اپنی ترقی اور تکامل کے لئے زیادہ سے زیادہ بروئے کار لائیں اور قیامت میں فرشتوں کے حساب لینے سے پہلے دنیا میں ہی اس جوانی کا محاسبہ کریں۔

مالی امور کے متعلق سوال

مذکورہ حدیث میں تیسرا سوال مالی امور سے مربوط ہے قیامت میں مسئول شخص سے پوچھا جائے گا کہ اپنے اموال کو کس طرح اور کس ذریعے سے حاصل کیا اور کن جگہوں پر خرچ کیا۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ مال کا مسئلہ تمام انسانوں کی زندگی کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پورے عالم میں بعض انفرادی اور اجتماعی خوش بختیاں اور بد بختیاں لوگوں کے پیشے اور اس کی کیفیت سے وابستہ ہیں یا ان کے اخراجات کی کیفیت اور مصارف کی انواع سے مربوط ہیں یا ان دونوں سے مربوط ہیں۔

دین اسلام میں آمدنی اور اخراجات اور اس کے معاشرے کی ترقی اور انحطاط پر اثرات کے بارے میں مکمل توجہ

دی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لئے بعض روایات میں یاد دلایا گیا ہے کہ آمدنی اور اخراجات میں حق و قانون کی پابندی کرنا اسلام اور مسلمین کی بقاء کا باعث ہے اور اسے ملحوظ نہ رکھنا ان کی فناء کا سبب بن سکتا ہے۔

معاشرہ اور دولت کے اثرات

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ان بقاء المسلمین و بقاء الاسلام ان تصیر الاموال عند من يعرف فیها الحق و یصنع فیها المعروف و ان من فناء المسلمین و فناء الاسلام ان تصیر الاموال عند من لا يعرف فیها الحق و لا یصنع فیها المعروف. [۱]

اسلام اور مسلمانوں کی بقاء اس میں ہے کہ دولت کی گردش ان افراد کے ہاتھوں میں ہو جو مال و ثروت کے بارے میں حق و قانون کا علم رکھتے ہوں اور انہیں صحیح اور جائز ذرائع میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اسلام و مسلمانوں کے انحطاط اور ہلاکت کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ مال و دولت کی گردش حق اور قانون کے جاہلوں کے ہاتھوں میں ہو اور وہ انہیں غیر شرعی اور غلط راہوں پر خرچ کرتے ہوں۔

غلط و حرام پیشے

اسلامی قوانین میں ہر وہ کام اور پیشہ جو ایک یا چند جہتوں سے معاشرے کی ترقی و سعادت کے لئے نقصان دہ ہو اور لوگوں کو برائی اور تباہی کی طرف کھینچ لے جائے اسے حرام قرار دیا گیا ہے اور شارع مقدس نے ایسی تجارت اور معاملات کو باطل قرار دیا گیا ہے شراب، جوا، فحشاء، چوری، رشوت وغیرہ۔ اسی اساس پر ان ذرائع سے ہاتھ آنے والی رقم حرام ہے اور ان ذرائع میں رقم خرچ کرنا ممنوع ہے۔ قرآن شریف نے مسلمانوں کو اس سے خبردار کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [۲]

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے اموال کو غیر شرعی معاملات کے ذریعے استعمال نہ کرو اور انہیں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

[۱] مستدرک، ج ۲، ص ۳۹۳

[۲] النساء ۲۹۔

جو ادور جاہلیت میں

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

عنى بها القمار وكانت قریش تقاموا الرجل باهله وماله فنهاهم الله عن ذلك. [۱]

جو ان امور میں سے ہے جن کا اس آیت میں ذکر ہے کیونکہ دور جاہلیت میں قریش اس میں بہت زیادہ ملوث تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض تو اموال کی طرح اپنی عورتوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس باعث شرم اور ننگ آور عمل سے منع فرمایا ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے ”اکل بہ باطل“ کے چند موارد ذکر فرمائے ہیں جو مذکورہ آیت میں بیان کیا ہے:

”الرباء والمقار والبخس والظلم۔“ [۲]

سود خوری، جو بازی، کم فروشی اور ظلم کی کمائی۔

مقروض کی موت کے بعد پریشانی

مختصر یہ کہ مال و دولت کا آمدنی کے ذرائع اور اسی طرح اس کے مصرف کی کیفیت کے لحاظ سے تیسرا سوال ہے جو حدیث رسولؐ میں بیان ہوا ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور حساب لیا جائے گا۔ وہ اشخاص جو دوسروں کے مقروض تھے اور فوت ہو گئے اور ان کی موت کے بعد کسی نے ان کے قرضوں کو ادا نہ کیا اور وہ بری ذمہ نہ ہوئے وہ اس دن سخت پریشان اور مضطرب ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ حقوق العباد سے چشم پوشی نہیں فرماتا اور جب تک صاحبان حق کی رضایت سے تصفیہ حساب نہ ہو جائے انہیں معاف نہیں کرتا اور اس طرح کا سخت محاسبہ ان لوگوں کے لئے بہت سخت اور ناقابل تحمل ہوگا جو دنیا میں دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے تھے اور ان کے مقروض تھے۔

جو افراد دوران زندگی کبھی کبھار دوسروں کے مقروض ہو جاتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ پہلی فرصت میں اپنے قرضوں کو ادا کریں اور بری ذمہ ہو جائیں اگر خود ایسا نہ کر سکیں تو وصیت کریں اور اپنے ایماندار وصی سے کہیں گے کہ میری موت کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو میرے باقی اموال میں سے حساب کر کے قرض ادا

[۱] تفسیر صافی، ۱۱۸،

[۲] تفسیر صافی، ص ۱۱۸

کردے عالم برزخ کے عذاب سے رہائی دلائے۔

البتہ مولا امیر المؤمنین علی علیہ السلام اسے ترجیح دیتے ہیں کہ انسان جن کاموں کے بارے میں چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی موت کے بعد انجام دیں وہ خود اپنی زندگی میں انہیں انجام دے۔ کیونکہ سچا مومن جو روزِ جزا کے سوال و جواب پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی بھی ہمدرد و صی سے بہتر عمل کرتا ہے اور دوسروں کے قرضوں کی ادائیگی اور اپنے آپ کو ان حقوق سے بری الذمہ کرنے میں پس و پیش سے کام نہیں لیتا بلکہ اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔

اپنے خود و صی بنو

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

يَابْنَ اَدْمَ كُنْ وِصِي نَفْسِكَ فِي مَالِكَ وَاَعْمَلْ فِيهِ مَا تَوْثِرُ اَنْ يَعْمَلَ فِيهِ مِنْ

بَعْدَكَ. [۱]

اے فرزند آدم! تم اپنے اموال میں خود اپنے وصی بنو جو تم چاہتے ہو کہ تمہاری موت کے بعد انجام پائے اسے خود اپنی زندگی میں انجام دو۔

عنبسہ بن مصعب کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں وعظ و نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

اعْدِ زَادَكَ وَهَيِّئْ جِهَازَكَ وَكُنْ وِصِي نَفْسِكَ وَلَا تَأْمُرْ غَيْرَكَ بِرِسْلِ الْيَكِّ بِمَا

يَصْلِحُكَ. [۲]

اپنے سفر کے لئے زادِ راہ مہیا کرو اور اس راستے میں جن اشیاء کی ضرورت ہے انہیں تیار کرو۔ اپنے خود و صی بنو اور دوسرے سے نہ کہو کہ وہ تمہاری موت کے بعد تمہارے لئے باعثِ سعادت اشیاء تمہارے لئے بھیجے۔

بنی امیہ کا منشی

علی بن حمزہ کہتے ہیں: میرا ایک دوست تھا جو بنی امیہ کی حکومت میں منشی تھا ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا: میرے

[۱] نوح البلاغ، ج ۲، ص ۲۵۳

[۲] مشکوٰۃ الانوار، ج ۲، ص ۷۲

لئے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اجازت لیں کہ میں ان کی خدمت میں شرفیاب ہوں۔ میں نے ان کے لئے اجازت حاصل کی اور وہ وقت مقررہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سلام کیا اور بیٹھ گیا اس کے بعد اس نے عرض کی: میں بنی امیہ کے دیوان میں کام کرتا ہوں اور میں نے مختلف ذرائع سے بہت سا مال و ثروت جمع کیا ہے۔ یہاں پر امام علیہ السلام نے اس کی بات کاٹ کر فرمایا: اگر لکھنے والے، ٹیکس وصول کرنے والے، جنگ کرنے والے اور (ان کے پیچھے) نماز جماعت میں شرکت کرنے والے بنی امیہ کے ارد گرد جمع نہ ہوتے تو وہ ہمارا حق غصب نہ کرتے۔ اگر لوگ انہیں ٹھکرادیتے اور اپنے اموال سے ان کی مدد نہ کرے تو وہ ہرگز طاقت ور نہ بنتے اور یہ غلط اعمال بجا نہ لاتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو کے بعد منشی نے دوبارہ اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا: کیا میرے لئے اپنے آپ کو ان ناجائز اموال سے خلاص بچانے کا کوئی طریقہ ہے کہ میں اس سے بری الذمہ ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا: وہ تمام اموال جو تم نے بنی امیہ کی حکومت کی نوکری میں حاصل کئے ہیں۔ انہیں واپس کر دو اور وہ مال جن کے مالکوں کو تم نہیں جانتے اسے صدقہ دے دو۔ اگر تم اس کام کو انجام دو تو میں تمہاری جنت کا ضامن ہوں۔ منشی نے اپنا سر جھکا دیا کچھ دیر فکر کرنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر عرض کیا: آپ نے جو حکم فرمایا ہے میں اس پر عمل کروں گا۔

ابن حمزہ کہتے ہیں بنی امیہ کا منشی میرے ساتھ کوفہ واپس آ گیا اور امام کے فرمان کے مطابق اپنی تمام ملازمت کے دوران میں کمائے ہوئے اموال یہاں تک کہ جو کپڑے اس نے پہنے تھے کے بارے میں اقدام کیا۔ ان میں جو چیزیں معلوم اشخاص کی تھیں ان کو واپس کر دیا اور مال کا وہ حصہ جن کے مالک جہول و نامعلوم تھے اسے صدقہ دے دیا۔ یہاں تک کہ اپنے استعمال کے لئے کپڑے بھی باقی نہ بچائے۔

ابن ابی حمزہ کہتے ہیں کہ میں اور چند دیگر دوستوں نے کچھ رقم جمع کی، اس میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور باقی رقم روزانہ کے اخراجات کے لئے اس کے حوالے کی۔ چند ماہ گزرے تھے کہ وہ مریض ہو گیا۔ میں مسلسل اس کی عیادت کرنے جاتا تھا۔ آخری دن جب اس سے ملاقات کے لئے گیا تو وہ اختصار کی حالت میں تھا ایک لمحہ کے لئے اس نے آنکھیں کھولیں مجھے دیکھا اور کہا:

یا علی و فی لی واللہ صاحبک ثم مات فولینا امرہ فخرجت حتی دخلت علی ابی
عبد اللہ علیہ السلام فلما نظر الی قال یا علی وفینا واللہ لصاحبک فقلت
جعلت فداک ہکذا قال لی واللہ عند موتہ۔ [۱]

اے علی! اللہ کی قسم تیرے مولانا نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے وفا کر دیا۔ یہ کہنے کے بعد وہ فوراً چل بسا۔ ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کر دیا۔ اس کے بعد جب میں مدینے واپس آیا اور امام کی خدمت میں شرف یاب ہوا، جو نبی امام کی نظر مجھ پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا: اے علی! حق کی قسم جو وعدہ تیرے دوست کے ساتھ کیا میں نے اسے نبھا دیا ہے۔

حب اہل بیت

حدیث رسولؐ میں مذکور ہے، چوتھا سوال جس کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ حب اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں ہے اور یہ مسئلہ اسلام کے اہم ترین اعتقادی مسائل میں سے ہے اور قرآن شریف نے اس بارے میں فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ [۱]

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو کہ میں اپنی رسالت کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اہل بیت اور قرابت داروں سے مودت (محبت و دوستی) رکھو۔

اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرمؐ سے اہل سنت اور شیعہ سے روایات نقل ہوئی ہیں کہ مودت قربی سے حب اہل بیت علیہم السلام مراد ہے اور یہاں پر اختصار کے پیش نظر اہل سنت اور شیعہ کی صرف دو دو احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں زنجبیری نے تفسیر کشف میں، بیضاوی نے تفسیر انوار التنزیل میں، سیوطی نے تفسیر در المنثور میں نیز متعدد دیگر مفسرین نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

جن کی مودت واجب ہے

رَوَىٰ عَنْهَا لَهَا نَزَلَتْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قَرَابَتِكَ هَوَاءَ الَّذِينَ وَجِبَتْ

مَوَدَّتْهُمْ عَلَيْنَا قَالَ: عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا۔

روایت کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اقربا کون ہیں کہ جن کی مودت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اکرمؐ نے اس آیت ”لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى“ کی تفسیر اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ان تحفظوني في اهل بيتي وتودوهم بي۔^[۱]

یعنی اس سے مقصود یہ ہے کہ میرے اہل بیت کی حدود کے محافظ رہو اور ان سے میری خاطر محبت کرو اور دوست رکھو۔

امام باقر علیہ السلام نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا:

هم الائمة عليهم السلام۔^[۲]

آیت میں اقرباء سے مراد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اہل بصرہ مذکورہ آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جواب دیا گیا:

اصحاب کسا

انهم يقولون انها لا قارب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال

كذبوا۔ انما نزلت فينا خاصة، في اهل البيت في علي وفاطمة والحسن

والحسين عليهم السلام اصحاب الكساء۔^[۳]

وہ کہتے ہیں کہ مراد پیغمبر اسلامؐ کے اقربا اور رشتہ دار ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے، یہ آیت فقط ہم

اہل بیت، اصحاب کساء یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی مودت ایک اسلامی فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر واجب کیا گیا ہے اور

اس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے تاکہ ہم اس الہی حکم کی معنوی اہمیت اور حیثیت سے کسی حد تک آگاہ ہو جائیں اور مودت

اہلبیت کی وجہ سے اسلام کے پیروکاروں کی سعادت مندی میں جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان سے واقف ہو جائیں۔ یہاں

پر مناسب ہے کہ موضوع کی کچھ وضاحت کی جائے۔

[۱] تفسیر درالمشور، ج ۶ ص ۷

[۲] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۱۲۱

[۳] تفسیر صافی، ص ۳۸۰

قرآن مجید میں سورہ شعراء کی آیات ۱۰۹، ۱۳۵، ۱۶۴، ۱۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی زبان سے دین خدا کی تبلیغ اور نبوت کے مسئلے میں درج ذیل جملے کا تکرار کیا ہے۔

پیغمبر اسلام کا اجر

وما استلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔

میں رسالت اور خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے کی اجرت تم سے نہیں مانگتا بلکہ میرا جزو عالمین کے پروردگار کے ذمے ہے۔

لیکن حضور اکرمؐ کی جب باری آتی ہے تو قرآن کریم کے بات کرنے کا انداز بدل جاتا ہے اور خدا فرماتا ہے۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ

اے رسول! کہہ دو میں تم سے رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اہلبیت سے مودت رکھو۔

اہل سنت کی روایات

نبی اکرمؐ نے اپنے تمام دور رسالت میں اہل بیت کے اعلیٰ و ارفع مقام اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ان کی رہبری کے بارے میں بہت سے مطالب بیان فرمائے جن کا ذکر سنی اور شیعہ کتب میں آیا ہے۔ اس فعل میں ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ سمجھدار اور منصف مزاج افراد ان روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے کسی حد تک اہلبیت کی حقیقی اہمیت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ اس بات کی طرف بھی متوجہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی دوستی اور مودت کو مسلمانوں کے فرائض میں سے کیوں قرار دیا۔

علماء اہل سنت میں سے تین بڑے علماء مسلم، ترمذی اور نسائی نے اپنی کتابوں میں زید بن ارقم سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے لوگوں سے فرمایا:

ذکرکم اللہ فی اہل بیئتی۔

[۱] الشوریٰ - ۲۳

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۶، ص ۷

کتاب و عترت کی امانت

جلال الدین سیوطی نے درالمشور میں سنی علماء میں سے ترمذی اور ابن الانباری سے زید بن ارقم کی حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

انی تارك فيكم ما ان تمسكنم به لن تضلوا بعدى احدهما اعظم من
الاخر كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض وعترتي اهل بيتي ولن
يتفرقا حتى يردا على المحوض فانظروا كيف تخلفوني فيهما. [1]

میں تمہارے درمیان ایک چیز بطور امانت چھوڑتا ہوں اگر تم اس سے وابستہ رہے تو ہرگز گمراہ نہیں
ہوگے۔ اس امانت کے دو جزء ہیں ان میں سے ایک جز دوسرے سے عظیم تر ہے۔ کتاب الہی وہ طویل
رسی ہے جو آسمان سے زمین تک کھینچی گئی ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ دو ایک
دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت میں مجھ تک حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس خیال
رکھو کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرو گے۔

اس حدیث میں اور اس کی مانند دیگر احادیث میں رسول اللہ نے اہل بیت کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے، انحراف
اور گناہ سے ان کی معصومیت کو ثابت کیا ہے، حضرت باری تعالیٰ کے حکم سے ان کی مودت کو تمام مسلمین پر واجب قرار دیا ہے
اور نہایت واضح انداز میں یاد دلایا ہے کہ قرآن کریم اور اہل بیت ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یعنی ان کی رفتار
اور گفتار ہمیشہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ہے اور اگر لوگ قرآن اور اہل بیت سے وابستہ ہو جائیں اور صحیح طور پر ان کی
پیروی کریں تو وہ کبھی ضلالت و گمراہی سے دوچار نہیں ہوں گے۔

ایک سوال

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مودت اور عداوت اور اسی طرح دوستی اور دشمنی دو نفسیاتی حالتیں
اور دو غیر اختیاری امر ہیں، اللہ تعالیٰ نے کس طرح لوگوں کو ایک چیز کا حکم دیا اور دوسری چیز سے منع کیا جب کہ وہ چیز ان
کے اختیار میں نہیں۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ اہل بیت سے دلی طور پر محبت کریں اور اپنے ضمیر کو ان کی دشمنی سے پاک
رکھیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس نفسیاتی حالت کو دین کی تعلیمات میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ رسول اکرم کے

[1] تفسیر درالمشور، ج ۶، ص ۷

فرمان کے مطابق روز جزا کے دن لوگوں کو ایک مقام پر روک لیا جائے گا اور ان سے مودت اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اختیار کی وضاحت

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک چیز بذات خود ہمارے اختیار میں نہ ہو۔ لیکن اس کے مقدمات اور شرائط جو اس غیر اختیاری امر کے وقوع کا موجب ہیں۔ ہمارے اختیار و ارادہ کے تحت ہوں تو عقلاً عالم ایسے کام کو انسان کے اختیار میں سمجھتے ہیں اور اس غیر اختیاری عمل کو اس شخص سے منسوب کرتے ہیں جس نے اس کے وقوع پذیر ہونے کے لئے شرائط اور مقدمات کو فراہم کیا اور عموماً جو کام خلقت کے تکوینی نظام اور اس کے ناقابل تغیر قوانین کی بنیاد پر انجام پاتے ہیں۔ وہ اسی قسم کے ہیں۔

مثال: اگر کوئی شخص چھ منزلہ عمارت کی چھت پر چلا جائے اور اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ، آگاہ طور پر چھت سے فضا میں چھلانگ لگا دے تو وہ نیچے گر کر ہلاک ہو جائے گا اور اس کی بڑی پلمی ایک ہو جائے گی۔ دنیا کے تمام عاقل انسان یہی کہیں گے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو عمل اس نے اپنے اختیار و ارادے کے ساتھ انجام دیا ہے وہ اپنے آپ کو چھت سے فضا میں گرانا تھا اور یہ کام اس کی موت کا اصلی سبب نہیں بلکہ اس کی موت زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ اس کشش نے اسے فضا سے اپنی طرف کھینچا ہے اور سختی کے ساتھ زمین پر دے پٹھا ہے اور یوں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ کشش ثقل نظام خلقت کے تکوینی قوانین میں سے ہے جو زبردستی اجراء ہوتے ہیں اور انسانوں کے اختیار میں نہیں لیکن چونکہ خودکشی کرنے والے نے اس غیر اختیاری امر کے وقوع کی شرائط اور مقدمات اپنے اختیار و ارادے سے فراہم کر دیئے اور عمداً اپنے آپ کو فضا میں گرادیا یوں اس نے اس عمل سے اپنے آپ کو کشش ثقل کے حوالے کر دیا جس کا نتیجہ اس کی موت کی صورت میں نکلا۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کی ہے اور اپنی آگاہی پر مبنی فیصلے کے ذریعے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

مودت معرفت کے بعد

مودت اہل بیت اگرچہ نفسیاتی لحاظ سے ہماری دسترس میں نہیں لیکن ان کے حق سے آگاہی اور معرفت مودت کے تحقق پذیر ہونے کی شرط ہے جو ہمارے بس میں ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اہلبیت کو اس طرح پہچان لے جس طرح نبی اکرمؐ

نے ان کا تعارف کرایا ہے تو وہ ان کے حق سے آگاہ ہو جائے گا، ان کی حقیقی قدر و منزلت سے آشنا ہو جائے گا، وہ حتماً اپنے دوستی و محبت کے جذبے کے تحت ان کا دوست و محب بن جائے گا اور حب ذات کی کشش ان کی مودت کا پیش خمیہ ہوگی کیونکہ وہ اہل بیت کی ہدایت اور راہنمائی کے ذریعے سچے اسلام کا پیرو بن جائے گا۔ وہ اپنی ابدی سعادت پالے گا اور اپنے انسانی کمال تک پہنچ جائے گا اور ان کی ہدایت سے انحراف اور مخالفت کی وجہ سے حقیقی اسلام سے دور ہو جائے گا، ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور آ کر ہلاکت و تباہی سے دوچار ہو جائے گا۔ بے شک اگر ایک مسلمان انسان ایسے اہل بیت سے واقف ہو جائے اور اسے ان کے حق کی پہچان ہو جائے تو وہ حتمی طور پر ان کے دوستوں میں سے ہو جائے گا۔ اور وہ ایسے افراد سے بے اعتنائی اختیار نہیں کر سکتا جو اس کی ابدی سعادت کا سرمایہ ہیں۔

ایک روشن مثال

رسول اکرمؐ کی احادیث میں اہل بیت علیہم السلام اور مسلمانوں کے ان سے تمسک کے بارے میں ایک مثال دی گئی ہے جو رابطہ معرفت و محبت کو واضح کرتی ہے۔ قارئین کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی بات کو اچھی طرح واضح کرنے کی خاطر مثال سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ بہتر انداز میں اور زیادہ سے زیادہ زیر بحث مسئلہ کو سمجھ سکیں۔

آپ ایک ساحلی شہر میں رہنے والے شخص کا تصور کریں جو ہر وقت مسافروں اور سامان بھری کشتیوں کو ساحل پر لنگر انداز ہوتے اور مسافر اتارتے اور بٹھاتے، سامان اتارتے یا چڑھاتے دیکھتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ ان کشتیوں سے کسی قسم کا ربط اور وابستگی نہیں رکھتا اس لئے وہ ہر روز ان کے قریب سے بے اعتنائی سے گذر جاتا ہے وہ کشتیوں کے ہونے یا نہ ہونے اور ان کے مالکوں کے نفع و نقصان کے بارے میں نہیں سوچتا۔

اگر یہی شخص ایک دن بحری سفر کے لئے ان میں سے کسی ایک کشتی میں سوار ہو جائے اور سمندری راستے پر چل پڑے طبعی طور پر وہ کشتی سے مانوس ہو جائے گا اس طرح کہ اگر سمندر کے وسط میں کوئی سانحہ پیش آجائے اور فی نقص کی وجہ سے کشتی معرض خطر میں پڑ جائے تو یہ شخص غمگین اور سخت پریشان ہو جائے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی بقاء کشتی کی بقاء سے وابستہ ہے اور اس کی زندگی اور سلامتی کشتی کے سالم رہنے میں ہے چونکہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اس لئے کشتی جو اس کی محافظ ہے، سے بھی اسے محبت کرنی چاہیے۔

محبت حب ذات کی بنیاد پر

اگر سمندر کے وسط میں کوئی اسے یہ کہے کہ کشتی سے توجہ ہٹا لو اور اس سے رابطہ منقطع کر لو کہ تمہیں ہم اس سے جدا

کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں سمندر میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس پر وہ شدید غصے میں آجائے گا، وہ نہ صرف ایسا کام نہیں کرے گا اور کشتی سے جدا نہیں ہوگا بلکہ اپنی تمام قوت و توانائی صرف کرے گا کہ کسی طرح اپنی جان ان سے چھڑالے اور اسی طرح کشتی میں رہے تاکہ سمندر کی موجوں کا نشانہ نہ بنے اور ہلاکت و نابودی سے دوچار نہ ہو۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس بیکراں سمندر میں صرف یہی کشتی اس کا وسیلہ نجات ہے۔ یہ کشتی ہی ہے جو اسے خوف سے رہائی دلا سکتی ہے اور اسے ساحل نجات تک پہنچا سکتی ہے۔

رسول اکرمؐ نے اپنی بعض احادیث میں اہل بیت علیہم السلام کو نجاتِ مسلمین کے لئے کشتی سے تشبیہ دی ہے۔

کشتی نوحؑ کی مثال

حضرت رضا علیہ السلام نے اپنے اجداد سے انہوں نے امیر المؤمنین سے اور انہوں نے رسول اکرمؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجی ومن تخلف منها زح فی

النار۔^[۱]

میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اسے ترک کیا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

مختصر یہ کہ یہ مودت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت پیغمبر اکرمؐ اور لوگوں کے دینی فرائض میں سے مسلمانوں کی نجات سعادت اور ان کی ہدایت کے لئے قرار دیا ہے۔ درحقیقت محبت اہل بیت علیہم السلام کا فائدہ خود لوگوں کو پہنچتا ہے اور یہی بات قرآن شریف اور روایات میں بیان ہوئی ہے۔

قل ماسئلتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی الله وهو علی کل شیء

شہید۔^[۲]

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو جو کچھ میں نے تم سے اجر رسالت مانگا ہے وہ تمہارے ہی لئے فائدہ مند ہے اور میرا اجر تو خدا پر ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ و واقف ہے اور وہ میری بات کی سچائی اور خلوص نیت

[۱] سفینہ، ج ۱، (مشن) ص ۲۳۰

[۲] تفسیر صافی، ص ۲۳۳

کو جانتا ہے۔

اصول کافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اجر المودة الذي لم اسئلكم غيره فهو لكم تهتدون به وتنجون من عذاب يوم القيامة. [۱]

اجر مودت کہ اس کے علاوہ میں نے تم سے کوئی اجر نہیں چاہا اس میں تمہارے لئے ہی فائدہ ہے کیونکہ اس اجر سے تم اہل بیت کی مودت سے ہدایت پا جاؤ گے اور عذاب آخرت سے نجات حاصل کر لو گے۔

عوام اور اہلبیت

اہل بیت علیہم السلام کی نسبت سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس نے رسول اکرمؐ کے فرمان کی پیروی کی۔ اہل سنت اور شیعوں کی کتب کا مطالعہ کیا اور اہل بیت کی عظمت و اہمیت سے واقف ہو گئے اور اپنی سعادت و نجات اہلبیت کی محبت و مودت میں ہی جاننے لگے۔

بے اعتنا گروہ

دوسری قسم ان افراد کی ہے جنہوں نے آنحضرت کی باتوں کی تحقیق نہیں کی، اہل بیت کے بلند و بالا مقام نہ پہچانا اور جس بات کی رسول اکرمؐ نے بار بار تاکید فرمائی اسے نہ سمجھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اہل بیت سے بے اعتنا ہو گئے۔ یہ نا آگاہ اور جاہل ہیں خواہ یہ قاصر ہوں یا مقصر ہر صورت میں اہل بیت عصمت و طہارت کی محبت سے بے بہرہ ہیں اور قیامت کے دن حکم الہی سے ان کے انجام کا فیصلہ کیا جائے گا۔

دشمن اور ضدی گروہ

تیسری قسم اہل بیت کے مخالفوں اور دشمنوں پر مشتمل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ صدر اسلام میں اہل بیت کے مقام رفیع سے آگاہ تھے اور ان کے بارے میں حضور اکرمؐ کے فرامین کو بھی جانتے تھے لیکن خود پسندی، ہوائے نفس، حب جاہ اور شیطانی افکار کی بدولت وہ منحرف ہو گئے۔ انہوں نے حق سے روگردانی کی اور اپنے دل میں اہل بیت سے بغض و کینہ کو پروان چڑھایا۔

یہ گروہ ان لوگوں کی مانند ہے جنہوں نے قریب سے حضرت موسیٰ بن عمران کے معجزات کو دیکھا اپنے دل میں یہ یقین پیدا کر لیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور جو عمل اس نے انجام دیا وہ آیات الہی میں سے ہے لیکن انہوں نے ظاہر ان کے معجزات کو چادو سے تعبیر کیا اور ان کی رسالت کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

برتری حاصل کرنے کا انگیزہ

فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣٠﴾ وَبِحُدُوءِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا

أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۗ ﴿١٣١﴾

جب ہماری آیات کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا تو کہنے لگے: یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جو موسیٰ کے معجزات تھے سے انکار کیا جب کہ ان کے ضمیر آیات کے معجزہ ہونے اور موسیٰ کی نبوت پر یقین رکھتے تھے۔ یہ ظالمانہ اور خلاف حق باتیں انہوں نے برتری اور اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لئے کیں۔

اہل بیت علیہم السلام سے دوستی و محبت اور اس کے فوائد و ثمرات کے بارے میں، اسی طرح ان کی دشمنی اور اس کے نقصانات کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کے بزرگ علماء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں جو کتب معتبرہ میں ذکر ہوئی ہیں۔ گفتگو کے طول پکڑ جانے کے خوف سے یہاں پر ان میں سے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے طول پکڑ جانے کے خوف سے یہاں پر ان میں سے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آخر میں سنی اور شیعہ ذرائع سے نقل کی جانے والی ایک ایک حدیث کو بیان کیا جاتا ہے۔ پہلی حدیث زنجبیری نے تفسیر کشاف [۱۳۱] میں اس آیت 'قُلْ لَا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى' [۱۳۰] کے ذیل میں ذکر کی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا:

من مات على حب ال محمد مات شهيدا. الا ومن مات على حب ال محمد

مات مغفورا له. الا ومن مات على حب ال محمد مات تأثبا. الا ومن مات

[۱] اہمل ۱۳، ۱۴

[۲] تفسیر کشاف، ج ۳ ص ۲۶۷

[۳] الشوری ۲۳

علی حب ال محمد مات مومنا مستكمل الايمان..... الا ومن مات علی بغض ال محمد جاء يوم القيمة مكتوب بين عينيه ائس من رحمة الله. الا ومن مات علی بغض ال محمد لم يشم رائحة الجنة. [۱]

جو شخص آل محمد کی محبت پر مرے وہ شہید ہے، آگاہ ہو جو آل محمد کی محبت پر اس دنیا سے رخصت ہو تو وہ بخشا ہوا ہے۔ آگاہ رہو جو اہل بیت کی محبت پر دنیا سے کوچ کر جائے وہ مومن بن کر اس دنیا سے گیا اور مومن بھی ایمان کامل کے ساتھ۔ خبردار جو شخص آل محمد سے دشمنی کے ساتھ مرے قیامت کے دن جب وہ عرصہ محشر میں وارد ہوگا تو اس کے دو آنکھوں کے درمیان ”رحمت خدا سے مایوس“ لکھا ہوا ہوگا۔ آگاہ رہو! جو بھی دشمنی آل محمد پر دنیا کو ترک کرے وہ کافر ہو کر مرے آگاہ رہو! جو کوئی دشمنی آل محمد پر مرے وہ بہشت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

نعمت کے بارے میں سوال

عیون الرضا میں ہے کہ حضرت رضا علیہ السلام نے فرمایا:

ليس في الدنيا نعيم حقيقي فقال له بعض الفقهاء من حضره فيقول الله عزوجل "ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم" [۲] اما هذا النعيم في الدنيا وهو الماء البارد.

دنیا میں حقیقی نعمت کا وجود نہیں ہے۔ آپ کی محفل میں حاضر بعض فقہاء نے قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیا ٹھنڈا اور میٹھا پانی نعمت نہیں؟ امام رضا علیہ السلام نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے فرمایا: آپ لوگوں نے آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ آپ میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نعمت ٹھنڈا پانی ہے، بعض نے کہا ہے کہ اچھی غذا نعمت ہے اور کچھ نے کہا کہ گہری نیند نعمت ہے۔ میرے باپ نے اپنے والد گرامی سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ یہ بات آنحضرت نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے۔ امام ناراض ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو چیز بندوں کو اپنے فضل سے عنایت کی ہے اس کے بارے میں وہ سوال نہیں کرتا اور ان پر منت نہیں

[۱] الشوریٰ - ۲۳

[۲] البکاثر - ۸

لگا تا کیونکہ انعام پر مخلوق خدا پر احسان دھرنافتنج ہے اور ایسی قباحت کی خالق کی طرف کیسے نسبت دی جاسکتی ہے۔ پھر فرمایا: قیامت کے دن جس نعیم کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ ہم اہلبیت سے دوستی اور محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید اور نبوت کے بعد اس کے متعلق سوال کرے گا۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

موت کے بعد پہلا سوال

ولقد حدثني بذلك ابي عن ابيه عن ابائه عن علي عليهم السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يا علي اول ما يسئل عنه العبد موته شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وانك ولي المومنين بما جعله الله وجعلته لك فمن اقرب بذلك وكان يعتقد صارا الى النعيم الذي لا زوال له. [1]

میرے والد گرامی نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے اجداد سے اور اجداد نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علی! موت کے بعد بندے سے سب سے پہلے سوال توحید و نبوت کی شہادت اور تیری ولایت کے بارے میں ہوگا کیونکہ تجھے حکم الہی سے ولی المومنین مقرر کیا گیا ہے اور میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے اس مقام پر تیرا تقرر کیا ہے پس جو شخص اس بات کا اقرار کرے اور اس کا عقیدہ رکھے تو وہ زوال ناپذیر نعیم یعنی بہشت جاوید کا مستحق قرار پائے گا۔

قیامت کے دن جن امور کے بارے میں سخت پوچھ گچھ ہوگی اور جو عذاب یا ثواب الہی کا سبب ہیں ان میں سے ایک شوہر کا اپنی بیوی اور بیوی کا اپنے شوہر سے اچھا یا برا سلوک ہے۔ اس موضوع پر نبی اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان میں سے صرف دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

شوہر اور بیوی کو نصیحت

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

ایما امرأة اذت زوجها بلسانها لم يقبل الله منها صرفا. ولا عدلا ولا

حسنة من عملها حتى ترضيه وان صامت نهارها وقامت ليلها وكانت

اول من يرد النار وكذلك الرجل اذا كان لها ظالما. [۱]

جو عورت اپنی زبان سے اپنے شوہر کو آزار و اذیت پہنچائے گی اس گناہ کی تلافی کے لئے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر اور صدقہ قبول نہیں فرمائے گا جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کر لے اس کا کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں ہوگا اگرچہ وہ دنوں کو روزے رکھے اور راتیں عبادت میں گزار دے اور وہ عورت قیامت کے دن سب سے پہلے آتشِ جہنم میں ڈالی جائے گی اور جو مرد اپنی بیوی کو تکلیف پہنچائے گا اس کا بھی یہی حال ہوگا اور جب تک وہ اپنی بیوی کو راضی نہ کر لے اس کے نیک اعمال اور عبادت قبول نہیں ہوگی اور وہ مرد روز قیامت پہلا شخص ہوگا جو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا۔

اسی طرح رسول اکرمؐ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

الا وایما امرأة لم ترفق بزوجها وحملته علی ما لا یقدر علیہ وما لا یطیق

لم تقبل منها حسنة وتلقى الله وهو علیها غضبان. [۲]

آگاہ رہو! جو عورت زندگی میں اپنے شوہر سے بگاڑ کر رکھے اور اسے ایسے کام کے لئے مجبور کرے جو اس کی قدرت و طاقت سے باہر ہے اس عورت کی کوئی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہے اور قیامت میں خداوند تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ لوگوں کے بہت سے اعتقادی، اخلاقی اور عملی انحرافات کا سرچشمہ برے اور فاسد افراد سے دوستی اور ان کی صحبت ہے۔ اسی لئے اولیاء دین نے اپنی تعلیمات میں اس بات کو اہمیت دی ہے اور یاد دہانی کروائی ہے کہ قیامت کے دن تمام سوالوں سے قبل دوست اور مصاحب کے متعلق سوال ہوگا اور انسان کا اس لحاظ سے حساب و کتاب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے:

[۱] امالی صدوق - ص ۲۵۷

[۲] امالی صدوق - ص ۲۸۵

مصاحب کے بارے میں سوال

ان اول مایسئل عنہ العبدیوم القیمة عن جلسائه۔^[۱]

قیامت کے دن انسان سے سب سے پہلا سوال اس کے مصاحبین کے بارے میں ہوگا۔

باطنی صفات کی تحقیق

قیامت کے روز حساب و کتاب کے متعدد مواقف و مقامات ہیں۔ اسی طرح جن مسائل کے بارے میں سوال ہوں گے وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں کچھ سوالات لوگوں کے عقائد اور افکار سے مربوط ہوں گے یعنی ایسے عقائد جو ان کے اعمال، رفتار اور گفتار کا سرچشمہ ہیں۔ عقائد اگر پاکیزہ و منزه ہوں تو وہ انسان کے اعمال کو خلوص اور پاکیزگی عطا کرتے ہیں اور اگر فاسد ہوں تو اعمال کو بھی برائی سے آلودہ و فاسد بنا دیتے ہیں۔ بعض سوالات دینی ذمہ داریوں اور عبادات کے متعلق ہوں گے یعنی سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے اوامر الہی کو انجام دیا ہے اور دینی فرائض کو ادا کیا ہے؟ اگر وہ بجالایا گیا ہوگا تو پھر اس بات کو دیکھا جائے گا کہ عمل کی بجا آوری میں ضروری تعلیمات کا خیال رکھا گیا ہے یا نہیں۔ کچھ سوالات انسان کی باطنی صفات اور نفسانی عادات کے بارے میں پوچھے جائیں گے یعنی اس بات کی تحقیق کی جائے گی کہ دنیا میں انسان کن صفات و عادات کا حامل تھا، انہیں وہ کس طرح بروئے کار لایا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس نے کیسا سلوک روا رکھا۔ بعض افراد قیامت کے تمام مواقف پر سرخرو اور سر بلند ہوں گے بعض تمام مقامات پر سرفراز ہوں گے بعض تمام مقامات پر ذلیل اور شرمندہ ہوں گے۔ بعض کچھ مقامات پر سرفراز ہوں گے اور کچھ شرمندہ اور سر جھکائے ہوں گے۔

حیوانات کے متعلق مواخذہ

ان تمام مواقف اور تمام سوالات و پوچھ گچھ جن کا ذکر قرآن اور احادیث میں ہوا ہے کی تفصیل کو ایک دو مقالوں میں نہیں سمویا جاسکتا۔ یہاں تک جن امور کے متعلق وضاحت کی جا چکی ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک نکتے کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب کے وقت صرف انسانوں کے ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ روایات بتاتی ہیں کہ لوگوں سے حیوانات، زمین اور آبدی کے متعلق بھی سوال و جواب کئے جائیں گے اور ان پر بھی مواخذہ ہوگا۔ اسی مناسبت سے بحث کی تکمیل کے لئے اس بارے میں وارد ہونے والی بعض

[۱] تفسیر درالمشور، ج ۵ ص ۲۷۳

روایات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

حیوانات کے متعلق مواخذہ

ابن عمرؓ رسول اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

ان الرجل یسئل عن کل شیء حتی عن حیاة اہلہ۔^[۱]

بے شک قیامت میں انسان سے تمام چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے گھر میں رہنے والے جانوروں مثلاً بلی، کتا وغیرہ کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

زمین کے بارے میں مواخذہ

حضرت علیؓ علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا اللہ فی عبادہ وبلادہ فانکم مسئلون حتی عن البقاع والبهائم۔^[۲]

بندگانِ الہی اور بلادِ الہی کے بارے میں خدا کے عذاب سے ڈرو کیونکہ ان کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تم سے زمین اور حیوانات کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

قیامت میں لوگوں سے پوچھا جانے والے سوالات دینی فرائض اور ان قوانین و سنن کی بنیاد پر ہوں گے جنہیں شارع مقدس نے مقرر کیا ہے اور انہی میں سے حیوانات اراضی اور آبادیوں کے متعلق لوگوں کے فرائض اور تکالیف میں۔ فقہاء عظام نے منافعِ اسلامی سے استفادہ کرتے ہوئے اس بارے میں لوگوں کے فرائض کو اپنی فقہی کتب میں فتاویٰ کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ فقیہ عالی مقام صاحب جوہرِ اعلیٰ اللہ مقامہ کہتے ہیں:

حیوانات کے حقوق

واما انفقہ البہائم المملوکہ التی منها دود القرء والنحل وغیرہما

فواجبہ بلا خلاف سواء کانت ما کولۃ اللحم اولم تکن وسواء انتفع بہا

اولا ولكن لا تقدير لرفقائہن وانما الواجب القيام بما تحتاج الیہ من

[۱] لسان العرب (حیا)، ص ۲۱۴

[۲] نوح البلاغ، خطبہ ۱۶۷

اکل وسقی ومکان وجل و نحر ذلك مما یختلف باختلاف الازمنة والامکنۃ۔^[۱]

وہ حیوانات جو انسان کی ملکیت ہیں۔ مثلاً ریشم کا کیڑا، شہد کی مکھی اور ان کے علاوہ دوسرے جانور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان مملوک حیوانات کا نفقہ (خوراک) واجب ہے۔ خواہ یہ حلال گوشت ہوں یا نہ ہوں، خواہ مالک اس سے نفع حاصل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، البتہ حیوانات کے نفقہ کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ جو وجوب شرعی کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ حیوان کی غذا، پانی، جگہ، لباس اور اس قسم کی جو دوسری ضروریات ہیں انہیں زمان و مکان کے مطابق پورا کیا جائے۔

حکومت اور مالک پر زبردستی

پھر فرماتے ہیں اگر جانور کا مالک نفقہ دینے کا فریضہ انجام نہ دے اور اسے آزاد بھی نہ کرے کہ وہ خود جا کر کر اپنی روزی تلاش کرے تو حکومت اسلامی اسے اپنا فریضہ انجام دینے پر مجبور کرے گی اگر مجبور کرنے سے عاری ہو تو حاکم خود مالک کی نیابت میں جو کام ضروری سمجھے گا اس کو انجام دے گا اور مالک کے اموال سے جانور کی خوراک کا بندوبست کرے گا۔ اگر اس کا منقول مال موجود نہ ہو وہ حاکم اس کے غیر منقولہ مال میں سے اس کام کی ادائیگی کے لئے اقدام کرے گا۔ یہاں پر صاحب جو اہر مرحوم نے حاکم کے فریضے کی فروعات بیان کی ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

ولو لم یوجد ما ینفق علی الحيوان ووجد عند غیرہ وجب الشراء منه فان
امتنع من البیع ففی المسالك یجوز غضب العلف منه لا بقائها اذا لم
یوجد غیرہ کما یجوز غضبه كذلك لحفظ الانسان ویلزمه المثل او
القیمة۔^[۲]

اگر وہ چارہ جو جانور کی غذا ہے عام حالات میں میسر نہ ہو اور وہ کسی مخصوص شخص کے قبضے میں ہو تو واجب ہے اس آدمی سے خرید جائے اور اگر وہ آدمی بیچنے سے اجتناب کرے۔ جب کہ وہ چیز اس کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ ہو تو صاحب مسالک کے قول کے مطابق جانور کی زندگی کی حفاظت

[۱] جواہر، ج ۳۱، ص ۳۹۲، ۳۹۶

[۲] جواہر، ج ۳۱، ص ۳۹۲، ۳۹۶

کے لئے وہ چیز اس سے غصب کی جاسکتی ہے جیسا کہ انسان کی جان کی حفاظت کے لئے ضروری تھا
مواقع پر غذا غصب کرنا جائز ہے۔ البتہ اس چیز جیسی کوئی اور چیز یا اس کی قیمت اس کے مالک کو
ضرور ادا کرنی چاہیے۔

جانوروں پر ظلم یا ترحم

حیوانات کے حقوق کی شرعی اصولوں کے مطابق رعایت کرنا ان کے مالکوں کے قطعی فرائض میں سے ہے۔ ان
فرائض و تکالیف کی بنیاد پر جو شارع مقدس نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں، ان کا مواخذہ کیا جائے گا اور اپنے انجام دیئے
گئے عمل کی مناسبت سے جزاء و سزا کے مستحق ہوں گے۔ ممکن ہے بعض افراد دینی فرائض کی مخالفت کرتے ہوئے اور انصاف
کے تقاضوں اور انسانی جذبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے جانوروں کے ساتھ برا سلوک کریں اور ان پر ظلم و ستم کریں جس کی
وجہ سے رحیم و مہربان خدا کو طیش میں لے آئیں اور اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا لیں۔ اس کے برعکس بھی ممکن ہے کہ ایک گنہگار
شخص انسانی جذبے کے ساتھ ایک حیوان پر مہربانی کرے اور اس ذریعے سے اپنے کو عفو الہی میں شامل کر لے اور بہشت کا
حقدار بن جائے۔ روایات میں ان دونوں بات کے نمونے ملتے ہیں۔

دو عورتوں کی جزا و سزا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

اطلعت لیلة اسرى على النار فرأيت امرأة تعذب فسألت عنها فقيل انها
ربطت هرة ولم تطعمها ولم تسقها ولم تدعها تأكل من خشاش الارض
حتى ماتت فعذبها بذلك واطلعت على الجنة فرأيت امرأة مومسة يعنى
زانية فسألت عنها فقيل انها مرت بكلب يلهث من العطش فارسلت
ازارها في بئر فعصرته في حلقه حتى روى فغفر الله لها. [1]

شبِ معراج میں نے دوزخ کو دیکھا اس میں ایک عورت عذاب میں مبتلا تھی۔ میں نے اس کا گناہ پوچھا
تو جواب دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا نہ اسے غذا اور پانی دیتی تھی اور نہ اسے آزاد کرتی

تھی کہ وہ خود جا کر غذا تلاش کر سکے۔ اس نے اسی دردناک حالت میں رکھا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اسی گناہ کی سزا کے طور پر دوزخ میں ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا جب مجھے بہشت میں لے جایا گیا میں نے وہاں پر ایک بدکار عورت کو دیکھا۔ میں نے اس کے بارے میں سوال کیا: جواب دیا گیا کہ اس عورت کا گذر ایک کتے کے قریب سے ہوا جو پیاس کی وجہ سے جاں بلب تھا اور اس کی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی تھی اس نے اپنے دوپٹے کو کونویں میں ڈالا اسے بھگو کر کتے کے منہ میں نچوڑا۔ یہ عمل اس نے کئی بار انجام دیا۔ یہاں تک کہ وہ کتا سیراب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

زمین اور آبادیوں اور شہروں کے بارے میں بھی اسلامی قوانین کی روشنی میں لوگوں کے فرائض مقرر ہیں اور قیامت کے دن ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور ان پر مواخذہ ہوگا۔ یہاں پر اس کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ پر انسانوں کو مسلط کیا ہے اور ان کو انسانوں کے لئے مسخر کیا ہے اور انہیں اس کرۂ خاک کو آباد کرنے کی صلاحیت اور لیاقت عطا فرمائی ہے اور ان سے چاہا ہے کہ وہ اس مقدس اور سعادت بخش فریضہ کو کوشش کے ساتھ انجام دیں اور زمین کو اپنے اور دوسروں کے نفع کے لئے آباد کریں۔

انسان اور زمین کی آبادی

ارشاد الہی ہے:

هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا ۗ

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے خلق فرمایا ہے اور اس کی آبادی کو تم سے چاہا ہے۔

اس عالم طبیعت میں کوئی بھی حیوان خلاق فکر اور ادراک کی قوت کا مالک نہیں ہے کہ وہ زمین کو آباد کر سکے اور ان کے خزانوں سے ذخائر کو باہر نکال سکے۔ یہ صرف انسان ہیں جو اس گراں قدر عطیہ سے بہرہ مند ہیں وہ اپنی اندرونی و بیرونی توانائیوں اور اپنی فکر کو بروئے کار لا کر الہی خواہش کو پورا کر سکتے ہیں۔ وہ زمین کی چھپی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لا سکتے ہیں اسے آباد کر کے قابل استعمال اور قابل استفادہ بنا سکتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے زمین کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اس کرۂ خاک کا رخ

بالکل بدل گیا ہے۔ لیکن زمین کو آباد کرنے کا قدیمی ترین طریقہ زراعت اور درخت کاری اسی طرح پائیدار اور برقرار ہے۔ یہ طریقہ ہرگز ختم نہیں ہوگا کیونکہ کھیتیاں اور باغات لوگوں کی غذا کی فراہمی کا ذریعہ اور ان کی زندگی کے محافظ ہیں۔ دین اسلام میں یہ دو کام نہایت اہم شمار کئے گئے ہیں اس سلسلے میں اولیاء دین سے بہت ساری روایات نقل ہوئی ہیں، مثلاً:

زراعت اور شجر کاری

امام صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اذرعوا وغرسوا واللہ ما عمل الناس عملا احل ولا اطیب منه۔ [۱]

فصلیں اگائیں اور درخت لگائیں خدا کی قسم ان تمام کاموں میں سے جو لوگ اپنی زندگی کے لئے انجام دیتے ہیں کوئی بھی کام اس سے حلال تر اور پاک تر نہیں ہے۔

نظام قدرت میں پانی اور مٹی کو انسانوں کی روزی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ زمین کے سینے کو چاک کریں اور اس میں بیج ڈالیں اور یوں خدا داد روزی حاصل کریں اور اپنی زندگی کو جاری و ساری رکھیں۔ اگر کسی کے پاس زمین اور پانی ہو لیکن وہ تساہل اور سستی کی وجہ سے وقت پر بیج نہ ڈالے اور زمین کو بیج بنائے رکھے یا اپنی سرسبز کھیتی اور باغ کو سیراب نہ کرے اور پانی ضائع کر دے اور یوں کھیتوں اور درختوں کو خشک کر دے تو بے شک اس نے اپنے ناروا عمل سے ایک طرف تو نعمت الہی کا کفران کیا اور دوسری طرف معاشرہ پر ظلم کیا۔ ایسا انسان دربار الہی میں مسؤل ہے۔ اور آئمہ علیہم السلام کی نظر میں وہ اچھا شخص نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس قسم کے افراد کے بارے میں جو مسلمانوں کے لئے تنگ و عار اور معاشرہ کی ذلت کا باعث ہیں، یوں فرمایا ہے:

من وجد ماء وترا باثم افتقر فابعدہ اللہ۔ [۲]

جو شخص زمین اور پانی ہونے کے باوجود اپنی زندگی کو فقیر و تنگ دستی میں گزارے اس پر نفرین ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔

تمام گفتگو کا نتیجہ

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان بارگاہ الہی میں مسؤل اور قابل مواخذہ ہے اور روز جزا ان تمام

[۱] سفینہ، ج اول، زرعی، ص ۵۴۹

[۲] وسائل، ج ۱۲ باب العمل، ص ۲۴

نیک و بد اعمال کی جانچ پڑتال کا دن ہے۔ جنہیں اس نے اپنی پوری زندگی میں انجام دیا ہوگا۔ لیکن اخروی زندگی ایک نئی زندگی ہوگی جس کے نئے قوانین اور حدود ہوں گی جو دنیا کے قوانین سے قابل موازنہ نہیں ہوں گے۔

مقتضای حیات و نشوونما
 متغیر شود بحکم خدا
 زندگی اور نشوونما کے تقاضے
 حکم الہی سے بدل جائیں گے
 بطریقہ کہ با نظام دگر
 متولد شود ز خاک، بشر
 اس طرح کہ ایک اور نظام کے ذریعے
 بشر زمین سے پیدا ہوگا
 جبرائیل فعل و انفعال عجیب
 ذرہ ہا را بہم کند ترکیب
 اس عجیب و غریب عمل و رد عمل کا ناگزیر ہونا
 ذروں کو آپس میں میں جوڑ دے گا
 جای مادر، زمین بشر زاید
 انقلابی کند کہ می باید
 ماں کی جگہ زمین بشر کو جنم دے گی
 ایسا انقلاب لائے گی جو لانا چاہئے

اس دن لوگوں کو مختلف مقامات پر روکا جائے گا اور ان سے خالق و مخلوق کے حقوق، عقائد اور اخلاق، گفتار وغیرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں تک کہ حیوانات، اراضی اور باغات کے بارے میں ان کے ناروا رویے اور سلوک کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اس پر مواخذہ ہوگا۔

باب نمبر 17

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ
فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۳۲﴾ (سورہ ابراہیم آیہ ۳۲)

لامحدود خواہشات کی تکمیل

ماضی کو دیکھیں یا حال کو دنیا میں لوگوں کی اکثریت اپنی نفسانی خواہشات اور ہوا ہوس کے تابع ہے۔ وہ اپنی حد سے زیادہ حیوانی خواہشات کی تکمیل اور اپنے خود سر جبلی میلانات اور شہوات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اسی کی خاطر وہ ظالمانہ اور غیر شائستہ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، عدل و انصاف کے اصولوں کو پامال کرتے ہیں اور عملی طور پر کمزور افراد کے حقوق کو غصب کرتے ہیں۔ آخر کار ظالم اور مظلوم دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ مرجائیں گے ظالموں میں سے اکثر اپنے ظلم کا بدلہ نہیں دیکھ پاتے اور اپنے کئے کی سزا بھگتے بغیر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اسی طرح مظلوم اور ستم رسیدہ افراد کی بھی کوئی دستگیری نہیں ہوتی اور ان کے غصب شدہ حقوق واپس نہیں ملتے۔

دنیا میں آزادی بشر

بے شک اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کے واقعات اور حالات سے آگاہ ہے وہ ہمیشہ ہر مقام پر تھوڑی ہی دیر میں ظالم کے ہاتھ کو روک سکتا ہے اور اس کے ظالم پنجوں سے مظلوم کو رہائی دلا سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ خدا کی قطعی تقدیر یہی ہے کہ اس دنیا میں انسان آزاد ہیں۔ وہ فقط انہیں حق و باطل کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے اور نتیجے کے طور پر ان میں سے نیک و بد کی تمیز کی جاسکے۔ البتہ بشر کو یہ بات سمجھانے کے لئے کہ وہ عادل، عالم اور توانا ذات مظلوم کے حقوق کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور ظالم کو ضرور سزا دے گی، اس نے تمام آسمانی کتب میں قیامت کا ذکر کیا ہے اور اپنے رسولوں کے ذریعے سے یہ بات پہنچائی ہے کہ اس دن تمام لوگوں کے اعمال کا سخت حساب و کتاب لیا جائے گا یہ بات بھی یاد دلائی ہے کہ وہ اس دن اولین و آخرین مخلوق کو زندہ کرے گا اور تمام ظالمین اور مظلومین کے حساب و کتاب کا جائزہ لے گا۔ قرآن شریف نے اس دن ظالم کی وحشت ناک اور جانگاہ حالت کی تصویر کشی کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

ظالم میدانِ قیامت میں

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۗ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿۳۱﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۗ وَأَفْدَىٰ لَهُمْ هَوَاءٌ ﴿۳۲﴾

تم یہ گمان مت کرو کہ اللہ تعالیٰ ظالمین اور متجاوزین کے اعمال سے غافل ہے۔ اس نے ان کے عذاب کو ایک خاص دن کے لئے ٹال رکھا ہے کہ جس دن خوف و وحشت کی شدت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس دن ظالم جلدی سے آسمان کی طرف سر اٹھائیں گے اور وہ ٹکلی باندھے میدانِ قیامت کا خوفناک منظر دیکھیں گے۔ اس دن ان کے بقرعاء اور آشفتہ دل شدید پریشانی اور بے قراری کی وجہ سے نہم وادراک کھو بیٹھیں گے۔

دو مطلب مادی نظر میں

وہ افراد جو تمام امور کو مادی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سب چیزوں کی توجیہ منطق عادی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اس مقام پر ان کا سامنا دو اہم باتوں سے ہوتا ہے۔ پہلی یہ کہ دنیا کے آغاز سے لے کر آج تک اربوں ظالم اور مظلوم انسان اس دنیا میں آئے اور چلے گئے اس کے بعد بھی یہ سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ تمام ظالمین اور مظلومین ایک ہی دن زندہ ہو جائیں گے اور اسی دن عدالتِ الہی میں پیش ہوئیں ظالموں کو سزا مل جائے اور مظلوموں کو ان کا حق مل جائے؟

دوسری یہ کہ وہ کون سی طاقت ہے جو پوری تاریخ انسانی کے تمام مظالم اور جرائم کا بالکل صحیح حساب رکھ سکے اور ظالم و مظلوم ہر ایک کی پہچان کر سکے کہ عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے ہو سکیں اور تمام چھوٹے بڑے مظالم کی اس طرح تحقیق ہو سکے کہ ایک بھی مورد فراموش نہ ہو اور کسی صاحبِ حق کا ذرہ برابر حق بھی ضائع نہ ہو؟

مادی اور الہی فرق

البتہ مادی نظر سے ایسی فکر کا انسان کے ذہن میں آنا اجتناب ناپذیر ہے۔ کیونکہ بشر خود ایک مادی وجود ہے اور محدود قدرت و طاقت کا حامل ہے اور وہ جس ماحول اور عالم میں زندگی گزارتا ہے وہ بھی مادی اور محدود ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اب تک انسان نے اپنے علم، تجربے اور طاقت سے جو ترقی کی ہے اور مادی عوامل پر تحقیق اور ریسرچ کی ہے ان کی روشنی میں اس نے تمام توانائیوں کو محدود پایا ہے اور اسے پورے عالم مادی میں لامحدود اور بے انتہا طاقت کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس بناء پر وہ مندرجہ بالا دو باتوں کو باور نہیں کر سکتا جو مادی لحاظ سے ناممکن ہیں۔ لیکن ایک الہی انسان اور حقیقی مومن جن سے اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس منظم کائنات کے نظام کا مطالعہ کیا ہو، دانا تو انا خالق پر ایمان لایا ہو اور قرآن شریف کو کلام الہی اور نبی اکرمؐ کو خدا کا رسول سمجھا ہو، وہ کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اسے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے تمام انبیاء سے فرمایا ہے اس کے مطابق وہ روزِ محشر اولین و آخرین کو اپنے قیومی ارادے اور لامحدود قدرت سے زندہ کرے گا اور ان کے تمام اعمال جو لوح محفوظ پر ثبت ہیں ان کا محاسبہ کرے گا، مظلوموں کی حمایت فرمائے گا اور ظالموں کو کبیر کر دار تک پہنچائے گا۔

سب چیزیں لوح محفوظ میں

ارشاد الہی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ
مُبِينٍ ﴿۱۳﴾

ہم قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے اپنی زندگی میں اچھا بر انجام دیا ہوگا اسی طرح ان کے اچھے برے آثار جو موت کے بعد عائد ہوں گے، سب کو لکھیں گے اور اس سب کو ہم نے لوح محفوظ میں جو ایک آشکار و ظاہر کتاب ہے، ریکارڈ کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لامحدود ارادے اور قدرت کے متعلق انبیاء کے پیروکاروں کی منطق کو مزید واضح کرنے کے لئے قرآن شریف کی چند آیات کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح چند ایک روایات سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

انسان اور عالم تصور

انسان اپنے اندر جس چیز کا بھی ارادہ کرے وہ اسے چند لمحوں میں عالم خیالی میں وجود دہنی دے سکتا ہے، لیکن اگر وہ ذہن سے باہر اپنی مراد کو عملی جامہ پہنانا ہے اور حقیقی وجود دینا چاہے تو اسے ضروری مواد اور طاقت کو مہیا کرنا ہوگا اور کام کی انجام دہی کے لئے کچھ وقت مخصوص کرنا پڑے گا تا کہ وہ اپنے مورد نظر ہدف کو حاصل کر سکے۔

مثلاً اگر وہ کسی دور دراز کے ملک میں رہتا ہے اور وہ چاہے کہ اپنے وطن واپس چلا آئے اس واپسی کا تصور کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ عالم خیال میں وہ دور دراز کے سفر کو فوراً طے کر لے گا اور اپنے شہر پہنچ جائے گا، سڑکوں اور گلیوں سے گذرتا گھر میں داخل ہو جائے گا، اپنے اعضاء و اقربا سے گرجوشی سے گلے ملے گا اور ان سے مل کر بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار کرے گا لیکن جب وہ عملی طور پر غیر ملکی سے اپنے وطن کا واپسی کا پروگرام بنائے گا اور سفر کا فیصلہ کرے گا تو اسے سفر کے ذریعے کا بندوبست کرنا ہوگا، اس کے لئے کچھ وقت اور طاقت صرف کرنا پڑے گی پھر وہ اپنے شہر اور گھر پہنچ سکے گا اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کر سکے گا۔

ارادۃ الہی

مختصر یہ کہ جس چیز کا انسان ارادہ کرے وہ فوراً اپنے تصور میں اسے محسوس کر سکتا ہے لیکن اگر وہ اسے خارج میں بھی عملی صورت دینا چاہتا ہے اور اسے حقیقی وجود دینا چاہتا ہے تو اسے مادہ اور مدت کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کے بارے میں یہ گمان درست نہیں کیونکہ اس کا چاہنا اور اس چیز کا تحقق پانا ایک ہے۔ اس کی مراد صرف ارادے سے جامہ ہستی پہن لیتی ہے اور وہ حقیقی وجود پالیتی ہے۔ بالفاظ دیگر باری تعالیٰ کا ارادہ خود اس چیز کے وجود کی علت تامہ ہے جو اس کی مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ﴿۱۰﴾

خلقت و آفرینش کے مسئلے میں شان الہی یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز کے موجود ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس کے حکم ”کن“ سے وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔

ایجاد و احداث

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی خدمت میں خدا اور مخلوق کے ارادہ کے بارے میں کچھ بیان کرنے کی گزارش کی: آپ نے فرمایا:

الارادة من الخلق الضمير وما يبدولهم بعد ذلك من الفعل واما من الله
تعالى فارادته احداثه لا غير ذلك لانه لا يروى ولا يهيم ولا يتفكر وهذه
الصفات منفية عنه وهي صفات الخلق فارادة الله الفعل لا غير ذلك
يقول له كن فيكون، بلا لفظ ولا نطق بلسان ولا همة ولا تفكر ولا كيف
لذلك كما انه لا كيف له. [۱]

مخلوق کا ارادہ ایک چھپی ہوئی فکر اور پوشیدہ عمل ہے جو انجام پانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایجاد اور احداث ہے کیونکہ نہ اس کا خیال ہے نہ وہ تفکر کرتا ہے اور نہ کسی کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے یہ مخلوق کی صفات ہیں اور خالق کی ذات اقدس ان صفات سے بری اور منزہ ہے پس خدا کا ارادہ اس کا فعل ہے وہ ہونے کا حکم دیتا ہے لیکن یہ حکم نہ تو الفاظ ہوتے ہیں نہ زبان سے ادا ہوں اور نہ ہی فیصلہ اور تفکر ہے۔ یہ حکم کسی کیفیت کا حامل نہیں ہے، جیسا کہ خود ذات الہی کیفیت کی حامل نہیں ہے۔ ارادہ خالق اور ایجاد موجودات کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل آیت کا معنی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَعْثُبُكُمْ إِلَّا كَنْفُسٍ وَأَحْدَۃٌ [۲]

تم سب کی دنیا میں خلقت اور آخرت میں زندہ ہونا اس خالق تو انا کے لئے ایک انسان کو پیدا کرنے کی طرح ہے۔

مصنوع کا کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہونا بشری صنعت گروں کے افعال اور ایجادات میں مؤثر ہے۔ کیونکہ ان کا کام محدود مادی طاقت سے وابستہ ہوتا ہے اور زمان و مکان کی حدود میں ہوتا ہے۔ لیکن خدا کا ارادہ ہی اس کی

[۱] کافی، ج اول، ص ۱۰۹

[۲] لقمان، ۲۸۔

خلقت ہے اس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ایک انسان کی پیدائش کا ارادہ کرے یا ربوں انسانوں کی خلقت کا۔

تمام انسانوں کا زندہ ہونا

نوع بشر کی آفرینش و خلقت میں اس قادر مطلق کا ارادہ یوں تھا کہ دنیا میں انسان تدریجاً متولد ہوں اور بتدریج موت کی وادی میں جائیں، اس طرح نظام کائنات حکمت و مصلحت کی بنیاد پر برقرار و استوار ہے۔ جب کہ آخرت میں ارادہ الہی یوں ہے کہ قیامت کے دن دنیا کے دوران ابتدا سے لے کر آخر تک پیدا ہونے والے اور مرنے والے انسان اکٹھے زندہ ہوں اور میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لئے دربارِ الہی میں اپنے آپ کو پیش کریں اور ان دنوں کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک انسان کو پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لئے روزِ محشر اولین اور آخرین مخلوق کا زندہ ہونا مادہ پرستوں کی نگاہ میں ناممکن اور غیر قابل قبول امر نظر آتا ہے۔ لیکن قرآن کے پیروکاروں کی نظر میں یہ مشکل ترین امر ایک حکمِ الہی سے تحقق پا جائے گا اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ایک امر تکوینی ”کن“ دنیا میں اول تا آخر آنے اور مرنے والے تمام انسان کو زندہ کر دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿۵۹﴾ لَمَجْمُوعُونَ ﴿۶۰﴾ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۶۱﴾

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو کہ اول سے آخر تک کے تمام انسانوں روزِ قیامت کی وعدہ گاہ میں جمع کئے جائیں گے۔

اس اجتماعی زندگی اور روزِ محشر اللہ کا وعدہ عملی صورت اختیار کرے گا، ظالموں کو حساب کی جگہ روکا جائے گا اور مظلوموں سے ان کا آمناسا منا کروایا جائے گا۔ عدلِ الہی جاری ہوگا ظالم سے مظلوم کا حق لیا جائے گا۔ اس دن پروردگارِ عالم میدانِ محشر میں موجود تمام افراد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے گا:

الہی عدالت

إِنَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا الْحَكَمُ الْعَدْلُ الَّذِي لَا يَجُورُ الْيَوْمَ أَحْكَمُ بَيْنَكُمْ يَعْدِلِي

وَقَسْطِي لَا يَظْلَمُ الْيَوْمَ عِنْدِي أَحَدٌ الْيَوْمَ أَخَذَ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِي حَقَّهُ ﴿۶۲﴾

میں ہوں خدا کہ میرے سوا کوئی حاکم عادل معبود نہیں ہے۔ ایسا معبود جو ظلم نہیں کرتا۔ آج کے دن میں تم

[۱] الواقعہ - ۵۰، ۴۹

[۲] علم الیقین ص ۹۲۱

سب کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کروں گا۔ آج میرے دربار میں کسی پر ظلم و ستم نہیں ہوگا۔ آج میں کمزور کا حق طاقت ور سے لے کر دوں گا۔

دین الہی یا راہ سعادت

اس عالم طبیعت میں صرف انسان ایک ایسا جاندار موجود ہے جو عاقل اور آزاد خلق کیا گیا ہے وہ چاہے تو اپنی آزادی سے سوء استفادہ کرے، دوسروں کے حقوق اور حدود کو پامال کرے۔ دوسروں پر ظلم و ستم روا رکھے اور قیامت کے دن اپنے مظالم اور جرائم کی پاداش میں عذاب الہی کا سزاوار بن جائے۔ آزادی کی نعمت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں یہ آزادی انسانوں کی ہلاکت و تباہی کا سبب نہ بن جائے اور وہ ظلم و جور کی طرف نہ جھک جائیں اور صراطِ مستقیم سے منحرف نہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت تشریحی سے نوازا ہے اور اتمامِ حجت کی خاطر اس نے تمام زمانوں اور ادوار میں اپنی دینی تعلیمات جو سعادت اور خوش بختی کا راستہ ہیں، انبیاء کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائیں۔ لیکن عالم طبیعت کے دوسرے جانداروں یعنی حیوانات اور نباتات کو تشریحی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ باری تعالیٰ کی تکوینی ہدایت ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

زندہ موجودات اور ہدایت تکوینی

دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے عالم طبیعت میں نباتات اور حیوانات کی زندگی کا پروگرام ہدایت تکوینی کے ذریعے سے منظم کیا ہے، اس نے ہدایت کو ان کی فطرت میں رکھ دیا ہے اور یوں انہیں جبری خلقت کے تحت اپنے راستے کو طے کرنا ہوتا ہے۔

درخت اور پودے ہدایت تکوینی سے زمین میں پھوٹتے ہیں، خوراک حاصل کرتے ہیں نشوونما پاتے ہیں اور پھل پھول دیئے ہیں، حشرات اور حیوانات ہدایت تکوینی سے خوراک اور پانی کے پیچھے جاتے ہیں، اپنے گھر اور گھونسلے بناتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں اور اپنی انفرادی اور نوعی زندگی کی حفاظت کرتے ہیں۔

انسان اگرچہ اس کائنات کے جانداروں میں سے ہے لیکن چند جہتوں سے ان سے فرق رکھتا ہے اس عالم کے تمام جاندار ایک پہلو اور بعد کے حامل ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت تکوینی کے حامل ہیں یعنی ایسی ہدایت جو ان کی سرشت میں داخل ہے۔ لیکن عاقل اور آزاد انسان دو پہلوؤں اور بعدوں کا حامل ہے اس کے دو ہدایتیں ہیں۔ ایک تکوینی اور دوسری تشریحی۔ ہدایت تکوینی ایک فطری تعلیم ہے جو تمام انسانوں کی سرشت میں حکمتِ الہی سے موجود ہے

اور اس کے لئے درس و تعلیم کی ضرورت نہیں۔ ہدایت تشریحی وہ ہدایت اور راہنمائی ہے جو انبیاء نے انسانوں تک پہنچائی اور انہیں اس کی تعلیم دی ہے۔

انسان اور ہدایت تشریحی

انسان میں ہدایت تکوینی دوسرے جانداروں کی طرح جبری طور پر اجراء ہوتی ہے اور کسی بھی انسان کو اس پر اختیار اور کنٹرول نہیں ہے جیسا کہ دل کی دھڑکن، دوران خون، نظام ہضم معدہ، دماغ کی حساسیت وغیرہ غیر ارادی طور پر انجام پاتے ہیں۔ لیکن ہدایت تشریحی میں جبر نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو عمل کی آزادی دی ہے اور انہیں انبیاء کی دعوت قبول کرنے، نہ کرنے کا مختار بنایا ہے۔ وہ چاہیں تو موحد بنیں اور چاہیں تو مشرک۔ وہ مطیع الہی بنیں یا نافرمان، نیک اور اچھے بنیں یا برے۔ مختصر یہ کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی تشریحی ہدایت اور دعوت انبیاء قبول کر لیں اور عملی طور پر ان کی پیروی کر کے ابدی سعادت پالیں، اس کے برعکس اگر وہ چاہیں تو ان کی دعوت رد کر دیں، اپنی عمر گمراہی و ضلالت میں بسر کریں اور یوں اپنی تباہی و ہلاکت کا سامان فراہم کریں۔

طبیعی زندگی اور موت

نباتات اور حیوانات کی دنیا میں طبیعی زندگی اور موت جبری ہے اور یہ دونوں امور تکوینی سنن اور اصولوں کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ حیوانات اور نباتات نہ تو اپنی مرضی اور اختیار سے زندہ ہوتے ہیں اور نہ اپنی خواہش و ارادہ سے مرتے ہیں۔ انسان کی زندگی اور موت بھی اپنے طبیعی پہلو سے دوسرے جانداروں کی طرح جبری ہے اور انسان کے ارادے اور اختیار کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ حیات انسان سے زندہ ہونا اور انسانی زندگی کا حامل ہونا ہمارے اپنے اختیار میں ہے اور اس مقدس زندگی کا لائحہ عمل خدا کی ہدایت تشریحی ہے۔

حیات انسانی اور انبیاء الہی

انبیاء الہی کا اس حیات آفرین ہدایت کے پیش کرنے کا مقصد لوگوں کو راہ انسانیت دکھانا ہے اور ان کی فطرت میں پوشیدہ انسانی صلاحیتوں کا اجاگر کرنا اور انہیں بروئے کار لانا ہے۔ انسانوں کو اپنے ارادے اور انتخاب سے انسانی حیات سے بہرہ مند کرنا ہے اور انہیں انسان کے شایان شان کمال تک پہنچانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں لوگوں سے کہا ہے کہ آزادانہ طور پر اس دعوت کو قبول کریں جو سرمایہ زندگی ہے اور اس کے پرتو میں انسانی حیات کو حاصل کرنے کی خواہش کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۗ [۱]

اے ایمان والو! جب خدا اور اس کا رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف دعوت دیں جو تمہارے لئے سرمایہ حیات ہے تو ان کی دعوت پر لبیک کہو۔

اس کائنات کے تمام جاندار اپنی پوری زندگی میں طبعی طور پر جس راستے کو طے کرتے ہیں وہ مشیتِ الہی سے معین شدہ ہے اور وہ صراطِ مستقیمِ الہی ہے۔ ہر جاندار مجبور ہے کہ اپنے اس تکوینی راستے کو طے کرے جو خلقت کے حکیمانہ نظام میں ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس صراطِ الہی سے ایک قدم بھی ادھر ادھر رکھنے پر قادر نہیں ہے۔

تکوینی صراطِ مستقیم

قرآن شریف فرماتا ہے:

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِعَاصِيَّتِهَا ۗ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۱﴾ [۲]

زمین پر چلنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہو اور میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔

بشر عالم طبیعت کے جانداروں میں سے ہے وہ اپنے اس حیوانی پہلو سے اور ہدایت تکوینی کے لحاظ سے زمین پر چلنے والوں کی مانند باری تعالیٰ کے حکم کا تہری طور پر پابند ہے اور وہ جبری طریقے سے صراطِ مستقیم پر حرکت کرتا ہے لیکن اپنے انسانی پہلو اور ہدایت تشریحی کے حوالے سے اسے عمل کی آزادی حاصل ہے اور وہ اس ہدایت کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں مختار ہے۔ اسی اختیار اور آزادی کی اساس پر حضور اکرمؐ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو الہی صراطِ مستقیم کے بارے میں بتائیں اور انہیں اس دعوت کو قبول کرنے اور اپنی پیروی کرنے پر مائل کریں۔

تشریحی راہِ مستقیم

اسی حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۗ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

[۱] الانفال - ۲۴

[۲] ہود - ۵۶

سیدیلہ ط [۱]

یہ ہے میری سعادت بخش صراطِ مستقیم۔ اس کی پیروی کرو اور باطل راستوں پر نہ چلو کیونکہ یہ بات تمہارے افتراق و پراگندگی کا باعث ہے اور تمہیں راہِ حق سے منحرف کر دے گی۔

عقل اور بالغ افراد اپنے ارادی و اختیاری اعمال میں ذمہ دار ہیں ہدایت تشریحی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح اور غلط راستوں کی راہنمائی فرمائے اور انہیں حکم دے کہ وہ اپنے اختیارات کو اصلاح و سعادت کی راہ میں استعمال کریں، ظلم اور گناہ کے بارے میں خوف کھائیں اور اپنے آپ کو قیامت کے دن کیفرِ کردار سے بچائیں۔

دنیا کے تمام عقلاء اور تمام ادیان الہی انسانوں کو ان اعمال و افعال کا ذمہ دار سمجھتے ہیں جو وہ اپنی آگاہی اور اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ انجام دیتے ہیں، خواہ یہ اعمال اچھے ہوں یا برے، نیک ہوں یا بد، سعادت کا موجب ہوں یا بدبختی کا۔ قرآن شریف نے ہر انسان کے اختیاری اعمال و افعال کی وابستگی اور انتساب کو ایک طوق سے تشبیہ دی ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

ارشادِ الہی ہے:

وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَهُ نَجْمٌ كَتَبَ فِي عُنُقِهِ ط [۲]

ہم نے ہر انسان کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ اس نے انجام پانے والے تمام بد اور نیک اعمال اور اچھے اور برے افعال طوق کی صورت میں اس کی گردن میں ڈالے جائیں۔
راغب کہتے ہیں:

ای عمل الذی طار عنہ من خیر و شر

آیت میں مذکور ”طار“ سے مراد ہر انسان کے خیر و شر کا عمل ہے جو پرندے کی طرح بال و پر نکالتا ہے اور آدمی سے جدا ہو جاتا ہے۔

وہ نیک اعمال جو نیک اور پاکیزہ لوگ اپنے ارادے اور اختیار سے انجام دیتے ہیں، ایک خوبصورت گلوبند (طوق) کی مانند ہیں جو ان کی گردن میں ان کے جمال و حسن اور محبوبیت کا باعث ہوگا۔ جب کہ گناہگار اور برے افراد کے ارادے اور مرضی سے انجام پانے والے اعمال ایک طوق اور زنجیر کی طرح ان کی گردن میں ڈالے جائیں گے۔ یہ

[۱] الانعام - ۱۵۳

[۲] بنی اسرائیل - ۱۳

طوق ان کی برائی اور انحراف کی ترجمان کرتا ہوگا۔ بہر حال چاہے افعال ارادی اچھے ہوں یا برے ان کے عامل کی گردن کا ہار یا طوق ہوں گے۔

مجمع البیان میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی گئی ہے:

وقیل معناہ جعلنا لكل انسان دلیلاً من نفسه لان الطائر عندہم
یستدل بہ علی الامور الکائنہ فیکون معناہ کل انسان دلیل نفسه و
شاهد علیہا ان کان محسناً فطائرہ میمون وان اساء فطائرہ مشئوم۔^[۱]
کہا گیا ہے کہ ممکن ہے اس آیت کا یہ معنی ہو کہ ہر انسان کے لئے اپنے نفس سے دلیل ہے کیونکہ صدر
اسلام کے عربوں کی نظر میں طائر ایک ایسی چیز تھا جس سے وہ ایسے امور کے بارے میں استدلال
کرتے تھے جن کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہوتا خواہ وہ اچھے امور ہوتے یا برے۔ آیت کا معنی اس بنا پر
یہ ہوگا کہ انسان اپنے آپ پر دلیل، شاہد اور گواہ ہے، اگر وہ نیک ہو تو یہ امر اس بات کی حکایت کرتا ہے
کہ اس کا طائر مبارک ہے اور اگر وہ برا ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا طائر نامبارک ہے۔

فکر و عمل کا رابطہ

اگرچہ اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ مطلب ایک احتمال ہے لیکن اصل بات اساسی اور صحیح ہے کہ ہر انسان کے اچھے
اور برے اعمال اس پر دلیل اور اس کے طرزِ تفکر پر گواہ ہیں۔ قرآن مجید ایک خاص تعبیر کے ذریعے سے اس مطلب کو یوں
بیان کرتا ہے:

قُلْ كُلُّ یَعْمَلْ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ۚ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾^[۲]

اے رسول کہہ دو: ہر مومن اور کافر کے افعال اس کے افکار کی کیفیت اور اچھی بری عادات و صفات
کے مطابق ہوتے ہیں جس سے ان کا باطن آراستہ ہوتا ہے یہ بات خدا ہی جانتا ہے کہ کون راہِ سعادت
کو طے کرتا ہے اور کون غلط اور گمراہی کے راستے کو اپناتا ہے۔

[۱] مجمع البیان، ج ۵، ص ۴۰۴

[۲] بنی اسرائیل - ۸۴

کراماً کاتبین

آیت میں مذکورہ ”طائر“ سے مراد خواہ اچھے اور برے اختیاری و ارادی اعمال ہوں یا اس کا معنی عادات اور ملکات نفسانی ہوں جو جائز اور ناجائز اعمال کا انگیزہ ہیں، دونوں صورتوں میں صاحب عمل کی گردن پر ذمہ داری ہے۔ اسلامی ذرائع سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر فرد جو کام بھی اپنی زندگی میں انجام دیتا ہے وہ کراماً کاتبین فرشتوں کے ذریعے سے ایک کتاب میں لکھے جاتے ہیں۔ اس کتاب کی حقیقت ہمارے لئے مجہول اور نامعلوم ہے اور ہم اس کی کمیت اور کیفیت سے واقف نہیں ہیں، روز محشر اسی کتاب کی بنیاد پر تمام افراد کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔

قیامت اور نامہ اعمال

قرآن فرماتا ہے:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ
مَنْشُورًا ﴿۱۳﴾

ہم نے ہر انسان کے اعمال کو لازمی طور پر اس کی گردن کا طوق قرار دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اسے ایک کتاب دیں گے جس میں اس کے اعمال درج ہوں گے۔ وہ کتاب اس کی آنکھوں کے سامنے کھولی جائے گا تاکہ وہ اسے پڑھ لے اور جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا اس سے آگاہ ہو جائے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُؤْتِنَا مَالٍ
هَذَا الْكِتَابُ لَا يَغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۗ ﴿۱۴﴾

نامہ اعمال ان کے سامنے لایا جائے گا اور تم گناہگاروں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھ کر سخت پریشان اور وحشت زدہ ہوں گے اور کہیں گے: وائے ہو ہم پر، یہ کیا اعمال نامہ ہے جس میں چھوٹا بڑا ہر گناہ درج ہوا ہے اور کوئی بھی لکھے جانے سے نہیں رہا۔

﴿۱﴾ بنی اسرائیل - ۱۳

﴿۲﴾ الکہف - ۴۹

فراموش اعمال

ایک اور مقام پر قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ أَلَا أُخْطِئُ اللَّهُ وَنَسُوا اللَّهَ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کے تمام اعمال سے آگاہ کرے گا حتیٰ ان اعمال سے بھی جو انہوں نے انجام دیئے ہوں گے۔ لیکن بھول چکے ہوں گے۔ اللہ نے ان کو نوٹ کیا ہے اور ان کا حساب کرے گا۔ بیشک خدا تم اشیاء پر ناظر اور گواہ ہے۔
پھر ارشاد ہوتا ہے:

بَلْ بَدَأَ لَهُمْ مَا كَانُوا يُحْفُونَ ۗ ﴿١٢﴾

ایسے برے اعمال جو انہوں نے دنیا میں خفیہ طور پر انجام دیئے اور کوشش کی کہ ان سے کوئی آگاہ نہ ہو قیامت کے دن وہ تمام نامہ اعمال میں آشکار و ظاہر ہو جائیں گے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات اور روایات کی روشنی میں ہر فرد کا ایک مخصوص نامہ عمل ہے جو قیامت میں اس کے ہاتھ میں دیا جائے اور اسی نامہ اعمال کی بنیاد پر اس کا حساب لیا جائے گا لیکن چند اور آیات قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخصوص نامہ اعمال کے علاوہ تمام انسانوں کے اعمال لوح محفوظ میں بھی درج ہیں۔ لوح محفوظ ایسی کتاب ہے جس میں نہ صرف لوگوں کے نیک اور بد اعمال درج ہیں بلکہ اس میں عالم ہستی کے تمام حقائق اور خصوصیات اور نظام خلقت و آفرینش کے تمام اصول و قوانین ثبت اور ضبط کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید نے چند مقامات پر اس عظیم لوح و محفوظ کو کتاب مبین یا ام الکتاب سے تعبیر کیا ہے۔

علم الہی اور اعمال بشر

قرآن فرماتا ہے

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۗ وَمَا يَعْزُبُ

[۱] المجادلہ-۶

[۲] الانعام-۲۸

عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا
أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۱۱﴾^[۱]

تم کوئی عمل انجام نہیں دیتے مگر ہم اس کا علم رکھتے ہیں اور جب تم اس کام کی ابتداء کرتے ہو تو ہم تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور تمہارے پروردگار کے علم سے زمین اور آسمانوں کے ایک ناچیز ذرے کا وزن بھی پوشیدہ نہیں ہے اور کوئی بھی چیز ذرے سے بڑی یا چھوٹی موجود نہیں ہے مگر وہ لوح محفوظ جو کتاب مبین الہی ہے میں درج اور ثبت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

اعمال کا محو اور ثبت ہونا

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَ أُمِّ الْكِتَابِ ﴿۳۹﴾^[۲]

جسے اللہ چاہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہے ثبت کر دیتا ہے اور ام الکتاب یعنی لوح محفوظ حضرت باری تعالیٰ کے پاس ہے۔

جیسا کہ تفسیر میں ذکر ہوا ہے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں ارادہ و مشیت ایزدی سے جو مٹایا اور لکھا جائے گا وہ عالم ہستی اور تمام مسائل اور امور سے مربوط ہے۔ مثال کے طور پر جہان کے عام مقدرات، احکام دین کے نسخ و منسوخ، عمر کی مقدار میں افراد کا انفرادی انجام رزق کی مقدار اور ان جیسے دیگر امور۔

ام الکتاب میں ایک بات یہ بھی لکھی ہوئی ہے جو انسانوں کے اعمال کے محو اور اثبات کو بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور کو چاہے گا پاک دل اور ایماندار افراد کے گناہوں کو ام الکتاب کے صفحات سے مٹا دے گا اور اپنی رحمت و فضل کی بناء پر انہیں بخش دے گا اور ان کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔ اسی طرح پلید اور بے ایمان افراد کے گناہ اس میں محفوظ رکھے گا کہ ان کا اپنے عدل و انصاف کی بنیاد پر مؤاخذہ کرے گا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچائے گا۔

لوگوں کے اعمال کا ثبت ہونا

جو کچھ یہاں پر انسانوں کے ثبت اعمال کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ قرآن کے

[۱] یونس۔ ۶۱

[۲] الرعد۔ ۳۹

پیروکار دینی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ہر شخص کے افعال فرشتگانِ خدا کے ذریعے اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور لوح محفوظ جو ام الکتاب ہے، میں عالم ہستی کے تمام امور جن میں لوگوں کے اعمال بھی ہیں، ثبت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس جہان ہستی کی تمام جزئیات کا عالم ہے۔ لوگوں کے اعمال اس کے لامحدود علم سے پنہاں نہیں ہے۔ اس بنیاد پر مادہ پرستوں کی دوسری بات کا جواب بھی روشن ہو گیا ہے۔ وہ کہتے تھے: ایسی کون سی طاقت ہے جو اول سے لے کر آخر تک کے انسانوں کے جرائم اور مظالم کو نہایت باریکیوں کے ساتھ محفوظ کر سکے اور ان امور میں سے ہر ایک کے لئے ظالم اور مظلوم کی پہچان کر سکے تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں؟ قرآن کے پیروکار انہیں جواب دیتے ہیں کہ تمام انسانوں کے چھوٹے بڑے اعمال، علم الہی، لوح محفوظ اور ان کے نامہ اعمال میں محفوظ اور ثبت ہیں اور روز جزا ہر فرد کا اپنی کتاب کے مطابق حساب و کتاب لیا جائے گا۔

یہ بات بھی ذکر ہو جائے کہ انسان کے نامہ اعمال میں نہ صرف وہ اچھے اور برے اعمال وہ ذاتی طور پر اپنی زندگی میں انجام دیتا ہے لکھے جائیں گے بلکہ دوسروں کے اچھے اور برے اعمال جو اس کی موت کے بعد وہ انجام دیں گے اور وہ ایک یا چند پہلوؤں سے اس سے وابستہ اور مربوط ہوں گے، وہ بھی اس کے نامہ عمل میں لکھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ط

ہم قیامت کے روز مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ہی لوگوں کے نیک اور بد اعمال کو لکھتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کے درست اور غلط کاموں کے نتائج اور آثار جو ان کی موت کے بعد مرتب ہوتے ہیں، کو بھی لکھتے ہیں۔

اچھی اور بری سنت کی تاسیس

جریر بن عبد اللہ بجلي کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعدة من غير ان ينقص من اجورهم شئ ومن سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعدة لا ينقص من اوزارهم شئ ثم تلا هذه الآية "ونكتب ما

قدمو و آثارہم۔^[۱]

جو شخص لوگوں کے درمیان اچھی اور راہ و رسم اور سنت کی بنیاد رکھے اس کا اجر اس کے لئے ہے اسی طرح اگر کوئی اس کے بعد اس سنت پر عمل کرتا ہے تو بنیاد گزار کے لئے اجر ہے اور سنت کے عاملین کی جزا میں سے کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص معاشرے میں بری رسم اور گناہ آلودہ سیرت کی بنیاد رکھے تو اس کا بوجھ اور گناہ اس پر ہے نیز اس کے بعد اس غلط سنت کی پیروی کرنے والوں کے گناہ بھی اس کے کھاتے میں جائیں گے اور گناہگاروں کے گناہ سے بھی کوئی چیز کم نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے آیت کا یہ جملہ تلاوت فرمایا کہ: ”ہم ان اعمال کو لکھتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں آگے بھیجتے ہیں اسی طرح موت کے بعد ان اعمال کے آثار اور باقیات بھی لکھتے ہیں۔“

یہی مطلب قرآن شریف کی ایک اور آیت کے ذیل میں آیا ہے۔ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے مطابق اس کی تفسیر معاشرے میں اچھی یا بری سنت کی بنیاد ہے۔
ارشادِ الہی ہے:

يُنَبِّئُ الْاِنْسَانَ بِوَمَآ قَدَّمَ وَاٰخَرَ ﴿۳۳﴾^[۲]

انسان قیامت کے دن اپنی زندگی میں انجام دیئے گئے تمام نیک اور بد اعمال سے آگاہ ہو جائے گا۔ اسی طرح ان کی موت کے بعد جو کام دوسروں نے انجام دیئے ہوں گے اور ان کا نفع و نقصان اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، سے بھی واقف ہو جائے گا۔

موت کے بعد نیکی اور بدی

امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

بما قدم من خیر و شر وما اخر فما سن من سنة لیستن بہا من بعدہ فان
کان شر اکان علیہ مثل و زرہم ولا ینقص من و زرہم شیئا وان کان خیر

[۱] تفسیر در المنثور۔ ج ۵ ص ۲۶۰

[۲] القیامۃ۔ ۱۳

کان له مثل اجورهم ولا ينقص من اجورهم شيئاً. [۱]

جو کچھ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں اور بدیاں انجام دی ہوں گی اور آخرت کے لئے ان کو بھیجا ہوگا وہ ان سے آگا ہو جائے گا اور اس نے معاشرے میں جن رسوم کی بنیاد ڈالی ہوگی اگر وہ بد ہوں گے تو اس کے لئے ان پر عمل کرنے والوں کی طرح بوجھ اور وبال ہوگا جب کہ ان فاعلوں کے سزا میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی اور اگر رسم خیر ہوگی تو اس کے پیروکاروں کی مانند اس بانی کا بھی اجر ہوگا اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

مثلاً: قرض حسنہ بنک، ایک بہت ہی اچھی روایت اور رسم ہے جس میں حالیہ سالوں میں تمام ایران میں بڑی تیزی کے ساتھ وسعت پیدا ہوئی ہے اور اب ایران کے بہت سے چھوٹے بڑے شہروں میں ایسے یا چند بنک موجود ہیں اور دیندار اور صاحب ثروت افراد کی رقوم سے جو انہوں نے ان بنکوں میں جمع کروائی ہیں آبرو مند اور تنگ دست مسلمانوں کو سود کے بغیر قرضہ جات دیئے جاتے ہیں۔

ابتداء میں چند افراد تھے جو ایک بنک کا قیام عمل میں لائے اور ضروری سرمایہ فراہم کیا اور یوں انہوں نے معاشرے میں اس کار خیر کی بنیاد رکھی۔ کار خیر کی بنیاد رکھنے والوں کے بارے میں روایات کی رو سے یہ افراد جب تک زندہ ہیں اس قسم کے تمام بنکوں کے اجرا کا ثواب انہیں ملے گا جو ان کی تقلید میں دوسری جگہوں پر قائم ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ان قرض حسنہ بنکوں کے بانیوں اور سرمایہ فراہم کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ صدقہ جاریہ ان کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اگر یہ نیک سینکڑوں سال تک اپنا کام کرتے رہیں تو اس سکیم کی بنیاد رکھنے والے ان کے بانیوں اور سرمایہ فراہم کرنے والوں کی طرح اجر و ثواب کے حقدار ہیں جب کہ ان کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔

استوار و محکم اثرات

افراد کی موت کے بعد ان کے نامہ اعمال میں لکھے جانے والے اچھے اور برے آثار صرف نیک اور بری روایات قائم کرنے میں منحصر نہیں ہیں بلکہ کچھ نیکیاں انسان کی ایسی ہیں جو اس کی موت کے بعد اپنی جگہ پر باقی رہتی ہیں جب کہ وہ رسم نہیں ہیں۔ لیکن جب تک وہ اپنی جگہ باقی اور پائیدار رہتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں ان کے آثار اور

اثرات مرنے والے تک پہنچتے رہتے ہیں اور اس کے نامہ اعمال میں مثبت ہوتے رہتے ہیں۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلث علم ينتفع به او صدقة تجرى
له او ولد صالح يدعو له. [۱]

جس وقت انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا مگر
تین طریقوں سے: پہلا یہ کہ اس نے اپنے پیچھے علم چھوڑا جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ دوسرا وہ صدقہ
جو اس کی طرف سے کیا گیا جاری ہو اور تیسرا صالح فرزند جو اس کے لئے دعا کرتا ہو۔

سود مند علم

حدیث کا پہلا جملہ تعلیم یافتہ اور عالم افراد کو شوق دلاتا ہے کہ وہ اپنے علم کو عوام تک پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی مفید
معلومات سے مستفید کریں۔ کبھی یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ کوتاہ فکر افراد ایک مفید علمی بات جانتے ہیں لیکن اسے اپنے آپ
میں منحصر کرنے کی خاطر دوسروں کو نہیں بتاتے۔ یہاں تک کہ اسے ضبط تحریر میں بھی نہیں لاتے کہ مبادا وہ تحریر کسی اور کے ہاتھ
لگ جائے اور وہ اس کے مخصوص علم سے آگاہ ہو جائے۔ آخر کار یہ افراد مر جاتے ہیں اور اپنی معلومات اپنے ساتھ قبر میں لے
جاتے ہیں لیکن دوسروں کو بہرہ مند نہیں کرتے۔

صدقہ جاریہ

یہ روایت درحقیقت رسول اکرم کی طرف سے عالم اشخاص کو وصیت ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اسے
دوسروں کو بتاؤ تاکہ وہ اس سے بہرہ مند ہوں اور یہ کام تمہارے لئے مستقل طور پر خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس کا ثمر تمہیں
برزخ میں بھی ملے گا اور قیامت میں تمہاری نیکیوں میں شمار ہوگا۔

حدیث کا دوسرا جملہ مسلمانوں کو مرنے والوں کی یاد دلاتا ہے اور انہیں متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مرحومین کی طرف
سے صدقہ جاریہ کا انتظام کریں جو عوام کے لئے سود مند ہو اور ان مرحومین کی طرف سے انجام دیا جائے تاکہ ان کے نیک
اعمال کا جزو قرار پائے اور ان کے نامہ عمل میں لکھا جائے اور اس کا ثواب برزخ اور قیامت میں ان کی روح کو پہنچے۔
مجاہدین اسلام میں سے ایک مجاہد جس کا نام سعد تھا چند آدمیوں کے ساتھ رسول اکرم کی معیت میں مدینے سے

[۱] بحار الانوار، ج ۱ ص ۷۲

خارج ہوئے اور محاذِ جنگ پر چلے گئے۔ اس موقع پر اس کی والدہ مریض تھیں اور وہ اپنے بیٹے کی غیر موجودگی میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ سعد کو اپنی والدہ سے بہت محبت اور پیار تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ماں کی موت کی خبر سن کر سخت غمگین ہوا۔ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سفر سے پہلے اپنی ماں کے لئے صدقہ دینا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا اب جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں ان کے صدقہ دوں تو کیا اس کا فائدہ انہیں پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا تم نے اس سفر میں دیکھا کہ مجاہدین کو راستے میں پانی کی تنگی کا سامنا کرنا پڑا اگر تم میں ہمت ہے تو اس راستے میں ایک کنواں کھود دو تا کہ آنے جانے والے قافلے اس کے پانی سے سیراب ہوں اور یہ تمہاری ماں کے لئے صدقہ جاریہ ہو۔ اس نے نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق اپنی ماں کی طرف سے ایک کنواں کھودا اور اس کنوئیں کا نام ”بئر ام سعد“ رکھا اور اسے عوام کے لئے وقف کر دیا۔

صدقہ جاریہ فقط یہی نہیں کہ مرحوم کے ورثاء ولو احقین کی موت کے بعد اسے یاد کر لیں اور اس کی طرف سے صدقہ جاریہ جاری کریں بلکہ ہر شخص خود اپنی زندگی میں ایسا عمل خیر انجام دے سکتا ہے مثلاً کنواں کھود سکتا ہے اور نہر جاری کر سکتا ہے اور اسے لوگوں کے فائدہ کے لئے وقف کر سکتا ہے وہ جب تک زندہ ہے اس کا خیر سے روحانی فائدہ حاصل کرتا رہے گا اس سے بڑھ کر یہ صدقہ اگر اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور لوگ اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں تو اس کا خیر کا اجر و ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ یہی بات ایک اور حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ليس يتبع الرجل بعد موته من الاجر الا ثلاث خصال صدقة اجرها في

حياته فهي تجرى بعد موته الى يوم القيامة. [۱]

موت کے بعد انسان کے حصے میں کوئی نیا اجر و ثواب نہیں آتا مگر تین طریقوں سے۔ ان میں ایک وہ صدقہ ہے جو اس نے اپنی زندگی میں جاری کیا ہوگا اگر موت کے بعد وہ صدقہ قیامت تک باقی رہے تو اس کا اجر اسی طرح مرحوم کی روح تک پہنچتا رہے گا۔

نیک فرزند کی دعا

حدیث کے آخری جملے میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ تیسری خیر جو موت کے بعد انسان کو ملے گی وہ نیک فرزند کی دعا ہے۔ گویا اس جملے کے ذریعے نبی اکرمؐ مسلمانوں کو اپنی اولاد کی نیک تربیت کرنے کی ترغیب دلا رہے ہیں اور انہیں

[۱] خصال صدوق، ص ۱۵۱

سمجھا رہے ہیں کہ نیک اولاد نہ صرف ایام حیات میں والدین کی سر بلندی اور افتخار کا باعث ہے بلکہ موت کے بعد بھی فائدہ مند ہے اور لائق بیٹے کی دعا بطور کار خیر والدین کے اعمال میں لکھی جائے گی اور ان کے عذاب کے خاتمے یا ان کے مقام میں بلندی کا موجب بنے گی۔

اولاد کا عمل خیر

بعض روایات کی روشنی میں مرحوم والدین کو نیک اولاد کی طرف سے پہنچنے والا فائدہ دربار الہی میں اس کی دعا میں منحصر نہیں ہے بلکہ وہ تمام اچھے اور نیک کام جو اولاد اپنے والدین کی اچھی تربیت کی وجہ سے اپنا دینی اور انسانی فریضہ سمجھ کر انجام دیتی ہے۔ ان میں بھی والدین کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ اولاد کا نیک عمل عالم برزخ میں گرفتار عذاب باپ کے حالات میں تبدیلی کا باعث بن سکتا ہے اور اسے عذاب الہی سے رہائی دلا سکتا ہے۔

عذاب میں گرفتار باپ کی نجات

اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مر عیسیٰ ابن مریم بقبر یعذب صاحبہ ثم مر بہ من قابل فاذا ہو لیس
یعذب فقال یا رب مررت بہذا القبر (عام) اول وکان صاحبہ یعذب ثم
مررت بہ العام فاذا ہو لیس یعذب فاوحی اللہ الیہ یا روح اللہ انہ ادرك
لہ ولد صالح فاصلح طریقاً و اوی یتیماً فغفرت لہ بما عمل ابنہ۔^[۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذرا ایک قبر سے ہوا جس کے صاحب پر عذاب ہو رہا تھا۔ ایک سال بعد دوبارہ ان کا اسی قبر سے گذر ہوا لیکن اب اس پر عذاب نہیں ہو رہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار! گذشتہ سال یہ قبر والا عذاب میں مبتلا تھا جب کہ اس سال ایسا نہیں ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ اللہ نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اس نے ایک فرزند پیچھے چھوڑا تھا، اس نے اس سال مسافروں کی سہولت کے لئے ایک راستہ درست کر دیا ہے اور ایک یتیم کو اس نے پناہ دی ہے۔ میں نے اس کے باپ کے گناہ کو نیک بیٹے کے اچھے عمل کی وجہ سے بخش دیا ہے۔

[۱] سفینہ، ج ۲، ص (یتیم) ۳۰۔

ثبت اعمال کی بحث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر مکلف کا اپنا خاص نامہ عمل ہے اور اس نے دنیا میں جو بھی نیک اور برے کام کئے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، خفیہ طور پر انجام دیئے ہوں یا ظاہری طور پر سب کے سب اس نامہ عمل میں لکھے ہوں گے اور اس کی موت کے بعد اس کی فائل سیل کر دی جائے گی اور اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا۔ البتہ کی گئی تشریح کے مطابق بعض افراد ایسے بھی ہیں جن کے مرنے کے بعد بھی ان کا نامہ عمل میں اچھے اور برے کام لکھے جاتے ہیں۔ وہ ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں سنت حسنہ یا صدقہ جاری کیا ہوگا۔ یہ لوگ موت کے بعد بھی ان کے نتائج سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور ان کے نیک اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی طرح جنہوں نے کسی بری رسم کی بنیاد رکھی ہوگی، اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر اس کے نامہ عمل میں گناہ لکھے جائیں گے۔

فرد و امت کی مشرک باتیں

قرآن شریف میں متعدد آیات ایسی ہیں جو انفرادی موت اور فرد کی دنیا میں موت آنے سے حکایت کرتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی بہت سی آیات انفرادی قیامت، فرد کا نامہ اعمال، فرد کے کاموں کی شہادت اور فرد کے حساب و کتاب کو بیان کرتی ہیں۔ اسی طرح کی دیگر آیات امت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو امت کی عمر، دنیا میں امت کی موت اور آخرت میں امت کے نامہ عمل، شاہدِ عمل اور حساب و کتاب کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل میں چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے درمیان موازنے کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔

فرد اور امت کی موت

فرد کی موت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ [۱]

ہر فرد نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

امت کی موت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۗ [۲]

ہر امت کے لئے موت ہے۔

[۱] العنکبوت - ۵۷

[۲] الاعراف - ۳۴

فرد کی موت کے متعلق وعدہ کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ ﴿١﴾

کوئی بھی شخص نہیں مرے گا مگر اذن الہی اور کتابِ خدا میں معین شدہ شخص اجل ہے۔

امت کی اجل کے سلسلے میں قرآن فرماتا ہے:

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾ ﴿٢﴾

کسی بھی امت کی موت وقت مقررہ سے پہلے آئے گی نہ اس کے بعد۔

فرد اور امت کا نامہ عمل

فرد کے نامہ عمل کے بارے میں ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٦﴾ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٧﴾ ﴿٣﴾

جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ اس کا بہت جلدی اور آسانی کے ساتھ حساب و کتاب ہو جائے گا۔

امت کے نامہ عمل کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۗ ﴿٤﴾

قیامت کے دن ہر امت کو نامہ عمل کی طرف بلا یا جائے گا۔

فرد اور امت کے گواہ

فرد کے گواہ کی بات یوں کی گئی:

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿١٥﴾

ہر فرد قیامت میں آئے گا، اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوگا جو اسے عرصہ محشر میں لائے گا وہ حساب کے

﴿١﴾ العبران - ۱۳۵

﴿٢﴾ الحج - ۵

﴿٣﴾ الانشقاق - ۷، ۸

﴿٤﴾ الباقیہ - ۲۸

﴿٥﴾ ق - ۲۱

موقع پر اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔

امت کے گواہ کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۗ [۱]

قیامت کے دن ہر امت پر ہم گواہ لائیں گے اور کہیں گے اب اپنے مشرکانہ عقائد اور باطل اعمال پر اپنی دلیل پیش کرو۔

روئے اور روش کی وحدت

راغب کہتے ہیں

الإمہ کل جماعة یجمعہم امر ما دین واحد او زمان و مکان واحد۔ [۲]

امت ہر جماعت سے عبارت ہے جسے قدر مشترک کی بنا پر آپس میں جوڑ دیا گیا ہو اور وہ قدر مشترک یا دین واحد ہے یا زمان و مکان واحد ہے۔

ایسا معاشرہ جس میں ملی فکر، اجتماعی ثقافت، دینی قائد اور عوامی آداب و رسوم کے لحاظ سے روئے اور روش کی وحدت پائی جائے امت کہلاتا ہے۔ امت خود ایک مستقل وحدت کی آئینہ دار ہے اور جو افراد اس معاشرے کے احکام کے پابند ہیں اس امت کے اعضاء کی مانند ہیں۔

اس سلسلے میں ساموئل کنگ اپنی کتاب جامعہ شناسی (فارسی ترجمہ) کے صفحہ ۳۹۲ پر لکھتا ہے:

معاشرہ ایک اجتماعی اور نفسیاتی توانائی کا حامل ہوتا ہے جس کا افراد میں فقدان پایا جاتا ہے اور یہ طاقت ثقافت یا آداب و رسوم سے عبارت ہے۔ اجتماعی آداب و رسوم سے مراد ایسے ذرائع ہیں جنہیں معاشرہ ان کی تطبیق کے لئے افراد کے سپرد کرتا ہے اور یہ آداب و رسوم ہی ہیں جو اجتماعی طرز عمل کو فرد پر عائد کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں فرد سے بالاتر سمجھنا چاہیے۔

[۱] لقصص - ۷۵

[۲] مفردات راغب (ام)

فرد کی معاشرے میں حیثیت

اسی طرح کتاب ’انسان ناشناختہ‘ کے صفحہ ۱۴۳ پر یوں رقم ہے:

ہم اپنے معاشرتی ماحول میں جسم کے اندرونی ماحول میں سیلوں کی طرح غرق ہیں اور خلیوں کی طرح ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ انسان کا جسم جلد کے حصار اور ہڈیوں کے ڈھانچے سے لیس ہے لیکن اس کے برعکس فکر و شعور کی سرحدیں ہمیشہ کھلی ہیں اور انسان کی روح دائمی طور پر معاشرتی ماحول کے ہر قسم کے فکری اور معنوی عوامل کی زد میں ہے اور ان عوامل کی سالم یا متلاطم طبعی حالت کے اثرات روح پر مرتب ہوتے ہیں۔

ایسا معاشرہ جو مشترک عقائد اور افکار کا حامل ہو اس کی شخصیت اجتماعی اور وہ ایک امت میں شمار ہوتا ہے معاشرہ فرد کی طرح حیات و موت رکھتا ہے۔ جب تک مشترک جہات باقی اور برقرار ہیں کوئی امت اجتماعی حیات رکھتی ہے اور جب ان مشترکات کا خاتمہ ہو جائے تو اجتماعی عمر ختم ہو جائے گی اور وہ امت مرجائے گی۔ اگرچہ اس امت کے افراد زندہ رہیں اور اپنی انفرادی زندگی کو جاری رکھیں۔

دورِ جاہلیت کے عربوں کے امتیازات

مثلاً دورِ جاہلیت کے عرب ایک امت تھے وہ ایک اجتماعی حیات کے حامل تھے وہ مشترکات جو انہیں وحدت کی لڑی میں پروئے تھے اور ان افکار اور اعمال پر حاکم تھے۔ بت پرستوں، بتوں کے لئے حیوانوں اور کبھی کبھار انسانوں کی قربانی، نومولود لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا، اپنی عورتوں کو جوئے میں بازی پر لگانا یا انہیں بازار میں فروخت کرنا، جس کی لاشی اس کی بھینس کے اصول پر عمل کرنا اور حق و عدالت کو آگاہ طور پر یا عدم آگاہی کی بناء پر پامال کرنا ان کے اعمال تھے۔ مختصر یہ کہ کچھ امور اور معاملات تھے جو تمام لوگوں کے نزدیک قبولیت کا درجہ رکھتے تھے اور انہی سے ان کی ایک امت بنتی تھی۔

اسلام اور رسومِ جاہلیت

رسالت مآب کے قیام اور اسلامی انقلاب نے صورت حال کو بدل دیا اور جاہلیت کے عربوں کی خصوصیات پر لکیر پھیر دی۔ بت ٹوٹ گئے، شرک آلود قربانیوں کا خاتمہ ہو گیا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کو ممنوع قرار دے دیا گیا، خواتین کو اجتماعی حقوق دے دیئے گئے، جوئے میں ان پر شرط لگانے اور انہیں بازار میں بیچنے پر پابندی لگا دی گئی، زور اور طاقت کی جگہ عدل و انصاف نے لے لی اور کمزور لوگ حق و عدالت کے قوانین کے سائے میں سکھ چین سے زندگی گزارنے لگے۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے انقلاب کی وجہ سے عرب جاہلیت پر مبنی امت کی اجل آگئی، اس کے امتیازات خاک

میں مل گئے اور اسلام نے اس کی اجتماعی زندگی کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ جب کہ امت جاہلیت کے افراد جو پیکر اجتماع کے اعضا کی مانند تھے، زندہ تھے لیکن امت جاہل عرب کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ کیونکہ اس کی وحدت کا معیار نہیں رہا تھا۔ اس میں سے بعض حقیقی مسلمان بن گئے اور بعض نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا لیکن باطنی طور پر وہ بے ایمان تھے۔

امت اور فرد کی مسئولیت

جس طرح افراد ذاتی لحاظ سے خدا کے حضور اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں اسی طرح امتیں بھی اپنے اجتماعی پہلو سے اپنے افکار اور افعال کے سلسلے میں بارگاہِ الہی میں جواب دہ ہیں۔ البتہ اس میں ایک فرق یہ ہے کہ اشخاص کا فیصلہ انفرادی طور پر ہوگا۔ لیکن امتوں کا حساب و کتاب اجتماعی اور گروہی ہوگا۔ قرآن شریف نے افراد کے فیصلے کے متعلق فرمایا ہے۔

فرد اور امت کا محاسبہ

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾^[۱]

اور قیامت میں لوگ انفرادی طور پر حساب و کتاب کے لئے دربارِ الہی میں پیش ہوں گے۔
لیکن امت کے محاسبہ کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِيَةً ﴿٢﴾

قیامت کے روز تم ہر امت کو حساب و کتاب کے لئے اکٹھے اور گھنٹے ٹیکے ہوئے دیکھو گے۔
افراد اور امتوں کے حساب و کتاب میں ایک اور فرق یہ ہے کہ انفرادی حساب و کتاب کے وقت ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ قرآن اس بارے میں فرماتا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ أَقْرَبُوا كِتَابِيَةَ ﴿٩٥﴾..... وَأَمَّا

مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ فَيَقُولُ لِيَلَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيَةَ ﴿٩٥﴾ ﴿٣﴾

[۱] مریم۔ ۹۵

[۲] الجاثیہ۔ ۲۸

[۳] الجاثیہ۔ ۱۹، ۲۵

وہ شخص جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا خوشی اور سر بلندی سے اپنے ارد گرد کے افراد سے کہے گا: آؤ میرے نامہ اعمال کو دیکھو اور وہ جس کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال تھا یا جائے گا ندامت اور شرمندگی کے مارے کہے گا: اے کاش! یہ لکھا ہوا مجھے نہ دیا جاتا۔

امت کا نامہ اعمال

امت کا نامہ اعمال قیامت میں کسی شخص کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا بلکہ امت کو اس سے بلا یا جائے گا۔ اس سلسلے میں قرآن شریف فرماتا ہے:

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ [۱]

قیامت میں ہر امت کو اس کے نامہ اعمال سے پکارا جائے گا اور اس سے خطاب ہوگا کہ آج کے دن تمہارے عمل کے مطابق تمہیں جزا دی جائے گی۔ یہ ہماری کتاب ہے جو حق کے ساتھ تمہارے تمام فکری اور جسمی اعمال کو جمع کیا ہے۔

انفرادی گناہوں میں ہر شخص اکیلا اپنے اعمال کا جواب دہ ہے باپ کا حساب بیٹے سے ماں کا اولاد سے، بھائی کا بہن سے اور بہن کا حساب بھائی سے جدا ہوگا۔ ہر شخص کا نامہ اعمال اسی سے مخصوص ہوگا لیکن امت نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا یا جن افکار کی پیروی کی ہوگی اور ان کو سب افراد نے قبول کیا ہوگا تو یہ اجتماعی نامہ اعمال ہوگا اور اس پر تمام امت کا ایک ہی ساتھ محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

مثلاً تازہ جنم لینے والی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا دور جاہلیت کی عرب امت کی خصوصیت تھی۔ یہ ظلم والدین کی نسبت جنہوں نے اپنے جگر گوشہ کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ سپرد خاک کیا، ایک انفرادی گناہ اور ذاتی جرم شمار ہوگا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ عرب امت نے قبل از اسلام اس ظلم کو رواج دے رکھا تھا۔ اور اس کے عمومی افکار نے نواز دہچیوں کو زندہ درگور کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، یہ پوری امت کا گناہ شمار ہوگا اور قیامت کے دن اس انسانیت کش اور خلاف فطرت ظلم کو رواج دینے اور اس پر راضی ہونے پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی اگرچہ ان میں سے چند لوگوں نے پوری زندگی شادی نہ کی ہو لیکن بچے ہی پیدا

نہ ہوئے ہوں کہ ان کو زندہ درگور کرتے۔ قبل از اسلام جاہل امت کے اس بہت بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۙ

جب زندہ درگور کئے جانے والے بچے کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟

وحشیانہ ظلم

ابن عباسؓ کہتے ہیں:

الموءودة هي المدفونة كانت المرأة في الجاهلية اذا هي حملت فکان او ان ولادها حضرت حضرت حفصة فتبخضت على رأس تلك الحاضرة فان ولدت جاريه رمت بها في تلك الحاضرة وان ولدت غلاماً جسته. [۱]

موءودہ سے مراد جن کی گئی ننھی لڑکی ہے۔ پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: دور جاہلیت میں جب عورت کے وضع حمل کا وقت قریب آتا تھا تو وہ ایک گڑھا کھود دیتے تھے جب وہ بچہ جننے لگتی تھی تو اسے گڑھے کے قریب لایا جاتا اگر مولود بیٹی ہوتی تھی تو بغیر کسی پس و پیش سے اسے گڑھے میں دبا دیتے تھے اور اگر وہ بیٹا ہوتا تو اسے رکھ لیتے تھے۔

ظلم کا ریشہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی قاتل کا نام نہیں لیا اور یہ نہیں پوچھا کہ کس شخص نے اسے قتل کیا ہے بلکہ قتل کے متعلق سوال کیا ہے اور فرمایا ہے: اس ننھی جان کو کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟ کیونکہ اس وحشیانہ ظلم کا اصلی عامل اور اس کی بنیاد جاہلیت کی عرب امت تھی نہ کہ ماں اور باپ۔ اگر امت عرب اسلام سے پہلے اس ظلم کی تائید نہ کرتی اور عمومی افکار اس پر راضی نہ ہوتے تو یہ بے گناہ بیٹیاں ہرگز زندہ درگور نہ ہوتیں اور والدین کو جرأت کبھی نہ ہوتی کہ وہ اس شرم آور اور ننگ آور کام کو ہاتھ لگائے اور یوں انسانیت کے دامن کو داغدار کرتے۔ انبیاء الہی کا مکتب نہ صرف ارتکاب جرم اور اس کے وقوع میں مدد کرنے سے منع کرنا ہے بلکہ دوسرے کے گناہوں اور جرائم پر راضی ہونا بھی گناہ بتایا گیا ہے اور وہ افراد جو اس قسم کے گناہ آلود اور غیر

پاکیزہ ضمیر اور دل کے مالک ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ایہا الناس انما یجمع الناس الرضى والسخط وانما عقر ناقاة ثمود رجل
واحد فعبهم الله بالعذاب لباعموه بالرضى فقال سبحانه «ففقروها
فأصبحوا ندمین۔ سورۃ الشعراء آیت ۱۵» [۱]

مختلف مسائل اور امور میں لوگوں کے درمیان قدر مشترک رضا اور ناراضی ہے۔ شہود کی اوٹنی کی کوچیں
ایک شخص نے کاٹ ڈالی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ساری امت پر عذاب نازل کیا تھا کیونکہ عمومی طور پر تمام
لوگ اوٹنی کے قتل پر راضی تھے پھر امام علیہ السلام نے قرآن کی آیت سے دلیل پیش کرتے ہوئے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اوٹنی کی ٹانگیں کاٹنے کی نسبت عمومی طور پر امت صالح کی طرف دی ہے۔

ظلم پر راضی ہونا

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

من غاب عن امر فرضی به کان کمن شہدا و اتاہ۔ [۲]

اگر کوئی شخص کسی کام کے وقوع پذیر ہونے کے وقت وہاں موجود نہ ہو لیکن اس کام کے ہونے پر راضی
ہو، وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اس کے واقعے کے وقت موجود تھا اور اس نے وہ کام انجام دیا۔

قیامت کے دن جو نامہ اعمال لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جائے گا وہ دنیا کے خطوں، دنیا کی کتابوں اور تحریروں کی
طرح نہیں ہوگا اور اس کا موازنہ بشر کی طرف سے بنائے جانے والے نقوش اور تحریر کی گئی کا پیوں اور اوراق سے کیا جاسکتا
ہے۔ ہم ان اعمال ناموں کی حقیقت سے نا آگاہ ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اعمال نامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی
عالم قیامت کے اور بہت سارے امور اور حالات میں سے جو ہمارے لئے مجہول اور نامعلوم ہیں لیکن قرآن شریف کی آیات
اور آئمہ کی احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اعمال نامے اس انداز سے ترتیب اور تحریر کئے گئے ہوں گے کہ محشر میں ہر
شخص جس قوم اور نسل کا بھی ہوگا خواہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ وہ اپنی دنیا والی زبان میں کتاب عمل پڑھ لے گا اور اس کے

[۱] نوح البلاغہ۔ خطبہ ۲۰۱

[۲] سفینہ۔ ج اول، (رضا) ص ۵۲۵

مناہیم سے آگاہ ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اس سے خطاب ہوگا:

اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۗ كَفَىٰ بِتَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿۱۵﴾

اپنی کتاب پڑھو۔ آج کے دن تمہارے اپنے محاسبے کے لئے تمہارا نفس ہی کافی ہے۔

ایک سوال بغیر جواب کے

تجسم اعمال کے بارے میں جو کچھ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عوام الناس کا نامہ اعمال دنیا میں انجام پانے والے کاموں کا مجسم ہونا اور تمشکل ہوتا ہے کہ جسے صاحب عمل دیکھے گا اور اپنے حساب سے آگاہ ہو جائے گا یا نامہ اعمال تجسم اعمال کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ یعنی ایک نامعلوم اور باقاعدہ کتاب ہے جو قیامت کے دن صاحب عمل کے سامنے کھولی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اور اس جیسے دوسرے سوالات جو آخرت کے عالم نورانی سے مربوط ہیں کا قطعی جواب دینا نا آگاہ بشر اور عالم طبیعت کی حدود میں زندگی گزارنے والے انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن بعض علماء نے آیات قرآنی کے بعض نکات سے استفادہ کرتے ہوئے اور چند علمی مباحث کا سہارا لیتے ہوئے اس بارے میں کچھ مطالب بیان کئے ہیں۔ ان میں سے دو طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ اپنے رسالے بنام ”حیات بعد از مرگ“ جو یادنامہ استاد مطہری کی کتاب میں شائع ہو چکا ہے، میں یوں لکھتے ہیں:

”انسان کے اعمال جو اس کے نفع یا نقصان کے ریکارڈ کئے جاتے ہیں، دنیا میں وہ انہیں محسوس نہیں کر سکتا کیونکہ (حواس) صرف اشیاء کی ظاہری سطح تعلق پیدا کرتے ہیں اور اشیاء کے باطنی اور گہرے امور صرف علامتوں اور آثار سے ادراک کرتے ہیں لیکن دوسرے جہان کی نشاۃ اور زندگی ایسی ہے کہ وہاں سب پردے ہٹ جائیں گے اور سب پنہاں امور آشکار ہو جائیں گے اور انہیں آزمائش و امتحان سے گزارا جائے گا اور سب چیزیں ظاہر ہو جائیں گی ”وبرزوا للہ جمیعاً“ اس لئے طائر کو کتاب اور نامہ سے توصیف کیا گیا ہے کہ خود شخص اس کو کھولے گا اور وہ آشکار ہو جائے گا۔“

نامہ اعمال

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”احصہ اللہ ونسوه“ مجادلہ۔ ۶۔ نیز ارشاد ہوتا ہے: بد الہم ما کانوا یخفون

من قبل۔ انعام ۲۸۔ اس میں ’احصا‘ (شمار کرنا) اور ’بداء‘ (آشکار ہونا) کو خود اعمال سے نسبت دی گئی ہے کیونکہ کتاب (نامہ اعمال) خود اعمال یا ان کی حقیقت کو لئے ہوئے ہوگی ان اصطلاحی خطوط اور تحریروں پر مشتمل نہ ہوگی جو معین مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ علامہ طباطبائی مرحوم کہتے ہیں کہ نامہ اعمال، خود اعمال یا ان کی حقیقت پر مشتمل ہوگا۔ علامہ فیض کا شانی رضوان اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’کلمات مکنونہ‘ میں ہر انسان کے نفس کو اس کا نامہ اعمال کہا ہے وہ یوں لکھتے ہیں:

صحیفہ عمل یا کتاب لوح

کل ما یدرکہ الانسان بحواسہ یرتفع اثرہ الی روحہ ویجتمع فی صحیفہ ذاتہ
وخزانة مدرکاتہ وکذلک کل مثقال ذرۃ من خیرا و شر ا یعملہ یرئی اثرہ
مکتوباً مئة وسیما مار سخت بسببہ الھیات وتاکدت بہ الصفات وصار خلقا و
ملکة فان ذلک مما یوجب خلود الثواب والعقاب فکل انسان نفسہ صحیفہ
اعمالہ وهو کتاب عنطو الیوم عن مشاہدۃ الابصار وانما ینکشف بالموت
ورفع ما یوردۃ الشواغل الحسیہ المعبر عنہ بقولہ سبحانہ ”واذا الصحف
نشرت“ التکویر۔ ۱۰“ فاذا حان وقت ذلک وهو ”یوم تبلی السرائر۔ الطارق۔ ۹“
صار الغیب شہادۃ والسر علانیۃ والخبر عیاناً فیقال ”لقد کنت فی غفلۃ من
هذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ ق۔ ۲۲۔“

جس چیز کا آدمی اپنے ظاہری حواس سے ادراک کرتا ہے اس کا اثر اس کی روح پر ہوتا ہے اور ان اثرات کا مجموعہ اس کے صحیفہ ذات اور ادراکات کے خزانے میں جمع ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر بر یا اچھا کام جو انسان انجام دیتا ہے وہ جس قدر چھوٹا اور ناچیز ہو اس کے صفحہ ضمیر پر لکھا جاتا ہے۔ خصوصاً ان موارد میں جب اندرونی کیفیت اور نقش باطنی اپنی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور ایک راسخ عادت اور نفسانی ملکہ کی شکل اختیار کر لے اور یہی اچھے برے ملکات ہیں جو انسان کے ثواب یا عقاب الہی میں دائمی رہنے کا موجب بنتے ہیں۔ اس بناء پر ہر انسان کا صحیفہ اعمال اس کی کتاب روح ہے جب تک ہم دنیا

میں ہیں یہ کتاب بند اور یہ صحیفہ لپٹا ہوا ہے اور ہم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن موت آنے سے وہ کتاب کھل جائے گی اور محسوس رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ اس حقیقت کو قرآن شریف نے یوں تعبیر کیا ہے:

”جس وقت صحیفہ اعمال کھولا جائے گا“ وہ وقت ”چھپے ہوئے رازوں کو آشکار ہونے کا دن ہے“۔ اس دن غیب ظاہر ہو جائے گا، پوشیدہ اشیاء عیاں ہو جائیں گی، سنی ہوئی خبروں کا مشاہدہ کیا جائے گا اور اس دن انسان سے کہا جائے گا ”تم جس حالت کا مشاہدہ کر رہے ہو اس سے تم غافل تھے اور ہم نے پردہ غفلت کو ہٹا دیا ہے۔ آج تمہاری آنکھیں بالبصیرت ہو گئی ہیں اور جس چیز کو تم دنیا میں نہ دیکھ سکے آج اسے دیکھ رہے ہو۔

آپ نے علامہ فیض کاشانی کا نظریہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر انسان کا نامہ عمل اس کی کتاب روح اور اس کے ضمیر کی تختی ہے کہ جس میں اس کے اچھے اور برے افعال اس کی عادات اور نفسانی ملکات نقش ہو جاتے ہیں اور یہ تختی دنیا میں نظروں سے اوجھل ہے اور آخرت میں یہ آشکار ہو جائے گی۔

سرنوشت سے آگاہی

جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قیامت کے دن نیک افراد کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور برے افراد کا بائیں ہاتھ میں۔ گویا نامہ اعمال کا دائیں اور بائیں میں تقسیم کرنا ان میں سے ہر ایک گروہ کے اوضاع و احوال کو روشن کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کم و بیش اپنے مستقبل سے واقف ہو جائے گا خصوصاً کتب اعمال کے مفاہیم اتنے واضح اور آشکار ہوں گے کہ صاحبان کتاب پہلی ہی نظر میں اپنے انجام کو جان لیں گے۔

خالد بن یحییٰ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت ”اقرأ کتابك کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً۔ بنی اسرائیل ۴۹“ کی تفسیر کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

یذکر العبد جمیع ما عمل وما کتب علیہ حتی کانه فعله تلک الساعة

فلذلک قالوا ”یویلنا مال هذا الكتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا

احصها۔ الکہف۔ ۴۹“ □

قیامت میں خدا کے بندوں میں سے ہر ایک اپنے نامہ اعمال کو پڑھنے کے بعد دنیا میں جن کاموں کا اس نے ارتکاب کیا ہوگا اور وہ کتاب اعمال میں درج ہوں گے اسے اس طرح یاد آ جائیں گے اور اس

کی نظروں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے گویا اس نے انہیں اسی وقت انجام دیا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اپنے نامہ اعمال کو پڑھنے کے بعد کہیں گے یہ کس طرح کی کتاب ہے کہ جس میں کوئی بھی چھوٹا اور بڑا کام درج ہونے سے نہیں رہا، سب کو اس میں شمار کیا گیا ہے۔

کتاب ابرار اور کتاب فجار

بحث کے آخر میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں صاحبان کے نامہ اعمال کے اعتبار سے کتاب کو دو ناموں سے پکارا گیا ہے ایک کو کتاب ابرار کے نام سے اور دوسری کو فجار کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

کتاب ابرار کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

كَلِمَاتٍ كِتَابِ الْاَبْرَارِ لَعْنٍ عَلَيَّيْنِ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا عَلَيُّوْنَ ۝ ۱۵ كِتَابٍ مَّرْقُومٍ ۝ ۱۶
يَشْهَدُهَا الْمَقْرُؤُونَ ۝ ۱۷ ۱۱

بے شک نیک اور خدا کے اطاعت گزار بندوں کی کتاب عالی ترین اور بلند ترین مقام پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کے لئے علییون فرمایا ہے: تم کیا جانو علییون کیا ہے؟ کیا تم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے؟ اس کے بعد نیک اور ابرار افراد کی کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ وضاحت فرماتا ہے کہ وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اس پر گواہ اور نگران ہیں۔ کتاب فجار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كَلِمَاتٍ كِتَابِ الْفَجَّارِ لَعْنٍ سِجِّينِ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝ ۱۸ كِتَابٍ مَّرْقُومٍ ۝ ۱۹ ۱۲

بے شک گناہگاروں کی کتاب جس میں ان کے گناہ اور فجور تحریر کئے گئے ہیں وہ گھٹیا ترین اور پست ترین جگہ پر ہے اور تمہیں کیا معلوم سجین کیا ہے اور کس حد تک پست اور انحطاط کا شکار ہے۔ پھر فرماتا ہے: کتاب فجار لکھی ہوئی کتاب ہے۔

میدان قیامت میں انسانوں کے حساب و کتاب کے موقع پر یہ کتابیں تقسیم کی جائیں گی اور قرآن شریف کی چند

۱۱] التطفیف - ۲۱، ۱۸

۱۲] التطفیف - ۹، ۷

آیات کے مطابق نیک اور پاکیزہ افراد کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی اور فاسق و فاجر اور پلید افراد کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان چند آیات سے یہ مجموعی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ نامہ اعمال کی دو قسمیں ہیں: برابر اور پاکیزہ افراد کا نامہ اعمال اور برے افراد کا نامہ اعمال۔ اسی طرح ان نامہ اعمال کے حاملین کے بھی دو گروہ ہیں۔ نیک اور پاکیزہ اور برے اور ناپاک۔ لیکن قرآن کریم نے ایک اور مقام پر دائیں اور بائیں اصحاب کا ذکر کرنے کے بعد مقررین کا نام لیا ہے اور قیامت کے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

مقررین کا گروہ

ارشاد ہوتا ہے:

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَمَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَأَصْحَابُ
الْمَشْأَمَةِ ۖ وَمَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۖ أُولَٰئِكَ
الْمُقَرَّبُونَ ۖ ﴿١١﴾

قیامت کے دن تمہارے تین گروہ ہوں گے۔ پہلا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا یعنی اصحابِ میمنہ، و اصحابِ میمنہ کتنے بڑے لوگ ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہوگا جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا، یعنی اصحابِ مشئمہ و اصحابِ مشئمہ کتنے پست اور حقیر لوگ ہیں۔ تیسرا گروہ راہِ خدا، صراطِ مستقیم اور سعادت و کمال کے راستے میں سبقت لینے والے اور پیش روی کرنے والے والوں کا ہوگا۔ یہ لوگ درگاہِ الہی کے مقررین ہیں اور تمام انسانوں سے زیادہ خدا کے نزدیک ہیں۔

پاکیزگی اور خلوص کے نمونے

یہ افراد انبیاءِ الہی ان کے برحق جانشین اور اللہ تعالیٰ کے خاص اولیاء ہیں یہ افراد گروہِ خلوص اور اطاعت گذاری کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ یہ وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمر راہِ حق کی بلندی، اوامرِ الہی کی تبلیغ اور انسانوں کو ضلالت اور گمراہی سے نجات دلانے میں صرف کی ہے۔ ان کی اکثریت نے اس راستے میں سنگین مصائب، تکالیف اور شدید مشکلات کو

برداشت کیا ہے اور ان میں سے بعض اسی راستے میں قتل ہو گئے۔

یہ بزرگوار اور شریف انسان، انسان سازی کے مدرسے کے استاد تھے ہر زمانے اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اپنی قوم میں اٹھ کھڑے ہوں، دین خدا کو لوگوں تک پہنچائیں۔ باطل اذکار اور غلط عقائد کو ان کے صفحات ذہن سے محو کریں، الحاد و شرک کی ہر صورت کو مٹادیں، خرافات سے جنگ کریں اور معاشرے کو انسانی اقدار اور عادات سے مزین کریں۔

یہ خدا کے برگزیدہ بندے اور راہِ حق و فضیلت میں سبقت لے جانے والے ہر دور میں انسانوں کے لئے چراغ و ہدایت اور سعادت و کامیابی کے راستوں کے رہبر رہے ہیں۔ یہ لوگ آسمانی مسئولیت اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے شمع کی مانند جلتے ہیں تاکہ لوگوں کو روشنی میسر آسکے، سیدھے اور ٹیڑھے راستے اور حق و باطل میں تمیز ہو اور وہ راہِ سعادت و کمال میں ترقی کر سکیں اور اپنے شایانِ شان کمال کو حاصل کر سکیں۔

یہ سابقین اور مقررین اس قسم کی شان و شوکت کے حامل ہوں گے جنہوں نے اپنی پوری زندگی خدا کی بے چون و چرا اطاعت میں بسر کی اس جہاد کے علاوہ انہوں نے لوگوں کو بھی اطاعت الہی کی طرف راغب کرنے اور انہیں ضلالت و گمراہی سے بچانے کے کوششیں کیں۔ امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ معلمین انسانیت اللہ کے رسول اور اس کے خاص اولیاء ہیں، یہ اس قدر پاک اور منزه ہیں کہ قیامت کے دن بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان الله تبارك و تعالی خلق الخلق ثلاثة اصناف وهو قوله عز وجل وكنتم
ازواجاً ثلاثة الايات۔ قال: فالسابقون هم رسل الله و خاصة الله من
خلقه۔ □

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو تین گروہوں میں خلق فرمایا ہے اور یہ قول الہی ہے کہ: تمہاری تین
قسمیں ہیں۔ پھر امام نے فرمایا: سابقین کا گروہ اللہ کے رسولوں اور اس کی مخلوق میں سے اس کے
خاص بندوں پر مشتمل ہے۔

باب نمبر 18

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ (سورہ النحل آیت ٩٠)

الہی انسان کا جذبہ

آپ ایک الہی انسان کا تصور کریں جو خالق کائنات اور روز جزا پر حقیقی ایمان رکھتا ہو، اللہ کے برگزیدہ پیغمبر کی پیروی کرتا ہو، اس کے اوامر و نواہی پر سچے دل کے ساتھ عمل کرتا ہو ایسا شخص اگر رضائے الہی اور دینی تعلیمات کی اطاعت کے جذبے کے تحت جس عہد میں وہ زندگی گزار رہا ہے اس میں وہ عوام الناس کے لئے ایک خیراتی ہسپتال یا مطب بناتا ہے اس کے لئے تمام وسائل کو ذاتی طور پر مہیا کرتا ہے۔ تہی دست مریضوں کے لئے مفت ادویات فراہم کرتا ہے، غریب اور ضرورت مند افراد کی مختلف صورتوں میں مدد کرتا ہے، مختصر یہ کہ وہ سب اچھے قسم کے کام خلوص نیت کے ساتھ خدا کے لئے اور روز جزا میں رحمت الہی کی امید کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

جزا و ثواب کی خدا سے امید

اہل شہر اس کی ان عظیم اور قیمتی خدمات کی وجہ سے اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور ہر مقام اور موقع پر اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اسے وہ بھی اپنا اخلاقی اور انسانی فریضہ سمجھتے ہوئے لوگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی اور ستائش کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتا ہے اور ان کے احساسات اور جذبات کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو اپنے عمل کی جزا خیال نہیں کرتا کیونکہ ان خدمات میں اس کا ہدف ذاتِ اقدس الہی تھی۔ وہ اس کی جزا کا بھی اس سے طلب گار ہوتا ہے اور اگر ایسا بھی ہو کہ لوگ اس کے کاموں کے بارے میں کوئی تعریف اور تذکرہ نہ کریں، اس کی خدمات کو نہ سراہیں تو وہ نہیں گھبراتا بلکہ اسی جوش و جذبہ کے ساتھ اپنی خدمت گزاری اور سچی روش کو جاری رکھتا ہے۔

مادہ پرست شخص کا جذبہ

اس الہی انسان کے مقابلے میں آپ ایک مادی شخص کا تصور کریں جو خالق اور قیامت پر عقیدہ نہیں رکھتا، اس

کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیتا ہے، وہ اگر عوام کو اپنی طرف متوجہ اور اپنے دنیاوی اہداف کو پانے کے جذبے کے ساتھ اسی الہی انسان کی طرح اپنے شہر میں ایک ہسپتال کی تعمیر کرتا ہے، علاج و معالجہ کے تمام وسائل پورے کرتا ہے۔ غریب اور فقیر افراد کو مفت ادویات بہم پہنچاتا ہے۔ ضعیفوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتا ہے مختصر یہ کہ وہ ہر اچھا کام انجام دیتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکے، لوگ اس کے اچھے کام کی ہر وقت تعریف کریں، اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اسی کے تذکرے عوام کی زبان پر ہوں اور اگر مناسب موقع مل جائے تو وہ اسے اپنے نمائندے کے طور پر ملک کے اعلیٰ عہدے کے لئے منتخب کریں اور یوں فلاحی اور سچے کاموں کی جزا وہ اسے اپنا ووٹ دے کر دیں۔ درحقیقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مادہ پرست شخص نے اپنے شہر والوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ اس کے کار خیر ایک جنس کی مانند ہیں جسے وہ معاشرے کے حوالے کرتا ہے اس کے مقابلے میں وہ عوام سے اس کی قیمت ادا کرنے کی توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی خدمات کا مختلف انداز میں صلہ دیں۔

ایک سوال کا جواب

اگر کوئی سوال کرے کہ ان دو آدمیوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ کیا یہ دونوں لوگوں کے فائدے میں انجام دیئے گئے کام میں برابر ہوں گے اور ہر دو مساوی طور پر الہی اجر و ثواب کے حقدار ہوں گے یا عقیدہ و فکر میں فرق اور نیت و جذبہ میں تفاوت کی وجہ سے ان سے مختلف سلوک کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب جو معنوی اقدار کو واضح کرتا ہے اور انبیاء الہی کے مکتب کو بیان کرتا ہے، خدا کی پاک کلام میں ذکر ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿۵۰﴾ [۱]

دنیا اور آخرت کے طلب گار

جو شخص آخرت کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور آخرت کی کھیتی کے لئے بیج بوتا ہے ہم اسے اس کے عمل سے کہیں زیادہ اجر عطا کریں گے اور جس شخص کی زندگی کا ہدف صرف دنیا اور وہ اسی کی خاطر سعی و کوشش کرتا ہو تو ہم اسے دنیا ہی میں اس کے عمل کا اجر دیں گے اور اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اگرچہ وہ ان دونوں اشخاص کا خیر بیماروں کے علاج کرنے، مفت دوائیاں دینے، ضرورت مندوں کی مدد اور

حمایت کرنے کے لحاظ سے برابر ہیں اور ان سے جو عوام کو فائدہ پہنچتا ہے وہ ایک جیسا ہے لیکن ان نیک کاموں سے جو نفع اور فائدہ انہیں حاصل ہوتا ہے وہ برابر اور یکساں نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی نیتوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لہذا اپنے عمل کا جو فائدہ ان کو ملے گا وہ متفاوت ہوگا۔

خدا کی خاطر خدمتِ خلق

با ایمان شخص اپنے عمل میں روحانی اور انسانی جذبہ رکھتا ہے۔ اس نے ہسپتال اور میڈیکل سنٹر کو خدا کی خوشنودی اور رضاء کے لئے تعمیر کیا ہے۔ اس کا رخیر سے اس کا مطمح نظر رضائے حق کا حصول تھا اور وہ خدا کے بندوں سے محبت اور احسان کے وسیلے سے خود پرستی و خود خواہی کے چنگل سے رہائی پانا چاہتا تھا۔ وہ مادیات کی حدود سے باہر قدم رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصود معنوی کمالات تک پہنچنا اور اپنے آپ کو کمال کے انتہائی درجے تک پہنچانا تھا یعنی وہ ذات مقدس الہ سے نزدیک ہونا چاہتا تھا۔ وہ عالم امکان میں انسانی اقدار کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ شخص قرآن کی اس آیت کا مصداق ہے:

ہوا و ہوس کی خاطر خدمت

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۵﴾

جو بھی مرد یا عورت خدا پر ایمان کے ساتھ نیک اور صالح عمل انجام دے ہم اسے پاک اور طیب حیات کے ساتھ زندہ کریں گے اور انہیں ان کے انجام دئے گئے عمل سے بہتر اور بڑھ کر ثواب اور جزا سے نوازیں گے۔

دنیاوی انسان کا فلاحی کام انجام دینے کا ہدف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل، اور اپنی جبلت کی سیرابی اور اپنے دنیاوی مقاصد کا حصول تھا۔ اس نے ہسپتال اپنی ہوائے نفس اور خود نمائی کی خاطر بنایا۔ اس کا مقصد عوام کی خدمت کے ذریعے سے ان کی توجہ کا مرکز بنتا تھا اور ان کے دلوں میں گھر کرنا تھا تاکہ وہ اس کی تعریف و ستائش کریں اور کبھی کبھی اس کی چاہلوسی اور خوشامد کرنے پر اتر آئیں۔ وہ اس طریقے سے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ اگر کوئی شخص اعمالِ خیر کے ذریعے اپنی دنیا کو زیادہ سے زیادہ آباد کرنا چاہتا تھا اور اپنی مادی خواہشات اور آرزوؤں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے تو اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اس سے اجر و ثواب کی امید

رکھے۔ ایسے انسان کا عمل اس چند روزہ فانی زندگی میں کچھ لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ فراموش ہو جاتا ہے اور فنا کی وادی میں چلا جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کا عمل خیر میں ہدف اللہ کی ذات ہو۔ اور اس نے لوگوں سے اجر کی توقع کے بغیر خدا کی خاطر مخلوق خدا کی خدمت ہو، اس کا عمل اللہ کے نزدیک باقی اور محفوظ ہے اور قیامت کے دن خدا سے اپنے ثواب جاوید سے بہرہ مند فرمائے گا۔

چند	باشی	عاشق	صورت	بگو
طالب	معنی	شود	معنی	بجو
صورت	ظاہر	فنا	گردو	بدان
عالم	معنی	بماند	جاودان	جاودان

جان تو ظاہری صورت فنا ہو جائے گی معنوی عالم ہی ہمیشہ رہے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ط [۱]

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب ختم اور فنا ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی اور سلامت رہے گا۔

مشہور ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک عاقل انسان جس کے پاس کھیت موجود ہو، وہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کاشت کے موقع پر بیج ڈالتا ہے تاکہ کٹائی کے وقت فائدہ حاصل کر سکے۔

ہر کہ دانہ نقشاند بزستان در خاک
نامیدی بود از دخل بہ تابستانس

جو کوئی سردیوں میں زمین میں بیج نہ ڈالے گرمیوں میں اسے نامیدی کا سامنا کرنا پڑے گا۔
حدیث نبویؐ ہے:

احرث فی دنیاك لاخرتك [۲]

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت فرمائی ہے کہ جب تک تم زندہ ہو دنیا کی کھیتی سے فائدہ اٹھاؤ، اپنے اچھے اعمال کا اس میں بیج کاشت کرو تاکہ آخرت میں اپنی فصل کاٹ سکو۔

[۱] النحل۔ ۹۶

[۲] ابراہیم۔ ۱۸۔ مفردات راغب (حرث)

یہ بات معلوم ہے کہ بنجر اور شورزدہ زمین جس میں پودے اگانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس میں بیج ڈالنا بے فائدہ ہے۔ بنجر زمین میں بیج گل سڑ کر خاک ہو جاتا ہے۔ اس کا حیاتی مادہ نابود ہو جاتا ہے اور اس کا اثر بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

زمین شورہ سنبل برنیارد
در آن تخم عمل ضائع مگر دان
بنجر زمین سبزہ نہیں اگاتی اس میں عمل کا بیج ڈال کر اسے ضائع مت کرو۔

خلوص نیت اور اخروی ثواب

اسلام کے کتب کے مطابق دنیا میں انجام پانے والے فلاحی اور اچھے کام اس وقت آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے اور اپنے صاحب کے لئے سود مند ثابت ہوں گے جب وہ با ایمان شخص سے خدا کی خاطر اور خلوص نیت کے ساتھ صادر ہوئے ہوں گے لیکن اگر اچھے کام بے ایمان، خدا اور قیامت کے منکر شخص سے انجام پائیں تو ان کی مثال بنجر زمین میں بیج ڈالنے کی سی ہے کہ جس میں بہترین بیج بھی ضائع اور فاسد ہو جاتا ہے اور کٹائی کے موسم میں کاشتکار کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔ یہی بات قرآن مجید نے دو مثالوں میں بیان فرمائی ہے: ارشاد ہوتا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۚ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾
جنہوں نے اپنے رب سے کفر اختیار کیا ان کے اعمال کی مثال خاکستر کے ڈھیر کے مانند ہے جو طوفانی دن میں شدید آندھی کی زد میں آیا ہو جیسا کہ اس خاکستر کے ڈھیر سے کچھ نہیں بچتا اسی طرح یہ بھی اپنے اعمال کا ذرہ بھر فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے اور یہ بہت بڑی گمراہی اور حقیقت سے بہت دور کی خطا ہے۔
اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

سراب کی مانند اعمال

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ
لَمْ يَجِدْهَا شَيْئًا ۚ ﴿٣٩﴾

[۱] ابراہیم - ۱۸

[۲] النور - ۳۹

دنیا میں بے ایمان افراد کے لئے اعمالِ سراب کی مانند ہیں جو بڑے وسیع صحراء پر پھیلا ہوا ہے۔ پیاسا انسان جب دور سے اس کی امواج کو دیکھتا ہے تو اسے پانی خیال کرتا ہے۔ بڑے شوق اور ولولے سے اس کی جانب بڑھتا ہے کہ تاکہ اسے پی کر پیاس بجھائے لیکن جو نبی اس کے قریب پہنچتا ہے کچھ بھی نہیں پاتا اور سمجھ جاتا ہے کہ یہ تو پانی نہ تھا۔

مذکورہ وضاحت سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مادی مکاتب کے پیروکاروں کے اچھے اعمال کی بارگاہِ الہی میں کوئی معنوی اہمیت اور اجر اخروی نہیں ہے۔ کیونکہ اس گروہ نے آفریدگارِ حکیم کے وجود اور عالمِ ماوراءِ طبیعت کا انکار کیا ہے اور اس کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس طرزِ تفکر سے خالق کائنات کے مخلوق پر عظیم حق کو نظر انداز کیا ہے اور اس کے منکر ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس باطل تفکر کی بنیاد پر حضرت باری تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی میں سوء ادب کو جائز سمجھا ہے۔ قرآن شریف نے ان کے اچھے کاموں کو طوفان کے مقابلے میں راکھ کے ڈھیر اور بہت بڑے صحرا میں سراب سے تشبیہ دی ہے۔

بعض افراد خالق کائنات پر ایمان رکھتے ہیں اور مادی نظریے کو باطل سمجھتے ہیں لیکن عبادت میں شرک کرتے ہیں اور موہوم خداؤں مثلاً سورج، چاند، گائے، درخت، بت اور دیگر خود ساختہ معبودوں کو عبادت میں خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ افراد اپنی عقل اور تفکر کو بروئے کار نہ لاکر اس انحراف کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماحول اور معاشرے کے رسم و رواج کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اپنے جاہل اور نادان آباؤ اجداد کی مشرکانہ روش کو اختیار کیا ہے۔ یہ گروہ بھی خدا کے منکر مادہ پرستوں کی طرح قیامت میں عذاب میں ڈالا جائے گا اور دنیا میں جو کارِ خیر یہ انجام دیں گے وہ ان کے دامن سے شرک کے داغ کو نہیں مٹا سکیں گے اور ان کو غیر اللہ کی پرستش کے جرم کی سزا سے نہیں بچا سکیں گے۔ عبادت میں شرک کا گناہ مادہ پرستی، کفر اور انکارِ خدا کے گناہ کی طرح ناقابلِ عفو ہے۔

غیر قابلِ عفو گناہ

قرآن شریف اس بارے میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ ﴿٤٠﴾

بے شک اللہ شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی گناہوں میں سے جسے چاہتا

ہے معاف کر دیتا ہے۔

بعض خدا پرست لوگ اگر چہ اپنے انبیاء سے اظہارِ محبت اور دوستی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآن کا پیرو سمجھتے ہیں، اس کے باوجود عبادت میں شرک کا شکار ہوتے ہیں لیکن وہ ظاہری اور آشکارا شرک میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اندرونی اور خفیہ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ گروہ بتوں کو سجدہ نہیں کرتا، سورج اور چاند کی پوجا نہیں کرتا اور دوسرے خود ساختہ معبودوں کی بندگی نہیں کرتا لیکن اپنے اندرونی بتوں یعنی ہوائے نفس کو اپنا معبود قرار دیتا ہے اور اس کی پرستش کرتا ہے اور اسی کی بے چون و چرا عبادت کرتا ہے۔ اس گروہ نے دنیا کو ہی اپنا اصلی ہدف بنا لیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد مادی اہداف کا حصول ہے اور کچھ نہیں۔

دکھاوے کی عبادت

ایسے لوگ عوام میں اچھی شہرت پانے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر اور اس ذریعے سے جاہ و مقام، عہدہ و اقتدار، محبوبیت، مال و ثروت اور دوسرے مادی امور کو پانے کے لئے دین الہی کو اپنے غیر شرعی اہداف کے حصول میں آلے اور ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عبادی افعال جنہیں شارع اسلام نے شریعت قرار دیا ہے اور جنہیں خلوص نیت کے ساتھ خدا کے لئے انجام دینا چاہیے۔ یہ انہیں ریا کاری اور دکھاوے سے آلودہ کر دیتے ہیں تاکہ لوگ دھوکا کھا جائیں اور یوں وہ طرح طرح کے مادی مفادات کو حاصل کر سکیں۔ آئمہ علیہم السلام نے اپنی متعدد روایات میں عبادت میں ریا کو شرک سے تعبیر کیا ہے اور اپنے پیروان کو اس دھوکے اور فریب دینے والے غیر انسانی اور یکتا پرستی کے منافی عمل سے شدت سے منع کیا ہے۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لو ان عبداً عمل عملاً يطلب به وجه الله والدار الآخرة وادخل فيه رضا

احد من الناس كان مشركاً۔^[۱]

اگر کوئی بندہ اللہ اور آخرت کی خاطر عمل انجام دے اور اس میں لوگوں میں سے کسی ایک کی رضا اور خوشنودی کو اپنی نیت میں شامل کر دے تو اس نے شرک کیا ہے۔

[۱] وسائل، ج ۱، باب ۱۱، مقدمہ عبادت، ص ۴۹

خلوص عمل کیا ہے؟

عبادت میں قیام و قعود، رکوع، سجود، تسبیح اور ذکر جسم کی مانند ہیں اور اس کی روح خلوص نیت ہے۔ خلوص کا معنی یہ ہے کہ عبادت کو فقط اور فقط خدا کے لئے اور اس کا حکم بجالانے کی غرض سے انجام دیا جائے اور غیر خدا کو اس میں شامل نہ کیا جائے اور اس کا حصہ قرار نہ دیا جائے۔ ایسی عبادت معنوی اہمیت کی حامل ہے اور روح کے کمال اور بلندی کا باعث ہے۔ یہ عبادت اپنے صاحب کو قرب الہی کی منزل تک پہنچاتی ہے اور قیامت کے دن اسے جزائے الہی سے ہمکنار کرے گی۔ خلوص سے عاری عبادت نہ صرف اپنے صاحب کو معنوی کمال اور روحانی بلندی تک نہیں پہنچاتی بلکہ انسان کو شرک اور عبادت کے راستے پر لے آتی ہے اور اس کی بدبختی اور ہلاکت کا موجب بنتی ہے۔

روح	باید	تا	دہد	طاعات	،	بر
مغز	باید	تا	دہد	دانہ		شجر
دانہ	بی	مغز	کی	گرد		نہال
صورت	بے	جان	نبا	شد	جز	خیال
طاعتش	نفر	است		دہنی		نفرنی
جوڑھا	بسیار	و	در	وی		مغزنی

عمل کی پاکیزگی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

کل عمل تعبہ لہ فلیکن نقیاً، من الدنس۔ [۱]

انسان جس عمل کو بھی اللہ کے لئے انجام دینا چاہتا ہے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی پلیدی اور آلودگی سے مبرا ہو۔

اس سے بڑھ کر اور بدتر ناپاکی کیا ہوگی کہ انسان اپنی عبادت کو شرک سے آلودہ کر دے اور مقام بندگی میں مخلوق کو خالق کے ہم پلہ قرار دے دے اور ایک ہی عمل میں دونوں کی پرستش کرے۔ ریاکاروں کی عبادت دربار الہی میں مردود اور مسترد ہے۔ قیامت میں دن ان سے بطور استہزاء کہا جائے گا: جاؤ انہی سے اپنی جزا حاصل کرو جن کے

[۱] جواہر الکلام، ج ۹ ص ۱۸۸

لئے عمل بجالاتے تھے۔

حدیث نبوی ہے:

اذا كان يوم القيامة نادى مناد يسمع اهل الجمع اين الذين كانوا يعبدون
الناس قوموا خذوا اجوركم ممن عملتم له فاني لا اقبل عملا خالطه شيء
من الدنيا واهلها. [۱]

جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی کی آواز گونجے گی جسے تمام اہل محشر سنیں گے۔ اس کی ندا یہ ہوگی: کہاں ہیں وہ لوگ جو بندوں کی عبادت کیا کرتے تھے، وہ کھڑے ہوں اور جا کر انہی سے اپنے عمل کی جزا وصول کریں جن کی خاطر انہوں نے عمل انجام دیا۔ کیونکہ میں ایسے عمل کو ہرگز قبول نہیں کرتا جس میں اہل دنیا کی کوئی چیز مخلوط ہو۔

عبادت اگر خدا کے لئے اور خلوص نیت کے ساتھ بجالاتی جائے تو بارگاہِ الہی میں قبول ہے اور عبادت گزار قیامت میں ثوابِ الہی کا حقدار ہوگا، اگر عبادت گزار کی نیت غیر خالص ہو اور وہ غیر اللہ کو عمل میں شریک کرے تو نہ صرف وہ اجرِ الہی کا مستحق نہیں بلکہ وہ عبادت میں شرک اور ریاکاری کے جرم میں سزا کا حقدار قرار پائے گا۔

خلوص کے درجات

چونکہ عبادت میں خلوص نیت کے مختلف درجات اور مراتب ہیں اس لئے عبادت گزاروں کے بھی مختلف درجے اور مراتب ہوں گے۔ بہت سے حقیقی مومنین جو خلوص نیت سے دینی فرائض بجالاتے ہیں، محرمات سے اجتناب کرتے ہیں اور ان کا مقصد اطاعتِ خدا ہوتا ہے، وہ اوامرِ الہی پر عمل پیرا ہو کر قیامت کے دن نیک اور پاکیزہ افراد کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور بہشت کی جاوداں نعمتوں سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں، محرماتِ الہی سے اجتناب کے ذریعے اپنے آپ کو عذابِ خدا سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں اور فرائضِ دینی کی بجا آوری میں ان کا محرک رحمتِ الہی کا حصول اور اس کے عذاب سے دوری ہے۔ اللہ کے بزرگ اولیاء کا خلوص نیت مرتبے کے لحاظ سے بہت بلند و بالا ہے۔ وہ اپنی بندگی میں صرف اور صرف خدا کے طلب گار ہوتے ہیں، صرف اسی کی یاد میں رہتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اور عبادت کو فریضہٴ بندگی اور شکر گزاری کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ عبادت میں ان کا خلوص اس قدر بلند ہوتا ہے کہ ان کی نیتوں

پرنہ تو بہشت کا شوق اثر انداز ہوتا ہے اور نہ دوزخ کا خوف۔

احرار کی عبادت

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان قوما عبدوا الله رغبة فتلك عبادة التجار وان قوما عبدوا الله رهبة
فتلك عبادة العبيد وان قوما عبدوا الله شكرا فتلك عبادة الاحرار وهي
افضل العبادة. [۱]

لوگوں کی ایک جماعت خدا کی عبادت بہشت کے شوق میں کرتی ہے۔ یہ تاجروں جیسی عبادت ہے۔
ایک جماعت خدا کے ڈر سے عبادت کرتی ہے یہ غلاموں جیسی عبادت ہے اور ایک جماعت خدا کی
عبادت اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے شکرگذاری کے طور پر کرتی ہے یہ حریت پسندوں جیسی عبادت ہے اور
ایسی عبادت تمام عبادتوں سے افضل اور بہتر ہے۔

وہ لوگ جو عبادی افعال اور نیک کام عوام کو دھوکا اور فریب دینے کے لئے انجام دیتے ہیں اور خدا پرستی کے مرکز میں
بیٹھ کر ریا کاری کر کے خود پرستی کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکیں اور ان سے داد و تحسین وصول
کر سکیں، انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے غلیظ عمل کے ذریعے اپنے آپ کو آگاہانہ یا نا آگاہانہ طور پر مشرکین کی صف میں
شامل کر رہے ہیں اور قیامت کے دن دربار الہی میں ذلت و خواری کے ساتھ ان کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ یہ بات بہت سی روایات
میں ذکر کی گئی ہے ان میں سے ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے۔

قیامت میں باز پرس

رسول اکرم نے فرمایا:

اول من يدعى يوم القيمة رجل جمع القرآن يقول الله تعالى الم اعلمتكم ما
انزلت على رسولي فيقول بلى يا رب فيقول ماذا عملت فيما علمتكم فيقول يا
رب كنت اقوم به الليل والنهار فيقول الله كذبت وتقول الملائكة

كذبت بل اردت ان يقال فلان قارى فقد قيل اذهب فليس لك اليوم
 عندنا شئ ثم يدعى صاحب المال فيقول الله عبدى الم انعم عليك ألم
 اوسع عليك فيقول بلى يا رب فيقول فماذا علمت فيما اتيتك فيقول يا رب
 كنت اصل الارحام واتصدق وافعل فيقول الله كذبت بل اردت ان يقال
 فلان جواد فقد قيل لك اذهب فليس لك اليوم عندنا شئ ويدعى المقتول
 فيقول الله له عبدى فيم قتلت فيقول يا رب فيك وفى سبيلك فيقول الله
 له كذبت وتقول الملائكة كذبت بل اردت ان يقال فلان جبرى فقد قيل
 ذلك اذهب فليس لك اليوم عندنا شئ ثم قال رسول الله (ص) اولئك
 الثلاثة شر خلق الله يسقرهم بهم النار يوم القيمة. [۱]

قیامت کے دن سب سے پہلے حافظ قرآن کو حساب و کتاب کے لئے بلا یا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے
 خطاب فرمائے گا: کیا ہم نے اپنے پیغمبر پر نازل کی جانے والی کتاب تمہیں نہ سکھائی تھی؟ وہ جواب
 دے گا: ہاں پروردگار! تو نے سکھائی تھی۔ پھر فرمایا جائے گا: ہمارے سکھانے کے بدلے تم نے کون سا
 عمل انجام دیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے دن رات قرآن کی ترویج اور قرأت پر صرف کئے۔ اللہ اور
 فرشتے کہیں گے: تم نے جھوٹ کہا ہے، تمہارے اس کام کا ہدف قرآن کی تعلیمات کا پرچار نہیں تھا بلکہ
 یہ کہ لوگ کہیں کہ فلاں بڑا زبردست قاری ہے اور یہ بات انہوں نے تمہارے لئے کہی یعنی تم نے اپنا
 اجر وصول کر لیا ہے۔ جاؤ آج کے دن ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

ثروت مندوں سے باز پرس

اس کے بعد مالدار شخص کو باز پرس کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرمائے گا: اے میرے
 بندے! کیا میں نے تمہیں مال کی نعمت اور کشادہ زندگی عطا نہیں کی تھی؟ وہ جواب دے گا:
 ہاں پروردگار! ارشاد ہوگا میری عطا کی گئی نعمتوں میں سے میرے لئے کون سا عمل انجام دیا ہے؟
 وہ کہے گا میں نے اپنے اموال میں سے صلہ رحمی کی، صدقہ دیا، اور دوسرے کار خیر انجام دیئے۔

[۱] تفسیر در المنثور، ج ۳، ص ۳۲۳

اللہ فرمائے گا: تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ تمہارا مقصد یہ تھا کہ تم لوگوں میں مشہور ہو جاؤ کہ فلاں شخص بڑا سخی اور مہربان ہے۔ درحقیقت تم نے لوگوں سے اجر پالیا ہے۔ جاؤ آج ہمارے پاس تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

میدان جنگ کا مقتول اور حساب و کتاب

اس کے بعد میدان جنگ میں قتل ہونے والے شخص کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔ خدا فرمائے گا۔ میرے بندے! تم کس راہ میں مارے گئے؟ وہ عرض کرے گا پروردگار! تیری راہ میں جان قربان کی ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے کہیں گے: تم جھوٹ کہتے ہو تمہارا تو مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر اور جرأت مند ہے اور یہ انہوں نے تمہارے بارے میں کہہ دیا ہے لہذا تم اپنی جزا وصول کر چکے ہو۔ جاؤ آج کے دن ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ تین قسم کے افراد یعنی ریاکارانِ قرآن، ریاکارانِ مال اور ریاکارانِ جہاد خدا کی بدترین مخلوق ہیں اور قیامت کی آگ ان سے بھڑکائی جائے گی۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن صرف وہی افراد ثوابِ الہی سے فیض یاب ہو سکیں گے جنہوں نے خلوص نیت کے ساتھ اعمال کو اسی کی خاطر بجایا یا ہوگا۔ ریاکاری کرنے والے مشرک افراد نے خدا کے لئے کام ہی نہیں کیا ہوگا کہ وہ اس سے اجر و ثواب کی توقع رکھیں۔ انہوں نے دنیا میں اچھے کام لوگوں کے لئے اور اپنی شہرت و مقبولیت کے لئے انجام دیئے ہوں گے اور ان کا ثواب بھی لوگوں کی تعریف و توصیف کی صورت میں اس دنیا میں انہیں مل گیا ہوگا۔

ریا کاروں کی جزا

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

کل ریاة شرک، انه من عمل للناس کان ثوابه علی الناس ومن عمل لله کان

ثوابه علی الله۔ [۱]

ہر ریاہ شرک ہے جو شخص لوگوں کے لئے عمل بجالاتا ہے اس کا ثواب بھی لوگوں کے ذمے ہے اور جو خدا کے لئے عمل انجام دے اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔

ظاہر نیک باطن برا

حضرت علی علیہ السلام ریاکاری کی مذموم عادت جو دنیا میں شرک کا باعث اور آخرت میں فیض اور رحمت الہی سے محرومی کا موجب ہے، سے ذات باری تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللهم انى اعوذ بك من ان تحسن فى لا معة العيون علا نيتى وتقبح فيما
ابطن سرى دقتى محافظا على رثاء الناس من نفسى بجميع ما انت مطلع عليه
منى فابدى للناس حسن ظاهرى وافضى اليك بسوء عملى تقربا الى عبادك
وتباعدًا من مرضاتك. [1]

اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تو میرے ظاہر کو لوگوں کی نظروں میں اچھا بنا دے اور میرے باطن کو ان امور میں جو تیرے لئے پہناں رکھتا ہوں برا اور قبیح بنا دے۔ اس طرح کہ لوگوں کے سامنے تو میں اپنی ریاکاری اور دکھاوے جن سے تیری ذات آگاہ ہے، کا خیال رکھوں اور انہیں چھپاؤں تاکہ اپنی ظاہری صورت کو مخلوق کے سامنے آشکار کروں اور اپنے برے اور ناپسندیدہ کاموں کو تیرے تک محدود رکھوں تاکہ تیرے بندوں کے قریب ہوسکوں اور تیری رضا و خوشنودی سے دور ہو جاؤں۔

سائنسدانوں کا ثواب

بعض افراد ان سائنس دانوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جنہوں نے اپنی ایجادات اور انکشافات کے ذریعے انسانی معاشرہ کی خدمت کی ہے اور انسانیت کے آرام و آسائش کا سامان فراہم کیا ہے۔ کہتے ہیں: قیامت میں ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا؟ ان میں سے کچھ نے میڈیکل کے شعبے میں بڑی اہم اور گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں قدرت کے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے اور بعض بیماریوں کے تمام عمر کے مریضوں کی بہت بڑی تعداد کو یقینی موت کے منہ سے بچایا ہے، کیا یہ سائنسدانوں اپنی سائنسی خدمات پر جزائے الہی کے مستحق ہوں گے اور اخروی ثواب کے حقدار ہوں گے یا ان کا اجر و ثواب دنیا میں لوگوں کی وہ قدر دانی اور احترام ہے جس کے وہ ان کے بارے میں قائل ہیں؟

اساتذہ کی تشویش اور نوبل انعام

مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب صرف ان لوگوں کے نصیب ہوگا جنہوں نے دنیا میں اعمال خیر کو خلوص نیت کے ساتھ خدا کی خاطر انجام دیا ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سائنسی تحقیقات اور تجربات میں سائنسدانوں کے مد نظر نہ تو خدا ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں اللہ کے لئے خدمتِ خلق کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ ان کا مطمح نظر عالمِ طبیعت کے رازوں کی جستجو اور اپنے سائنسی مقصد کو پانا ہوتا ہے۔ جس دن وہ اپنی محنت و کوشش کا نتیجہ حاصل کر لیتے ہیں یعنی عالمِ طبیعت کے کسی چھپے ہوئے راز سے پردہ اٹھا لیتے ہیں یعنی کسی نامعلوم حقیقت کو کشف کر لیتے ہیں ان کی تمام تر توجہ اپنے اساتذہ، دنیا کے دوسرے سائنسدانوں، پروفیسروں اور سکالروں کی طرف ہو جاتی ہے وہ ان سے تائید اور تشویق کے خواہش مند ہوتے ہیں اور ان کی قدر دانی اور تعریف کو اپنی محنتوں کا اجر تصور کرتے ہیں۔ اگر موجودہ دور کا سب سے بڑا علمی انعام ”نوبل پرائز“ انہیں مل جائے تو ان کی اپنی نظروں میں بھی اور دوسرے سائنسدانوں کے خیال میں بھی عظیم اجر و انعام سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اگر ان کی ایجاد بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہو تو رفتہ رفتہ پوری دنیا میں ان کا چرچا ہوتا ہے اور ان کا نام بچے بچے کی زبان پر آ جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں کے نام ان کے ناموں پر رکھے جاتے ہیں دنیا کے علمی مراکز میں ان کے مجسمے نصب کئے جاتے ہیں، ان کی زندگی میں تمام لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، ان کی موت کے بعد ان کے خاندان اور رشتہ داروں کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔

اس لئے ایک سائنسدان خدا اور خدمتِ خلق کے لئے سائنسی تحقیقات اور تجربات کو انجام نہیں دیتا کہ وہ اللہ سے ثوابِ اخروی کی امید رکھے۔ مگر یہ کہ کوئی ایسا سائنسدان ہو اور اس نے اپنی علمی تحقیقات کو خدا کی خاطر ریاکاری کے بغیر انسانوں کی خدمت کے لئے پیش کیا ہو۔ یہ سائنسدان لازمی طور پر ثوابِ اخروی کا حقدار ہوگا۔

اعمالِ صالحہ کے لئے بلائیں

قیامت کے دن اعمالِ صالحہ اور اجر الہی کے حوالے سے ایک اور سوال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالق کائنات پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے عمل خیرِ خلوص کے ساتھ اس کے لئے انجام دیا ہو کیا اس کا یہ عمل جس میں عامل کی طرف سے تمام شرائط موجود ہوں کسی بلا و مصیبت سے دوچار ہو کر اپنا اثر کھودیتا ہے یا یہ کہ جب عمل صالحِ خلوص کے ساتھ خدا کی خاطر انجام دیا گیا وہ خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ہاں باقی رہتا ہے، یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کے صاحب کو اس کا اجر مل جائے گا؟

دینی نقطہ نظر سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب تک صاحب عمل اس دار تکلیف میں ہے اور اس کو موت نہیں آتی اعمال صالحہ کے لئے خطرات موجود رہتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی شخص برا عمل انجام دے کر اور کسی برائی کا ارتکاب کر کے اپنے نیک عمل کے اثر کو زائل کر دے اور اپنے آپ کو ثواب الہی سے محروم کر دے۔ اور یہ وہی حبط اعمال کا مسئلہ ہے جو قرآن شریف کی متعدد آیات اور بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

قال رسول الله صلى الله عليه واله: من قال "سبحان الله" غرس الله له بها شجرة في الجنة ومن قال "الحمد لله" غرس الله له بها شجرة في الجنة ومن قال "لا اله الا الله" غرس الله له بها شجرة في الجنة ومن قال "الله اكبر" غرس الله له بها شجرة في الجنة فقال رجل من قريش يا رسول الله ان شجرة نأ في الجنة لكثير قال نعم ولكن اياكم ان ترسلوا عليها نيرانا فتحرقوها وذلك ان الله عز وجل يقول: يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم. "محمد- ۲۳"۔ [۱]

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ چار مقدس ذکر سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر، ایک مرتبہ اپنی زبان پر جاری کرے اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے بدلے کہنے والے کے لئے جنت میں ایک درخت کاشت کر دیتا ہے۔ ایک قریشی مجلس میں حاضر تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ جس طرح آپؐ فرما رہے ہیں اس طرح تو ہمارے بہشت میں بہت زیادہ درخت ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! مگر تم خیال رکھو مبادا یہاں سے آگ بھی جو جو ان درختوں کو جلا دے اور یہ وہی ہے بات جس کا تذکرہ خدا نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔“

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک اور روایت نقل ہوئی ہے آپؑ فرماتے ہیں:

الايقاء على العمل اشد من العمل قال وما الابقاء على العمل؟ قال يصل

الرجل بصلۃ وینفق نفقۃ للہ وحدہ لا شریک لہ فکتب لہ سراً ثم یدکرہا

فتبھی فتکتب لہ علانیۃ ثم یدکرہا فتبھی و تکتب لہ ریاء۔^[۱]

عمل خیر کا باقی رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اس کے انجام دینے سے مشکل ہے۔ راوی آپ سے سوال کرتا ہے: عمل کے باقی رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ فرماتے ہیں ایک مسلمان اگر صلہ رحمی کرتا ہے یا مال کو راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں مخفی صدقہ لکھا جاتا ہے پھر وہ اپنے مخفی عمل کو کسی دوسرے سے بیان کرتا ہے تو اس عمل کے مخفی ہونے کا اجر زائل ہو جاتا ہے اور وہ ظاہری صدقے میں بدل جاتا ہے اگر وہ دوبارہ اپنے عمل کا کسی سے ذکر کرتا ہے تو اس دفعہ خلوص عمل بھی ختم ہو جاتا ہے اور ریائی انفاق اور صدقہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

انحراف کا حبیط عمل پر اثر

جس طرح انسان کا بدن پوری زندگی میں ماحول کے طبعی عوامل سے متاثر ہو کر اپنی حالتیں بدلتا رہتا ہے اس طرح روح انسان پر بھی طرح طرح کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے فکر و خیال کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے ایک لمبے عرصے تک خدا اور قیامت پر ایمان کے ساتھ زندگی گزاری اور اس دوران میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق خلوص نیت کے ساتھ بہت سے اعمال صالحہ انجام دیئے لیکن راستے میں بے ایمان اشخاص کی دوستی اور صحبت یا گمراہ کن کتب کے مطالعے سے یا بری تنظیموں یا غلط اداروں کی رکنیت اختیار کرنے یا غلط اور فاسد محفلوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے یا اس طرح کی اور چیزوں کی وجہ سے راہِ حق سے منحرف ہو گئے۔ انہوں نے ضلالت و گمراہی کی راہ اپنائی، برے اور غلط اخلاق و اعمال کا ارتکاب کرنے لگ گئے اور کئی تو کفر و الحاد کی سرحدوں تک جا پہنچے۔ ایسے لوگ اپنی اسی فکری اور عملی حالت کی وجہ سے افسوسناک صورت حال سے دوچار ہوں گے ان کے تمام نیک اعمال جو انہوں نے چند سالوں کے دوران میں انجام دیئے سب حبیط اور ضائع ہو جائیں گے اور اس دن ثواب الہی سے محروم ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور اسلامی روایات میں مذکور ہے کہ حبیط اعمال کے متعدد اسباب اور عوامل ہیں۔ یہاں پر قارئین کی معلومات کے لئے ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اول: خدائے وحدہ لا شریک کے ساتھ شرک۔

ارشاد رب العزت ہے:

ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰهُ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾

یہ ہے اللہ کی ہدایت کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے راہنمائی کرے لیکن اگر وہ توحید پرستی کو ترک کر کے شرک کے راستے پر چل نکلیں تو ان کے انجام دیئے گئے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور ان کا اثر زائل ہو جائے گا۔

دوم: دین الہی سے پھرنا:

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾

جو شخص دین اسلام سے پھر جائے اور دین حق کو ترک کر دے اور کفر و انکار کی حالت میں مرجائے اس کا شمار ان افراد میں ہوگا جن کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط اور ضائع ہو گئے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

آیات الہی سے کفر

قرآن فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِ يْنَ اَعْمَالًا ۗ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعِيْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿٣٣﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايَهٗ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿٣٥﴾

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو: کیا تم لوگوں میں سے زیادہ گھائے والوں کو جاننا چاہتے ہو؟ وہ ایسے

[۱] الانعام-۸۸

[۲] بقرہ-۲۱۷

[۳] الکہف-۱۰۳-۱۰۵

افراد ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع اور باطل ہو گئے لیکن وہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے مفید اور سود مند کام انجام دیئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیات الہی اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی بات ان کے اعمال حبط ہونے کا موجب بنی ہے قیامت کے دن ان کا کوئی عمل شمار نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے کوئی میزان و ترازو نہیں لگایا جائے گا۔

چہارم: انبیاء اور عدل و انصاف کے منادیوں کا قتل

منادیاں عدل کا قتل

ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِالْآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۖ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۱﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ مِنَ النَّارِ ﴿۳۲﴾

جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء الہی کو ناحق قتل کیا اور اسی طرح عدل و انصاف کی دعوت دینے والوں کو قتل کیا۔ انہیں اعلان کر کے کہہ دو کہ دردناک عذاب ان کا منتظر ہے اور ان کے ظاہر اچھے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع اور حبط ہو گئے ہیں اور قیامت کے دردناک عذاب سے رہائی دلانے میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

پنجم: حق کی ممانعت اور رسول اللہ کی مخالفت۔

قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَسَيُجِطُّ أَعْمَالُهُمْ ﴿۳۳﴾

جنہوں نے خود کفر اختیار کیا اور دوسروں کے لئے بھی خدا کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی اور اس سے مقابلہ کیا جب کہ حق ان کے لئے روشن ہو چکا تھا اور وہ ہدایت اور

﴿۳۱﴾ آل عمران ۲۲، ۲۱

﴿۳۲﴾ محمد ۳۲

گمراہی میں فرق کو جان چکے تھے جان لیں کہ ان کے برے اعمال اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے وہ عنقریب سمجھ جائیں گے کہ انہوں نے اپنے اس ظالمانہ طریقے سے اپنے نیک اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔

ششم: دنیا اور اس کی رنگینیوں میں کھوجانا۔

ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا نُوفٍ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿٥﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۗ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦﴾ [۱]

جن لوگوں نے دنیا اور اس کی زینتوں کو اپنی انسانی زندگی کا بنیادی مقصد بنا لیا ہے وہ معنوی امور کی اہمیت اور موت کے بعد کے عوالم کی طرف متوجہ نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی اس دنیا میں کم و بیش جزا دے دیتا ہے۔ لیکن آخرت میں آگ اور عذاب کے علاوہ ان کا نصیب کچھ نہ ہوگا کیونکہ جو حسنت انہوں نے انجام دیئے مثلاً صلہ رحم، انفاق اور احسان وہ سب معنوی اعتبار سے باطل اور ضائع ہو گئے ہیں اور جو صالح اعمال حبط ہو گئے قیامت کے دن صاحب اعمال کے لئے ذرہ بھی سود مند نہیں ہوں گے۔

دنیا کے پجاری

پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں:

ليجئتن اقوام يوم القيامة واعمالهم كجبال تهامة فيؤمر بهم الى النار كانوا يا رسول الله مصلين؟ قال نعم يصلون ويصومون ويأخذون هنا من الليل فاذا عرض لهم شئ من الدنيا وثبوا عليه [۲]

قیامت کے دن ایک ایسے گروہ کو لایا جائے گا جس کے افراد کے نیک اعمال کا ڈھیر پہاڑ تھامہ جتنا ہوگا۔

[۱] ہود- ۱۶، ۱۵

[۲] التالی الاخبار، ص ۳۶۵

لیکن حکم دیا جائے گا کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا یہ نماز پڑھنے والے ہوں گے؟ آنحضرت نے فرمایا: ہاں یہ نمازی ہوں گے، روزہ دار ہوں گے، رات کو نماز پڑھنے والے ہوں گے لیکن دنیا کے مال کے دلدادہ اور ذخیرہ کرنے والے ہوں گے۔ اس طرح کہ اگر دنیا کی کوئی چیز ان کے سامنے آجائے تو دوڑ کر اپنے آپ کو اس تک پہنچاتے ہوں گے تاکہ اسے حاصل کر سکیں اور اسی دنیا پرستی اور مال و ثروت سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ان کے نیک اعمال حبیط اور باطل ہو جائیں گے اور انہیں دوزخ کی جانب روانہ کر دیا جائے گا۔

اعمال اور زراعت میں مشابہت

اعمال صالحہ کا حبیط ہونا روحانی لحاظ سے فصلوں اور باغوں پر آفتیں آنے کی طرح ہے جو مختلف مواقع پر کسانوں اور باغبانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً کسان نے زمین میں ہل چلایا، وقت پر بیج ڈالا اور تمام ضروری امور کو پورا کیا۔ فصل سرسبز ہو کر نمونہ کرنے لگی، دانہ بننے لگا لیکن جب فصل پک گئی اور کاٹنے کا وقت آیا تو آسمانی بجلی گری اور فصل کو جلا کر خاکستر کر دیا اور کسان کی پکی پکائی فصل ضائع ہو گئی۔

باغبان نے چند سال بچر زمین پر محنت کی، سینکڑوں پھلدار پودے لگائے۔ وقت پر انہیں پانی دیا تمام لازمی شرائط کا خیال رکھا۔ جب درختوں کے پھلنے کا وقت آیا تو سیلاب آیا اور تمام باغ کو بہا کر لے گیا اور سارا باغ ملیا میٹ ہو گیا۔ نتیجے میں باغبان کی تمام محنت برباد ہو گئی۔

دیندار افراد جو اپنی عمر کے کئی سال عبادی اور صالح اعمال کو پورے اخلاص اور تمام شرائط کے ساتھ بجالاتے ہیں اگر وہ اپنی آخری عمر میں مادی مکتب کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو ان کی مثال اسی خاکستر فصل کے مالک کسان اور تباہ شدہ باغ کے باغبان کی طرح ہے ان کے اعمال حبیط اور رائیگاں ہو جائیں گے۔ ان کی سالوں کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور قیامت کے دن اجر الہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

حبیط اعمال کے مختلف عوامل

اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ شرک اور ارتداد جیسے بڑے بڑے گناہ مشرکوں اور مرتدوں کے تمام اچھے اور نیک اعمال کے حبیط کا موجب ہیں لیکن بعض ایسے گناہ ہیں جو جزوی طور پر حبیط کا باعث بنتے ہیں اور اس نیک عمل کا اثر زائل کرتے ہیں۔ جو اسی گناہ سے مربوط ہوتا ہے۔

صدقے کے اجر کا حبط احسان جتلاتے اور اذیت دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْأَدْيٰى ۖ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو صدقے لینے والے پر منت لگا کر اور اسے اذیت و آزار پہنچا کر باطل اور ضائع نہ کرو۔

صبر کا اجر و ثواب بے تابی اور آہ و فریاد سے حبط ہو جاتا ہے: حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اغلبوا الجزع بالصبر فان الجزع يحبط الاجر ويعظم الفجیعة۔ ﴿٢﴾

تخل اور بردباری کے ساتھ بے قراری اور بے چینی پر قابو پاؤ کیونکہ مصیبت میں بے تابی اور نالہ و فریاد صبر کے اجر کو ضائع کر دیتی ہے اور مصیبت میں مزید پیدا کر دیتی ہے۔

حبط اعمالِ صالحہ کی بحث میں ہم قارئین کی توجہ ایک اور نکتے کی طرف دلاتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی حبط اعمال کے بارے میں اکثر آیات اخروی ثواب کے ساقط ہونے اور قیامت میں صاحبانِ عمل کی اجر سے محرومی کے پہلو کو اجاگر کرتی ہیں لیکن جیسا کہ گذر چکا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کو حبطِ عمل کا عامل کہا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت ۲۲ میں انبیاءِ الہی اور عدل کے علمبرداروں کے قتل کو حبطِ عمل کا عامل کہا گیا ہے۔ اس میں صرف قیامت میں حبط کی بات نہیں کی گئی بلکہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ دو گروہ اخروی جزا اور ثواب سے محرومیت کے علاوہ دنیاوی اجر سے بھی محروم رہیں گے کیونکہ مرتد ہونا دینداروں کی نظر میں اور عدل و انصاف کے پیغامبروں کا قتل عام لوگوں کی نظر میں اس قدر قابلِ نفرت ہے کہ وہ اس پر اپنا سخت ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں مثلاً اگر مرتد اور قاتل پہلے اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے ان کے نزدیک قابلِ احترام تھا تو اب اس نے اپنے ارتداد اور قتل کی وجہ سے اپنے نیک اعمال کو لوگوں کی نظروں میں رائیگاں کر دیا اور وہ لوگ جو کل تک ان کی عزت و تکریم کرتے تھے آج ان کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کی طرف حقارت کی نظروں سے دیکھتے اور معاشرے میں ان کا اس طرح مقام گرنا یہ دنیا میں ان کے اعمالِ صالحہ کا حبط ہے۔

گناہوں کی پردہ پوشی

اسلام کی تعلیمات میں جہاں نیک اور اعمالِ صالحہ کے حبط اور ضائع ہونے کا ذکر ہے۔ وہاں گناہوں کی پردہ پوشی

﴿١﴾ بقرہ۔ ۲۶۴

﴿٢﴾ فہرست غرر حسن، ۴۳

اور ان کے اثرات کو محو کرنے کی بات بھی موجود ہے۔ یعنی قرآن میں ایک طرف تو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض گناہ اس قدر بڑے اور ضرر رساں ہیں کہ وہ گناہگار شخص کے صالح اعمال کے حبط کا موجب بن جاتے ہیں اور نیک اعمال کے اثرات کو ضائع کر دیتے ہیں اور اسے اخروی ثواب سے محروم کر دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ بعض نیک اعمال خدا کے نزدیک اتنے مقبول اور اہمیت کے حامل ہیں کہ وہ نیک انسان کے گناہوں کے مٹ جانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ ذات اقدس الہی اس کے تمام گزشتہ گناہوں کو معاف کر دیتی ہے اور گناہوں کے اثرات کو بھی مٹا دیتی ہے۔

کلام الہی میں بہت سی آیات گناہوں کی پردہ پوشی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان میں سے کچھ نقل کی جاتی ہیں خصوصاً وہ آیات جو پردہ پوشی کے اسباب کو بیان کرتی ہیں۔

اول: کفار اور مشرکین کا ایمان لانا:

ارشاد الہی ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلْنَا لَهُمُ جَنَّةٍ

النَّعِيمِ ﴿۱۵﴾ [۱]

اگر اہل کتاب حقیقت میں ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان کے قبل اسلام کے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور ان کے نامہ اعمال میں سے انہیں مٹا دیں گے اور انہیں نعمت و رحمت والی بہشت میں جگہ دیں گے۔

اسلام پر ایمان لانے سے گناہوں کی بخشش اور ان کا محو کیا جانا اہل کتاب سے مختص نہیں بلکہ مشرکین بھی اس فیض الہی میں شامل ہیں۔

حدیث میں ہے:

الاسلام یجب ما قبلہ وان جل۔ [۲]

اسلام قبول کرنے سے نو مسلم کے شرک، کفر اور دیگر گزشتہ گناہ محو ہو جاتے ہیں اگرچہ اس کے گزشتہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں۔

[۱] المائدہ۔ ۶۵

[۲] تفسیر صافی، ج ۱۵۳

اسلام قبول کرنے سے پہلے کے گناہ

امام باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ان ناساً أتوا رسول الله صلى الله عليه واله بعد ما أسلموا فقالوا: يا رسول الله أيؤخذ الرجل منا بما كان عمل في الجاهلية بعد اسلامه؟ فقال لهم رسول الله من حسن اسلامه و صح يقين ايمانه لم يأخذ الله تبارك و تعالیٰ بما عمل في الجاهلية و من سخط اسلامه ولم يصح يقين ايمانه اخذ الله تبارك و تعالیٰ بالاول والاخر. [۱]

ایک گروہ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کسی شخص کا ایمان لانے کے بعد جاہلیت کے زمانے میں مرتکب ہونے والے جرائم پر مواخذہ کیا جائے گا؟ آنحضرت نے جواب میں فرمایا: جس کا اسلام بہترین اور ایمان یقین صحیح ہو اللہ تعالیٰ اس کا دور جاہلیت کے زمانے کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کرے گا اور جس کا ایمان عقلی اساس پر نہیں ہوگا اور اس کا ایمان یقین صحیح نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں پر بھی اور بعد کے گناہوں پر بھی مواخذہ کرے گا۔

دوم: راہ خدا میں قتل ہونا:

شہادت اور گناہوں کی بخشش

ارشاد ہوتا ہے:

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقَاتِلُوا لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَ لِنَهْمِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ تَوَابًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ [۲]

[۱] کافی، ج ۲، ص ۲۶۱

[۲] آل عمران - ۱۹۵

وہ لوگ جنہیں مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا اور انہیں اپنے وطن سے خارج کیا گیا اور چونکہ وہ دین الہی کی سر بلندی کے لئے کوشاں اور سرگرم تھے اس لئے دشمنانِ اسلام کی طرف سے انہیں اذیت و آزار پہنچائی گئی اور آخر کار جنگ ہو گئی اور وہ راہِ حق میں قتل ہو گئے۔ ان کے جتنے بھی گناہ ہوں ان کی قربانی اور شہادت کی وجہ سے سب معاف کر دوں گا اور ان کے نامہ اعمال سے معصیت اور گناہ کے تمام داغوں کو مٹا دوں گا اور انہیں بہشت میں جگہ دوں گا۔ جس میں نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے جزا ہے جنہیں مسلمان ہونے کی بناء پر اذیت و آزار پہنچائی گئی اور وہ اسی راستے میں قتل ہو گئے اور بہترین جزا تو اللہ کے پاس ہے۔

گناہانِ صغیرہ سے درگذر

سوم: گناہانِ کبیرہ سے اجتناب:

ارشادِ الہی ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا

كَبِيرًا ﴿٣١﴾

اگر تم شرع مقدس میں بیان کئے گئے اور انہی کئے گئے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو اور انہیں اختیار نہ کرو تو ہم تمہارے چھوٹے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں بہشت میں داخل کریں گے جس میں کسی قسم کی کمی اور نقص نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت میں ذکر ہونے والے گناہانِ کبیرہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

الكبائر، التي اوجب الله عز وجل عليها النار. ﴿٣٢﴾

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ قرار دی ہے۔

چہارم: حقیقی توبہ اور خدا کی طرف بازگشت:

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا. عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ ۝۱

اے ایمان والو! توبہ کرو اور اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ حقیقی واپسی کے ساتھ۔ امید ہے تمہارا پروردگار
تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تمہیں دائمی بہشت میں داخل کر دے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

التوبة النصوح ان يكون باطن الرجل كظاهرة وافضل. ۲

توبہ نصوح سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کا ظاہر اور باطن یکساں ہو اور وہ دل و زبان کے
ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے اور طلبِ مغفرت کرے بلکہ اس کا ضمیر زبان سے بڑھ کر گناہ
پر عذر خواہی کرے۔

تائب راہزن

ابوحزہ ثمالی حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

قال ان رجلا ركب البحر باهله نكسر بهم فلم ينج من كان في السفينة
الا امرأة الرجل فانها نجت على لوح من الواح السفينة حتى الجأت على
جزيرة من جزائر البحر وكان في تلك الجزيرة رجل يقطع الطريق ولم يدع
لله حرمة الا انتهلها.

ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کے سفر پر گیا۔ سمندر کے وسط میں کشتی ٹوٹ گئی۔ کشتی میں سوار تمام مسافر
سمندر میں ڈوب گئے اس شخص کی بیوی کے علاوہ کوئی مسافر نہ بچ سکا۔ اس عورت کے ہاتھ ٹوٹی ہوئی کشتی کا ایک تختہ لگ گیا
اس نے اس کے ذریعے سے نجات حاصل کی اور اس سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں پناہ لے لی۔ ان
جزیروں میں ایک لایا بلی قسم کا ڈاکو رہتا تھا جو خدا اور اس کے قوانین کا ذرہ برابر خیال نہیں رکھتا تھا۔ وہ عورت اس ڈاکو کے
نزدیک پہنچی۔ ڈاکو نے سراٹھایا اسے دیکھا اور پوچھا انسان ہو یا جن؟ عورت نے کہا انسان ہوں۔ راہزن نے دوسری بات

۱

۲ معانی الاخبار ص ۱۷۴

نہ کی۔ عورت ایک جانب بڑھی اور بیٹھ گئی۔ وہ ڈاکو اس کے نزدیک آیا اور ایک شوہر کی طرح اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جب اس نے عورت کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کیا تو وہ عورت سخت گھبرا گئی۔ ڈاکو نے اس سے پوچھا تم پریشان کیوں ہو؟ عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سے ڈرتی ہوں۔ اس باعفت عورت نے اپنی حقیقی پریشانی اور گھبراہٹ سے اس شخص کے ضمیر میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ وہ شخص سخت متاثر ہوا اور کہنے لگا حق کی قسم مجھے تم سے زیادہ اپنے خدا سے ڈرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ عورت کو چھیڑے بغیر اپنی منزل کی طرف چل پڑا اس حالت میں کہ اس کا وجود توبہ اور خدا کی طرف بازگشت کی فکر میں غرق تھا۔

راستے میں تاب ڈاکو کی ملاقات ایک راہب سے ہو جاتی ہے۔ وہ بھی اسی راستے پر چل رہا تھا۔ سورج کی تیز دھوپ ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔ راہب نے ڈاکو سے کہا: اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا بھیج کر سایہ کر دے۔ اس نے کہا میری خدا کے ہاں کوئی نیکی نہیں ہے کہ میں درخواست کی جرات کروں۔ راہب نے کہا: پھر میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ اس نے یہ بات قبول کر لی۔ راہب نے دعا کی اور اس نے آمین کہی۔ اس کے بعد بہت تیزی سے ایک بادل آیا اور اس نے ان دونوں پر سایہ کر دیا۔ اس کے بعد روایت کے الفاظ یوں ہیں:

فمشتاتحتها مليا من النهار ثم تفرقت الجادة جادتين فاخذ الشاب في واحدة واخذ الراهب في واحدة فاذا السحابة مع الشاب فقال الراهب انت خير مني لك استجيب ولم يستجب لي فاخبرني ما قصتك فاخبره بخبر المرأة فقال غفر لك ما معنى حيث دخلك الخوف فانظر كيف تكون فيما تستقبل. [۱]

کچھ دیر تک وہ دونوں بادل کے سائے میں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دورا ہے پر پہنچ گئے۔ راہب اس شخص سے جدا ہو گیا اور دونوں نے اپنی اپنی راہ لی لیکن بادل اس شخص کے ساتھ ہو گیا۔ راہب نے اس سے کہا: تم مجھ سے بہتر ہو، اللہ نے تمہاری درخواست کو قبول فرمایا ہے نہ کہ میری درخواست کو۔ اپنا قصہ مجھ سے بیان کرو۔ اس نے عورت والی داستان بیان کر دی۔ راہب نے کہا: خوف الہی اور اس کی طرف سے بازگشت سے تمہارے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ اب تم آئندہ کے لئے فکر کرو کہ کیسے بنو گے۔

راہزن کی مستجاب دعا

ایک برا اور راہزن انسان ایک باایمان خاتون کی روحانی حالت سے متنبہ ہو گیا۔ وہ اپنے آپ میں آ گیا۔ وہ اپنی طرف لوٹ آیا اور دل و زبان کے ساتھ اس نے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق اس کے گناہوں کو صاف کر دیا اور اس کی دعا کو قبول فرمایا:

پنجم: خدا کی خاطر مخفی صدقہ:

قرآن فرماتا ہے:

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٥﴾ [۱]

اگر صدقات کو ظاہری طور پر دو تو یہ اچھا عمل ہے اور اگر مخفی طور پر فقراء تک پہنچاؤ تو تمہارے لئے معنوی لحاظ سے بہتر ہے کیونکہ صدقہ موجب بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور تمہارے نامہ اعمال سے محو کر دے۔ وہ تمہارے تمام اعمال سے آگاہ ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فی قوله عزوجل 'ان تبدوا الصدقات فنعما هي' قال یعنی الزکوٰۃ

المفروضة قال قلت: وان تخفوها وتوتوها الفقراء' قال یعنی النافلة

انهم يستحبون اظهار الفرائض و كتمان النوافل۔ [۲]

آیت کے پہلے جملے میں جس میں ظاہری طور پر صدقہ دینے کو پسندیدہ اور اچھا عمل قرار دیا گیا ہے اس صدقے سے مراد زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے جملے میں خفیہ صدقہ دینے کو صدقہ دینے والوں کے لئے بہتر کہا گیا ہے آپ نے فرمایا اس سے مراد مستحب صدقہ ہے کیونکہ پیشوائے اسلام بہتر جانتے ہیں کہ واجب کو ظاہر اور مستحب صدقے کو خفیہ طور پر دینا چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

كلما فرض الله عليك فاعلانه افضل من اسراره وما كان تطوعا فاسراره

[۱] بقرہ۔ ۲۷۱

[۲] تفسیر برہان، ج اول ص ۲۵۶

افضل من اعلانه ولو ان رجلا حمل زكوة ماله على عاتقه فقسبها علانية

كان ذلك حسنا جميلاً. [۱]

جس چیز کو تم پر اللہ نے واجب کیا ہے اگر اسے اعلانیہ طور پر انجام دو تو یہ مخفی طور پر بجالانے سے بہتر ہے اور جس چیز کو تمہارے لئے مستحب قرار دیا ہے اسے مخفی انجام دینا اعلانیہ بجالانے سے بہتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اگر کوئی شخص واجب زکوٰۃ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اعلانیہ طور پر مستحقین میں تقسیم کرے تو اس نے بہت ہی اچھا اور نیک عمل انجام دیا ہے۔

اعلانیہ صدقہ دوسروں کی ترغیب کے لئے

بعض اوقات لوگوں کے درمیان کوئی معزز اور محترم شخصیت خاص مواقع پر اعلانیہ طور پر مستحب صدقہ دیتی ہے تاکہ دوسرے دیکھیں اور اس کی تقلید کریں اور اس طرح وہ عمل خیر لوگوں کی مدد سے انجام پا جائے۔ رسول اکرمؐ کے فرمان کے مطابق اس کا ظاہری طور پر دینے کا ثواب اس کے مخفی دینے سے زیادہ ہے۔
آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

عمل السر افضل من العلانية والعلانية افضل لمن اراد الافتداء به. [۲]

مخفی عمل، آشکارا عمل سے افضل ہے اور اس شخص کا آشکارا عمل بہتر اور افضل ہے جو یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی تقلید کرتے ہوئے مستحب کام میں شرکت کریں۔

سب یا بعض گناہوں کی معافی

مذکورہ آیات میں گناہ اور معاصی کے مٹائے جانے اور محو کئے جانے کے چند عوامل ذکر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مخفی صدقہ دینا ہے۔ البتہ ان آیات میں اور مخفی صدقے والی آیت میں واضح طور پر فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقے والی آیت میں ”من“ تبیضیہ استعمال ہوئی ہے۔ یعنی بعض گناہ۔ جب کہ باقی آیات میں ”من“ ذکر نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخفی صدقہ اگرچہ بار الہی میں ایک مقدس اور اہم عمل ہے لیکن اس کی اہمیت مشرکین اور کفار کے ایمان لانے، راہ خدا میں مجاہدین اسلام کے شہید ہونے یا توبۃ النصوح کے برابر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تین عمل اس قدر اہم اور قیمتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ان اعمال کے بجالانے والوں کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ان گناہوں کو ان کے نامہ اعمال سے مٹا دیتا

[۱] تفسیر صافی - ص ۹۷

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۱، ص ۵۳

ہے۔ لیکن مخفی صدقہ اس کے عامل کے بعض گناہوں کے محو ہونے کا باعث ہے۔ اس کے ذریعے سے بعض گناہ اور نافرمانیاں معاف ہو جاتی ہیں اور پروردگار کی مغفرت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اعمال کا ضبط اور محو ہونا آپس میں دائمی طور پر مربوط ہیں۔ اس کا عقیدہ معنوی لحاظ سے ہمارے اچھے یا برے اعمال پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور ہمارے حالات اور واقعات کو دربار الہی میں جزا و سزا کے حوالے سے تبدیل کر سکتا ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کی امید اور نیک و صالح اعمال کے ضبط ہونے کا خوف ایماندار افراد میں اندرونی توازن اور اعتدال برقرار رہتا ہے۔ ان کے افکار اور سوچیں یا سونا امید پیدا کرنے والے و سوسوں یا مغرور کر دینے والے تخیلات سے محفوظ رہتی ہیں۔ اور وہ خوف ورجاء جو مکتب اسلام کی پیروی کا لازمہ اور انسانوں کی معنوی اور مادی سعادت کا سرمایہ ہے، کے درمیان رہتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد گرامی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

خوف ورجاء کا نور

انہ لیس من عبد مؤمن الا وفي قلبه نوران: نور خيفة و نور رجاء لو وزن
هذا الميزد على هذا ولو وزن هذا الميزد على هذا۔^[۱]

کوئی بھی بندہ مؤمن ایسا نہیں جس کے دل میں دو نور موجود نہ ہوں، ایک خوف کا نور اور دوسرا امید ورجاء کا نور اور اگر ان دو کا وزن کیا جائے تو کوئی بھی ایک دوسرے سے وزنی نہیں ہوگا۔ یعنی دونوں کا پلڑا مساوی ہوگا۔

خوف ورجاء کے درمیان حرکت

آپ جانتے ہیں کہ زندگی کے مختلف مرحلوں اور شعبوں میں کامیابی اور کامرانی ان کے نصیب ہوتی ہے جو ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہتے ہیں اور حد اعتدال سے خارج نہیں ہوتے۔ کسان اپنی کھیتی باڑی کے معاملے میں خوف اور رجاء کی کیفیت میں رہے تاکہ وہ امید کی قوت سے اپنے پاس موجود بیج زمین میں بکھیر دے اور آفات اور طوفانوں کے خوف سے غافل نہ رہے اور ضروری باتوں کا خیال رکھے۔ ایک مریض ڈر اور امید کے ساتھ جے تاکہ علاج کی امید کی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس جائے اور اس کے نسخے پر عمل کرے اور مرض کی شدت کے خوف سے پرہیز کے اصولوں پر پوری طرح کاربند رہے اور نقصان دہ چیزوں سے مکمل دوری اختیار کرے۔ ایک طالب کے اندر خوف

[۱] کافی، ج ۲، ص ۷۱

ورجاء ہونا چاہیے تاکہ وہ علم کے حصول کی امید پر مدرسے سے جائے، استاد کا درس غور سے سنے اور جاہل رہ جانے کے ڈر سے مطالعہ اور مذاکرہ کرے۔ مشق کرے اور اپنی عمر کو سستی اور کاہلی میں ضائع نہ کرے۔ مختصر یہ کہ انسان اپنی دنیاوی زندگی میں اس وقت اپنے صحیح اور عقلاً نہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب خوف ورجاء کی حالت میں ہوں اور اپنے راستے کو خوف اور رجاء کی کیفیت میں طے کریں کیونکہ امید کے بغیر خوف یاس و بدبختی کا موجب ہے اور ڈر کے بغیر امید غرور اور خودسری کا باعث ہے اور ان دونوں کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہے۔

خوف ورجاء میں توازن

انسانوں کی معنوی سعادت کے لئے اسلام کا پروگرام اسی اساس پر استوار ہے۔ قرآن کے سچے پیروکاروں اور حقیقی مسلمانوں کو ہمیشہ خوف ورجاء کے درمیان ہونا چاہیے۔ انہیں ان دو روحانی حالتوں کو اس قدر متوازن اور حد اعتدال پر رکھنا چاہیے کہ امید کی کیفیت انہیں مغرور نہ کر سکے اور انہیں گناہ اور ناپاکی کے راستے کی طرف نہ لے جاسکے اور اسی طرح خوف انہیں مایوس نہ کر سکے اور انہیں دینی فرائض کی بجآوری میں سست اور ناامید نہ کر دے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ارج الله رجاء لا یجرتك علی معصیة وخف الله خوفا لا یؤیسك من رحمتہ۔^[۱]

تم اللہ سے اس طرح امید رکھو کہ وہ تمہیں معصیت اور نافرمانی پر جبری نہ بنا دے اور اللہ سے اس طرح ڈرو کہ یہ ڈر تمہارے لئے اس کی رحمت اور فضل سے ناامیدی کا باعث نہ بنے۔

اسلامی فکر اور قرآنی سوچ کا معیار رحمت الہی کی امید اور اس کے قہر و عذاب سے ڈر ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان دو حالتوں کا تمام موقع پر ہونا اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے ان دو میں سے ہر ایک کے فقدان کو بہت بڑا گناہ شمار کیا ہے۔

عبداللہ بن سنان روایت کرتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں:

ان من الكبائر عقوق الوالدین والبأس من روح الله والامن لمکر الله۔^[۲]

گناہان کبیرہ میں سے والدین کی تحقیر اور نافرمانی بھی ہے اور اسی طرح رحمت الہی سے مایوسی اور

[۱] مشکوٰۃ الانوار، ص ۱۱۸

[۲] کافی، ج ۲، ص ۲۷۸

نامیدی اور اس کے عذاب اور پکڑ سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

روح اور جسم کے ایک دوسرے پر اثرات

انسان کی روح اور جسم باہم ہیں ان کے پاس اس اتحاد کی وجہ سے ہمیشہ روح بدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور بدن روح سے متاثر ہوتا ہے۔ ہماری تمام روحانی حالتیں اور ملکات مثلاً امید یا ناامیدی، شجاعت یا خوف، سخاوت یا بخل، حسن نیت یا سوء نیت، دوستی یا دشمنی مختصر یہ کہ ہماری تمام روحانی صفات خواہ وہ اچھی اور پسندیدہ ہوں اور خواہ بلیوی اور قابل نفرت ہمارے جسم اور ہماری رفتار و گفتار کی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ہمارے امور کو اپنے ساتھ ہم آہنگ اور ہم رنگ بنا لیتی ہے۔ اس طرح ہمارے جسمانی اعمال ہماری روح کو متاثر کرتے ہیں۔ اور ہماری نفسانی شکل ترتیب دیتے ہیں۔ اگر ہمارے اعمال اچھے اور ہماری گفتار و رفتار سعادت بخش ہو تو ہماری روحانی شکل و صورت انسانی اور اچھی ہوگی۔ جس کے باعث ہم ثوابِ الہی کے حقدار ٹھہریں گے اور اگر ہمارے جسمانی کام برے اور بدبختی والے ہوں گے تو ہماری معنوی شکل و صورت غیر انسانی، بد صورت بنے گی جس کا تقاضا سزائے الہی ہے۔

جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے ہمارے اچھے اور برے اعمال کا حیطہ ہو جانا ہے ہماری زندگی کا مستقل اہم پہلو ہے جس سے قرآن شریف نے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ یہ ہماری نیت میں تغیر اور ہماری سوچ فکر میں تبدیلی کی وجہ سے بھی رونما ہو سکتا ہے اور ہمارے اعمال میں رد و بدل اور ہماری رفتار و گفتار کے بدلنے سے بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور ایسا ہونا فکر و عمل کے اختلاط کے ذریعے سے بھی ممکن ہے بعض مقامات پر اس اختلاط کا نتیجہ نیک اعمال کا حیطہ ہونا ہے اور بعض جگہوں پر برے اعمال کا مٹ جانا ہے۔

بہر حال دنیاوی زندگی کے آخری دن تک، اس دار تکلیف اور عمل کی دنیا میں یہ تغیر و تبدل رونما ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے انسان اپنی زندگی کے آخری دن یہاں تک کہ آخری گھڑی میں ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کی طرف لوٹ آئے، توبہ نصوح کر لے اس کی روح اور زبان سے طور پر بارگاہِ الہی سے عذر خواہی کرے اور اس کی حقیقی توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، اس کے گناہوں کو محو کر دے اور وہ انسان سعادت مندی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو۔ یہ بات بھی ممکن ہے کہ انسان اپنی عمر کے آخری روز کفر و الحاد کو اپنالے، دینِ الہی سے منہ موڑ لے، اس کے تمام اعمال حیطہ ہو جائیں اور وہ بد بخت اور روسیہ ہو کر اس دنیا سے چلا جائے۔

اس قسم کے سعید اور شقی افراد کی تاریخ بشریت میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن جو سعادت اور کامیابی حربن یزید یا جی کو زندگی کے اختتام پر نصیب ہوئی وہ کم نظر ہے۔ کیونکہ عبید اللہ ابن زیاد کی ظالم حکومت کو بچانے اور اس کی حفاظت

کے لئے اسے بہت خطرناک اور عظیم گناہ کے راستہ پر ڈال دیا تھا۔ اس نے اسے یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے راستے کی ناکہ بندی کرے، اور آپؑ کو واپس نہ جانے دے۔ جب اس نے یہ کام کر دیا تو پھر اسے یہ کہا گیا کہ آپؑ کو صحرا میں روکے رکھے اور کونے میں داخل نہ ہونے دے۔ اس نے یہ کام بھی کر دیا اور امام کو کربلا کی زمین میں روک کر اس نے فرزندِ رسول کے قتل کی راہ ہموار کر دی۔ لیکن بہت جلد ہوش میں آ گیا اور متوجہ ہو گیا کہ وہ ہلاکت و تباہی کے راستے پر جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو بنی امیہ کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے اور جس باطل راستے پر چل رہا تھا اسے ترک کرنے کے لئے اس نے مناسب موقع پر انتہائی قاطعیت کے ساتھ مال، مقام، بیوی اور بیٹے، حیات و زندگی غرض یہ کہ تمام مادی اور دنیوی چیزوں کو خدا کی خاطر نظر انداز کر دیا۔ اس نے دربارِ الہی میں توبہ کی اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے آ ملا اور آپؑ کی رکاب میں درجہ شہادت پر فائز ہو گیا اور سعادت ابدی کو پالیا۔

مختصر یہ کہ انسانوں کی سعادت اور شقاوت میں پوری زندگی میں ہر وقت تغیر و تبدل کا امکان پایا جاتا ہے اور ان کی نفسانی و معنوی شکل و صورت میں ہمیشہ تبدیلی ممکن ہے۔ جس وقت زندگی اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ موت کا سایہ چھا جائے گا اور انسان دارِ تکلیف و عمل سے عالم حساب و جزا کی طرف انتقال کر جائے گا اس وقت نفسانی شکل و صورت ثابت و مستقل ہو جائے گی، انسان کی سعادت اور شقاوت پکی ہو جائے گی اور ہر فرد ترک دنیا کے وقت جیسا تھا ویسی ہی جزا اور سزا کا مشاہدہ کرے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ان حقيقة السعادة ان يختم للمرء عمله بالسعادة وان حقيقة الشقاء ان

يختم للمرء عمله بالشقاء۔ [۱]

سعادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا عمل سعادت پر ختم ہو اور حقیقت شقاوت یہ ہے کہ اس کا عمل

شقاوت پر اختتام پذیر ہو۔

باب نمبر 19

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٩﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿٢٠﴾ يَوْمَ لَا تَمَلِكُ

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۗ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ﴿٢١﴾ (سورہ انفطار آیت ۱۹ تا ۲۱)

اجتماعی زندگی اور خواہشات کی محدودیت

اجتماعی زندگی کی ضروریات اور عمومی نظم اس بات کا متقاضی ہے کہ معاشرے کے افراد اپنی آزادی کو محدود کریں، اپنے میلانات اور خواہشات کا دائرہ کار بنائیں، دوسروں کی آزادی کا احترام کریں، اپنی ان آرزوؤں سے صرف نظر کریں جو اجتماعی زندگی سے میل نہیں کھاتیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسروں کے حقوق سے تجاوز نہ کریں۔ ان مقدس اور سعادت بخش مقاصد تک رسائی تین بنیادی شرائط پر موقوف ہے۔

اول: قانون جامع اور کامل ہونا چاہیے، عدل و انصاف کی اساس پر وضع ہونا چاہیے اور اسے عوام کی دسترس میں ہونا چاہیے تاکہ اس کے ذریعے سے لوگ اپنی حدود کو پہچان لیں، حق و باطل سے اور جائز و ناجائز میں تمیز کر لیں اور جس راستے کو قانون نے مقرر کیا ہے اس سے آگے نہ بڑھیں۔

قانون کی پناہ میں امان

دوم: معاشرے میں صرف اور صرف عادلانہ قانون حاکم ہونا چاہیے اور ہر فرد کو قانون کی پناہ میں امن و سکون کا احساس ہونا چاہیے اور طاقت و اور قدرت مند افراد کو قانون شکنی نہ کر سکیں، اس کی برتری اور تسلط کو متزلزل نہ کر سکیں اور عملی طور پر اس کے اصول و ضوابط کے خلاف قدم نہ اٹھاسکیں۔

سوم: قانون کے اچھے اجراء اور عوام کے اعتماد کے حصول کے لئے ایسے قاضی اور جج کرسی قضاوت پر بیٹھیں جو عالم، آگاہ، عادل، آزاد، قوی اور شجاع ہوں۔ تاکہ خلاف ورزی کرنے والے اور قانون شکن افراد کو خواہ جس عہدے اور مرتبے کے بھی حامل ہوں، گرفت میں لیا جائے اور صحیح تفتیش کے ساتھ انہیں قانون اور عدل کے مطابق کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

ناجائز قوانین کی منظوری

ابتداء سے لے کر آج تک دنیا کی اقوام اور ملل کے درمیان انسانی زندگی کی حفاظت کے لئے اصول اور قوانین وضع کئے گئے اور معاشروں اور ملکوں میں انہیں نافذ کیا گیا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ قانون نافذ کرنے والوں نے جہالت اور نادانی کی وجہ سے یا خواہشات نفسانی اور ہوا پرستی کے باعث یا حکمرانوں کے مفادات کے حصول کے لئے یا دیگر وجوہات کی بنا پر کچھ ناجائز اور عدل کے خلاف امور کو عادلانہ اصولوں کے ساتھ نتھی کر دیا اور ان کی منظوری دے دی اور عوام پر ان سب کی پابندی لازمی قرار دے دی۔ اس کا نتیجہ قانون کے تقدس کی پامالی کی صورت میں نکلا۔ عوام کی نظروں میں اس کے احترام اور اہمیت میں کمی واقع ہو گئی اور جس طرح قوانین اور اصولوں کا احترام ہونا چاہیے تھا وہ بات نہ رہی۔ بد قسمتی سے یہ انحراف اور کجروی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی اس طرح جاری ہے اور تیسری دنیا کے عوام اس کے نقصان دہ اور غلط اثرات سے مختلف صورتوں میں رنج اٹھا رہے ہیں۔ اس وقت سلامتی کونسل میں بڑی طاقتوں کے لئے ویٹو کا حق ہمارے دور کے ظالمانہ قوانین کا ایک نمونہ ہے۔

حق، باطل سے مخلوط

مجموعی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تمام ادوار اور زمانوں میں پوری دنیا میں جو قوانین اور اصول انسانوں نے وضع کئے ہیں وہ حق و باطل سے مخلوط اور جائز و ناجائز سے مرکب رہے ہیں۔ یہ ابتداء سے لے کر اب تک یہ قوانین انسانی معاشروں پر نافذ رہے ہیں اور ہیں۔ ان کے بہت زیادہ فوائد اور نقصانات ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ کبھی تو ان کے سائے میں حق و حقیقت کا بول بالا ہوا ہے اور کبھی عدل و انصاف کو پامال کیا گیا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔

افراد اور قوموں کے حقوق کی پامالی

دنیا بھر کے ممالک میں ظالمانہ قوانین کے نفاذ کے علاوہ طرح طرح کے دیگر عوامل اور اسباب موجود ہیں مثلاً مقام اور اختیار، فرمانروائی اور حکومت، دولت و ثروت، سیاسی و اقتصادی روابط، نسلی اور قومی تعصبات، دوستی اور رفاقت، دھمکی اور لالچ اور ایسے دیگر امور۔ ہر دور میں ان عوامل اور وسائل سے کم و بیش سوائے استفادہ کیا گیا ہے اور ظالم و ستم گرا فرد نے شہروں کی سطح پر، ظالم و ڈکٹیٹر حکومتوں نے ملکوں کی سطح پر اور متکبر طاقتوں نے عالمی سطح پر اپنے اعمال کے ذریعے سے خلاف عدالت کام کئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ حق و عدالت کے اجراء میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ کمزور افراد یا محروم و مظلوم قوموں کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں اور اس انداز سے وہ اپنی خیانت آمیز خواہشات

کو پورا کرتے ہیں اور اپنے ظالمانہ مقاصد کو معاشرہ میں عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اگر کوئی نج یا قاضی ان کے لئے سدراہ بننا چاہتا ہے اور انہیں خلافِ عدل کام اور ظلم سے روکتا ہے اگر تو یہ اسے دھمکی دھونس یا لالچ سے اپنے فریضہ کی انجام دہی سے روک سکتے ہوں تو یہ طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکتے ہوں تو پھر دہشت گردی کا سہارا لیتے ہیں اور خفیہ سازش کے ذریعے غلط افراد کے ہاتھوں ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیتے ہیں۔

قیامت اور حق کا قیام

خلافِ حق قوانین بنانا، وسائل اور اسباب سے سوائے استفادہ کرنا، قاضی کو خاموش کر دینا یا اسے ختم کر دینا غرض یہ کہ ہمیشہ خیانت اور ناپاکی کی راہیں اپنانا، یہ سب اس عارضی دنیا اور عالمِ طبیعت کی چند روزہ زندگی سے مربوط ہے۔ دنیا کے خاتمے کے ساتھ اور روزِ جزاء آنے کے بعد تمام انسانی قوانین اور اصول و ضوابط نابود ہو جائیں گے۔ تمام طاقتوں اور بلا دستیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سب روابط اور وابستگیوں ٹوٹ جائیں گی۔ عرصہ قیامت میں یگانہ مالک مطلق اور مطاع و متنوع حکمرانی ذاتِ اقدس الہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب انسانوں کا حاکم ہوگا اور اس کے دربار سے حق و عدل کی اساس پر حکم صادر ہوں گے۔ اس کی عدالت پر وسائل و اسباب، دھمکی، لالچ اور دوسرے امور جو دنیا میں ظالم لوگ بروئے کار لاتے ہیں، کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوگا۔

مذکورہ تینوں باتوں کے بارے میں متعدد آیات اور روایات مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ یہاں پر ہر ایک کے متعلق بالترتیب کتاب و سنت سے شواہد ذکر کئے جائیں گے۔ ان کی ترتیب یوں ہے:

اول: حاکمیت الہی۔

دوم: عدل و انصاف کی بنیاد پر حکم

سوم: اس عدالت میں دنیاوی وسائل کا مؤثر نہ ہونا

اول: حاکمیت الہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۱﴾

وہ روزِ جزا کا حاکم ہے۔

راغب کہتے ہیں:

المَلِكُ هُوَ الْمَتَصَرِّفُ بِالْأَمْرِ وَانْهَى فِي الْجُمْهُورِ وَذَلِكَ بِمَخْتَصِ بِسِيَاسَةِ
النَّاطِقِينَ وَلِهَذَا يُقَالُ مَلِكُ النَّاسِ وَلَا يُقَالُ مَلِكُ الْأَشْيَاءِ قَوْلَهُ "مَالِكُ
يَوْمِ الدِّينِ" فَتَقْدِيرُهُ الْمَلِكُ فِي يَوْمِ الدِّينِ. [۱]

ملک وہ ہے جو اپنے امر و نہی سے لوگوں کے امور میں تغیر و تبدل پیدا کرتا ہے اور یہ بات ناطق انسانوں
کے امور کی تدبیر سے مخصوص ہے۔ لہذا ملکِ ناس کہتے ہیں لیکن ملکِ اشیاء نہیں کہا جاتا۔ قرآن
شریف کی آیت کا یہ معنی ہے کہ وہ روزِ جزا میں ملک اور فرمانروا ہے۔

روزِ جزا کی فرمانروائی

قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ هُمْ بَرْزُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۗ لِلَّهِ
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ [۲]

جس دن لوگ قبروں سے نکلیں گے جب کہ ان کے امور میں سے کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے،
خطاب ہوگا آج کے دن ملک عالم وجود اور اس پر کس کی بادشاہت اور کس کا قبضہ ہے؟ جواب دیا
جائے گا: اللہ جو غالب اور قاہر ہے کے قبضے اور اختیار میں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۗ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ [۳]

قیامت کے دن حاکمیت اور فرمانروائی اللہ کی ذات سے مخصوص ہے وہ اس دن لوگوں کے درمیان
فیصلے کرے گا۔

ارشاد ہوتا ہے:

[۱] مفردات راغب، (ملک)

[۲] المؤمن - ۱۶

[۳] الحج - ۵۶

الْمَلِكُ يَوْمَ يَمِيزُ الْحَقَّ لِلرَّحْمَنِ ۖ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾^[۱]

قیامت کے دن حق اور دائی حکومت خداوند رحمن کے لئے ہے اور وہ دن کفار کے لئے بہت سخت اور تکلیف دہ ہوگا۔

قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَ لِلَّهِ ﴿١٩﴾^[۲]

قیامت کے دن کوئی بھی کسی کی تقدیر اور سرنوشہ کا مالک نہیں ہے۔ اس دن تمام امور فقط خدا کے اختیار میں ہوں گے۔

حکومت خدا سے مخصوص ہے

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اذْكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَادَتِ الْحُكَّامِ فَلَمْ يَبْقَ حَاكِمٌ إِلَّا اللَّهُ ۖ ﴿٣﴾^[۳]

قیامت کے روز حکمرانی ختم ہو جائے گی اور حکمران ہلاک ہو جائیں گے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی حاکم نہ رہے گا۔

ذات باری تعالیٰ کی لامحدود قدرت، مطلق حاکمیت اور بے قید و شرط فرمانروائی صرف روز قیامت سے مخصوص نہیں۔ وہ تمام عوالم ہستی پر ازلی وابدی حاکم ہے اور رہے گا اور یہ کہ قرآن شریف خدا کو روز جزا کا ”ملک“ کہتا ہے اور ”ملک یوم الدین“ کے عنوان سے اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہ اس لحاظ سے ہے کہ پروردگار نے ارادہ فرمایا ہے کہ بشر زمین پر خلیفۃ اللہ ہو۔ اس لئے اپنی حکیمانہ مشیت سے اس کو آزاد خلق کیا ہے، ارادہ اور اختیار کو اس کی خلقت میں رکھا ہے، اسے کرہ خاک کہ جو علل و اسباب کا جہان ہے، میں مستقر کیا، زمین اور اس کی تمام اشیاء پر اسے مسلط کیا ہے اور اس کے لئے انہیں مسخر کیا اور اس پر فرض کیا ہے کہ وہ سعی و کوشش سے زمین کو آباد کرے۔

[۱] الفرقان - ۲۶

[۲] الانفا - ۱۹

[۳] تفسیر مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۳۵۰

دنیا میں بشر کی حکومت

قرآن فرماتا ہے:

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيهَا ۖ

اللہ نے تمہیں زمین سے خلق کیا ہے اور تم سے چاہتا ہے کہ اسے آباد کرو۔

اس بناء پر اس دنیا میں بشر اذن الہی سے حکومت کا حق، آزادی اور اختیار رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے اختیارات کو مفید اور صحیح راستوں پر استعمال کرے، ہدایت اور سعادت کو پالے اور ابدی سعادت حاصل کر لے اور چاہے تو اپنی خود مختاری کو ہوا پرستی اور شہوت رانی میں بروئے کار لائے، فساد و ہلاکت کی راہوں پر چل نکلے اور اپنی بدبختی اور تباہی کے اسباب فراہم کرے۔

اسی طرح نظام خلقت میں جو اسباب اور وسائل اس کے اختیار میں دیئے گئے ہیں چاہے تو ان سے صحیح طور پر استفادہ کرے، انہیں مفید اور منافع بخش امور میں استعمال کرے اور اس کے نتائج سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بہرہ ور کرے اور چاہے تو ان وسائل سے سوئے استفادہ کرے، انہیں ظالمانہ اور گناہ آلود مقاصد کی تکمیل کے لئے بروئے کار لائے اور اس طرح اپنے لئے اور دوسروں کے لئے نقصان اور ضرر بہم پہنچائے۔

آخرت میں اختیار کا خاتمہ

لیکن عالم طبیعت کی فنا اور دار تکلیف کے خاتمے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ انسان کو دیئے گئے تمام اختیارات سلب کر لے گا، اسے وسائل و اسباب سے منقطع کر دے گا اور اس سے حاکمیت اور طاقت کو کھینچ لے گا۔ تمام قدرتیں اور اختیارات پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں آ جائیں گے۔ یہ قرآن میں ذکر ہونے والی ان آیات کا معنی ہے جو باری تعالیٰ کو روز جزا کا مالک اور فرمانروا قرار دیتی ہیں۔ اور عرصہ قیامت میں اس کی بے قید و شرط حاکمیت بیان کرتی ہیں۔

دوم: عدل و انصاف پر مبنی فیصلے

ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

يُظْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ ۱

اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں خدا کی طرف لوٹایا جائے گا اور تمام انسان اپنے انجام دیئے گئے کاموں کی جزا پائیں گے اور اس میں ان پر ظلم و ستم نہیں کیا جائے گا۔
ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمِ أَلَا رَيْبَ فِيهِ تَفَّ وَوَفِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ ۲

جب ان کو اس دن جمع کیا جائے گا جس کے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، تو ان کا حال کیا ہوگا؟
اس دن تمام لوگ اپنے کئے گئے اعمال کی جزا پائیں گے جب کہ ان پر ظلم و ستم نہیں کیا جائے گا۔
ارشاد الہی ہے:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ مُّجَادِلًا عَن نَّفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمَلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ ۳

ایک دن ایسا آئے گا کہ ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا اور اپنی رہائی کے لئے دلیل و حجت پیش کرے گا۔ اس دن ہر انسان اپنے اعمال کی جزا پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم سے پاک فیصلہ

قرآن ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

فَالْيَوْمَ لَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣١﴾ ۴

اس دن کسی پر ظلم نہ ہوگا اور اپنے انجام دیئے گئے اعمال کے بدلے جزا کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں دیکھے گا۔

۱ بقرہ- ۲۸۱

۲ آل عمران- ۲۵

۳ النحل- ۱۱۱

۴ یسین- ۵۴

قرآن مزید فرماتا ہے:

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ﴿١٥﴾^[۱]

قیامت کے روز ہر شخص اپنے اعمال کی جزا کا مشاہدہ کرے گا۔ اس دن ظلم و ستم نہیں ہوگا اور اللہ لوگوں کا حساب بہت تیزی سے کرے گا۔

بے انصافی کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا بار بار اس بات کا اعلان کرنا کہ قیامت میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا اس لئے ہے کہ اس دن حکومت ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ ظلم و ستم سے منزہ اور مبرا ہے۔ کیونکہ ظلم کا منشاء اندرونی کمزوری اور احساس کمتری ہے۔ جو شخص ظلم کرتا ہے حتماً اس کے اندر ایک یا چند کمزوریاں پائی جاتی ہیں وہ اس ذریعے سے اپنی کمزوری کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے احساس کمتری کو چھپانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات تمام کمالات کی حامل ہے اور اس میں ذرہ برابر نقص اور کمزوری نہیں پائی جاتی۔ اس لئے چھوٹے سے چھوٹا اور کم سے کم ظلم بھی نہیں ہوگا۔

ظلم سے مبرا ذات

ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا
عَظِيمًا ﴿٥٠﴾^[۲]

بے شک اللہ ایک ناچیز ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیک کام انجام دیتا ہے تو اسے دو برابر جزا دیتا ہے اور اسے اپنے اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ رسول اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَعْبَادِي اِنِّي حَرَمْتُ الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرماً فلا تظالموا۔^[۳]

[۱] المؤمن - ۱۷

[۲] النساء - ۴۰

[۳] تفسیر المنار، ج ۸ ص ۲۴۳

اے میرے بندو! میں نے اپنے پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے ناجائز اور حرام قرار دیتا ہوں۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

استحقاق کی بنیاد پر جزا و سزا

قیامت کے دن گناہگاروں پر ستم ہوگا نہ نیک لوگوں پر۔ گناہگار عدل و انصاف کے مطابق اپنی سزا پائیں گے اور کسی بھی فرد کو اس کے استحقاق سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح نیک افراد بھی اپنے استحقاق کے مطابق جزا پائیں گے۔

اور ان میں سے کسی کا حق بھی تلف نہیں ہوگا لیکن گناہگاروں کے بارے میں عدل الہی کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ مجرموں کو سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور اس میں تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقدس ذات اس بارے میں مختار ہے اور جیسے چاہے عمل کر سکتی ہے۔ وہ چاہے تو تمام گناہگاروں کو عدل اور استحقاق کی بنیاد پر سزا دے سکتی ہے اور چاہے تو جو افراد تفضل کے لائق ہیں انہیں بخش سکتی ہے اور اپنی رحمت و بخشش کے سائے میں لے سکتی ہے اور یقیناً ایسا ہی ہوگا کیونکہ وہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

کتب علی نفسه الرحمة۔ [۱]

اللہ نے تفضل اور رحمت کو اپنے اوپر ضروری قرار دیا ہے اور اسے اپنا فریضہ بنایا ہے۔

گناہگاروں کی بخشش

آئندہ فصلوں میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مہربان پروردگار قیامت کے دن کتنے زیادہ گناہگاروں کو مختلف بہانوں سے معاف کر دے گا اور جس سزا کے وہ مستحق ہوں گے اس سے درگزر فرما دے گا۔ نیک لوگوں کے بارے میں بھی عدل الہی کا یہ معنی نہیں کہ حتماً اللہ تعالیٰ انہیں عدل کے دائرے میں ہی جزا سے نوازے گا اور استحقاق کے معیار پر انہیں پرکھے گا بلکہ ان کے متعلق بھی جیسے چاہے گا عمل کرے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ نیک افراد کو ان کے عمل کی کئی گنا جزا دے گا۔ اس کی وضاحت اسی فصل میں آئے گی اور وہ ایسا ہی کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

نیکوں کی جزا اور وعدہ خلافی

ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيثَاقَ ۗ ﴿۱۱﴾

بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

من وعده الله ثواباً على عمله فهو منجزه ومن وعده عقاباً على عمله فهو

بالخيار۔ ﴿۱۲﴾

اگر اللہ نے کسی سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے عمل کے بدلے میں اجر و ثواب عطا کروں گا تو حتماً اسے وفا کرے گا اور صاحبِ عمل کو وہ ثواب عطا فرمائے گا۔

بروں کو سزا اور اللہ کی مرضی

اور اگر کسی سے کئے گئے گناہ پر سزا و عقاب کا وعدہ کیا ہے تو اللہ پر لازم نہیں کہ وہ اسے حتماً عذاب دے بلکہ یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے جرم کو معاف کر دے اور اسے عذاب میں نہ ڈالے۔ ذات باری تعالیٰ کے تفضل اور رحمت کی کتاب و سنت کے حوالے سے مزید تحقیق کے لئے اور قارئین کی اس اہم اور امید افزاء مطلب کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کے لئے بعض آیات اور روایات کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک نیکی کا ثواب

ارشاد الہی ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا

﴿۱﴾ الرعد۔ ۳۱

﴿۲﴾ کتاب شہاب، ص ۴۶

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ [۱]

جو بھی ایک نیکی انجام دے گا وہ اس کا دس گنا ثواب پائے گا اور جو بھی ایک گناہ کا مرتکب ہوگا اس کی سزا ایک گناہ کے برابر ہوگی اور اس کے دربار میں لوگوں پر ستم نہیں ہوگا۔
رسول اکرمؐ نے فرمایا:

قال الله تعالى وقوله الحق اذا هم عبدى بحسنة فاكتبوها حسنة واذا عملها فاكتبوها له بعشر امثالها واذا هم بسيئة فلا تكتبوها فان عملها فاكتبوها بمثلها. [۲]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں سے فرمایا اور اس کا قول حق ہے کہ جب میرا بندہ نیک کام کی نیت کرے اسی نیت پر اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھو اور جس وقت وہ نیت رو بہ عمل آجائے اور تو دس برابر نیکیاں لکھو اور جب گناہ کی نیت کرے تو کچھ نہ لکھو اگر وہ اس نیت کو عملی جامہ پہنا دے اور گناہ کا ارتکاب کر لے تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک گناہ لکھو۔

ایک گناہ کی سزا

نبی اکرمؐ سے ہی ایک اور حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

يقول الله اذا اراد عبدى ان يعمل سيئة فلا تكتبوها عليه حتى يعملها فان عملها فاكتبوها عليه بمثلها وان تركها من اجلي فاكتبوها لها حسنة. [۳]

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کی نیت کرے تو جب تک ارتکاب نہ کر لے تم کچھ نہ لکھو۔ اگر وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو ایک گناہ اس کے نامہ عمل میں لکھ دو لیکن اگر گناہ کی نیت کو میرے لئے اور میرے حکم کی وجہ سے ترک کر دے تو اس کے نامہ عمل میں ایک نیکی لکھ دو۔

[۱] الانعام - ۱۶۰

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۳ ص ۶۴

[۳] تفسیر المنار، ج ۸ ص ۲۳۵

خدا کے لئے نیتِ گناہ کا ترک کرنا

مختصر یہ کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے ذرائع سے وارد ہونے والی بہت سی احادیث کے مطابق نیک کام کی نیت کا اجر ایک نیکی کے برابر ہے۔ اگر نیت کے مطابق عمل بھی ہو جائے تو عامل کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گے۔ اگر کوئی گناہ کی نیت کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ لیکن اگر گناہ کو انجام دے تو ایک گناہ لکھا جائے گا لیکن اگر اطاعت الہی کے جذبے کے تحت نیتِ گناہ کو عملی طور پر انجام نہ دے تو اس کے اندرونی جذبے کے احترام میں ایک نیکی اس کے نامہ عمل میں لکھی جائے گی۔

امام سجاد کا کلام

ویل لمن غلب احادہ اعشارہ فقیل له و کیف هذا؟ فقال له أما سمعت قول الله عز وجل يقول "من جاء بالحسنة فله عشر امثلها ومن جاء بالسيئة فلا يجزي الا مثلها" فالحسنة الواحدة اذا عملها كتبت له عشر والسيئة الواحدة اذا عملها كتبت له واحدة نعوذ بالله ممن يرتكب في يوم واحد عشر سيئات فلا تكون له حسنة واحدة فتغلب حسناته سيئاته. [۱]

وائے ہو اس پر جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔ کہا گیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ایک نیکی انجام دے اس کا دس گنا ثواب ہے اور جو ایک گناہ کا مرتکب ہو اس کی ایک سزا ہے۔ ایک سے زیادہ اسے سزا نہیں ہوگی۔ پس ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک گناہ کے بدلے میں ایک ہی لکھا جاتا ہے۔ ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس شخص سے جو دن میں دس برائیوں کا ارتکاب کرے اور اس کی ایک نیکی بھی نہ ہو کہ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب آجائیں۔

یہ بات ان کہی نہ رہ جائے کہ بعض نیکیوں کا ثواب دس گنا اور سو گنا سے بھی بڑھ جاتا ہے اور سات سو گنا اور اس سے

زیادہ تک پہنچ جاتا ہے۔

[۱] تفسیر برہان - ج ۱ ص ۵۶۵

سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر

قرآن حکیم نے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل

فی کل سنبلۃ مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔^[۱]

ایماندار افراد جو راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، کی مثال اس کسان جیسی ہے جس نے بیج کو زمین میں ڈالا ہے اور وہ سبزے میں بدل گیا ہے۔ ہر دانہ جو زمین سے نکلتا ہے اس کی سات بالیاں ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنہیں چاہے سات سو گنا سے زیادہ اجر دیتا ہے کہ اس کے پاس وسیع رحمت اور قدرت ہے اور جو افراد زیادہ اجر کے مستحق ہیں وہ ان کی صلاحیت اور لیاقت سے آگاہ ہے۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

من ہم بحسنة فلم یعملہا کتبت لہ حسنة فان عملہا کتبت لہ عشر الی

سبع مائة الی اضعاف کثیرة۔^[۲]

جس نے نیکی کی نیت کی ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے نامہ عمل میں لکھی جاتی ہے اور اگر وہ عمل کرے تو دس سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اس کے نامہ عمل میں لکھی جاتی ہیں۔

دنیاوی وسائل کا بے اثر ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلٰی عَنْ مَوْلٰی شَیْئًا وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۳۱﴾

قیامت کا ایسا دن ہے جس دن سب رشتہ داریاں، قرابتیں اور رفاقتیں اپنا اثر کھودیں گی۔ کوئی بھی اپنے

[۱] بقرہ۔ ۲۶۱

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۳ ص ۶۴

[۳] الدخان۔ ۴۱

دوست کے کام نہ آسکے گا اور اسے عذاب سے نجات نہ دلا سکے گا۔
قرآن حکیم مزید فرماتا ہے:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٥﴾ [١]

رشتہ داریاں اور قرابتیں

جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہوگی تو قرابتیں اور رشتہ داریاں بے اثر ہو جائیں گی۔ اس ذریعے سے کسی کو فائدہ ملے گا نہ ان سے سوال کیا جائے گا۔
امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

والله لا ينفعك غدا الامقدمة تقدمها من عمل صالح. [٢]

خدا کی قسم قیامت کے دن کوئی بھی چیز تمہارے لئے مفید نہیں ہے مگر تمہارے صالح اعمال جنہیں تم نے آگے بھیجا ہے۔

والدین اور اولاد

قرآن حکیم اس بارے میں مزید فرماتا ہے:

يَأْتِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاحْشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٌ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا [٣]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے خوف کھاؤ جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کی کوئی مدد کر سکے گا اور نہ بیٹا باپ کو مشکلات سے رہائی دلا سکے گا۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
الْأَسْبَابُ [٣] ﴿١٦﴾

[١] المؤمنون - ١٠١

[٢] تفسیر صافی، ص ٣٤٢

[٣] لقمان - ٣٣

[٤] بقرہ - ١٦٦

کتنا سخت ہوگا وہ مرحلہ جب باطل لیڈراپنے گمراہ شدہ پیروکاروں سے دوری اور برأت اختیار کر رہے ہوں گے اور عذاب الہی کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے کہ قیامت کے میدان میں دنیا کے تمام وسائل اور اسباب منقطع ہو گئے ہیں۔

مال اور اولاد

ارشاد الہی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا
وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝

وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا مال اور اولاد قیامت کے دن ان سے عذاب الہی کو دور نہیں کر سکیں گے اور وہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اگر کفار اور ملحدین جو کچھ کرہ زمین میں ہے سب کے مالک بن جائیں اور اتنا مزید بھی اس کے ساتھ ہو اور وہ چاہیں کہ اسے روز قیامت کے عذاب کا معاوضہ دے دیں اور عذاب سے رہائی پالیں تو ان کا یہ معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شاعر نے مندرجہ بالا مطالب کو اپنی زبان میں یوں بیان کیا ہے:

باچنیں	وضع	و	حال	ہول	انگیز
درچنیں	روز	سخت	و	حادثہ	خیز
کہ	موازین	حق	بکار	رود	
غول	تبعیض	بر	کنار	شود	

۱۱ آل عمران - ۱۰

۱۲ المائدہ - ۳۶

رشوہ ہا حیلہ ہاسیا ستہا
 رخت بر بند و از قضا و تھا
 کردہ ہا جملہ بر ملا گردد
 حق و باطل زہم جدا گردد
 نیست اذنی کہ اعتذار کنم
 کیجا رد کنم چکار کنم
 دست در دامن کہ آویزم
 باچہ قدرت زجای برخیزم
 کر تو انم شدن زبند خلاص
 چہ گریزم کہ ”لات حین مناص“

زیر بحث آیات کا نتیجہ

مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اولاً روزِ محشر حاکم مطلق اور مطاع و متبع فرمانروا ذاتِ اقدس الہی ہے۔ وہ ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ اور مالکِ روزِ جزا ہے۔ ثانیاً عدالتِ الہی میں کسی پر بھی ظلم و ستم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غنی بالذات ہے اور اس سے منزہ ہے کہ ظلم روا رکھے اور بلند و بالا مقامِ الوہیت کو ناحق حکم سے داغدار کرے۔ ثالثاً: وہ ظالم جنہوں نے دنیا میں وسائل اور اسباب سے استفادہ کرتے ہوئے ناجائز اور ظالمانہ کام انجام دیئے اور کمزور و ضعیف افراد کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا قیامت میں اپنے غلط اور ظالمانہ کاموں کو جاری نہیں رکھ سکتے کیونکہ دنیا میں بعض وسائل اور ذرائع ان کے کنٹرول تھے اور جن سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ظلم و ستم روا رکھا مثلاً مال و عہدہ، طاقت و ریاست، محبوبیت اور گفتگو کا اثر وغیرہ وہ سب ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہوں گے اور بعض دوسرے وسائل مثلاً رشتہ داریاں، قرابتیں، دوستیاں، رفاقتیں، والدین اور اولاد جو دنیا کی باقیات ہیں۔ آیات اور روایات کی صراحت سے باطل اور لغو ہو چکے ہوں گے۔ اس بناء پر عرصہ قیامت میں حاکمِ روزِ جزاء کی طرف سے یعنی ذاتِ اقدس الہی کی طرف سے ظالمانہ فیصلہ صادر نہیں ہوگا اور لوگوں پر ظلم نہیں ہوگا اور دنیا کے ظالموں کی طرف سے بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا کیونکہ وہ ظلم و تعدی کی قدرت نہیں رکھتے ہوں گے۔

مجرم اور جرم کا انکار

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ مشیت سے انسان کو آزاد خلق فرمایا ہے۔ اس کی آزادیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس

نے زبان کو بشر کے کنٹرول میں دیا ہے وہ جیسے چاہے گفتگو کرے وہ جہاں پر چاہے زبان اور ضمیر کو باہم ہم آہنگ کرے جو کچھ دل میں ہے زبان پر لائے اور جہاں چاہے منافقت سے کام لے، زبان اور دل کو آپس میں جدا کرے اور ایسی بات زبان پر لائے جو اس کے دل میں نہ ہو۔

بے گناہی کی قسم

دیوانی مقدمات میں حقیقی مجرم کی شناخت اور جرم کے وقوع سے آگاہی قاضیوں کے لیے بنیادی ترین مسائل میں سے ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے بہترین ذریعہ مجرم کا اعتراف ہے۔ لیکن بہت سے مواقع پر خطا کار اور ملزمان سزا سے بچنے کے لئے کئے گئے گناہ کا اعتراف نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اور لوگوں کو الزام دینے کے لئے بار بار قسمیں کھاتے ہیں اور قاضی مجبور ہو جاتا ہے کہ مجرم کی پہچان کے لئے گواہوں کی شہادت، تحقیقات و تفتیش سے استفادہ کرے اور ابہام کو برطرف کرے اور کبھی ان اقدامات سے بھی کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، ابہام دور نہیں ہوتا اور مجرم کی شناخت نہیں ہو پاتی۔

آج کی دنیا میں ذرائع

آج کی دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے بعض ایسے وسائل اور آلات بنا لئے گئے ہیں جو ایسے مواقع پر حقیقت کی پہچان میں مدد کرتے ہیں اور مجرم کے اعتراف کے اسباب مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک میچ یا ڈرامہ دیکھنے کے لئے ایک وسیع میدان میں لوگوں کو بہت زیادہ تعداد جمع ہوتی ہے اتفاق سے میدان کے ایک گوشے میں ایک جھگڑا ہو جاتا ہے دو پارٹیاں آپس میں لڑ پڑتی ہیں اس مار دھاڑ اور مار پیٹ کے نتیجے میں چند افراد زخمی ہو جاتے ہیں اور چند افراد قتل ہو جاتے ہیں۔ اب نہ قاتل اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور نہ وہ لوگ گواہی دیتے ہیں جو موقع پر موجود تھے۔

واقعہ جرم کی فلم

لیکن ایک اخباری رپورٹر میچ یا ڈرامے کی ویڈیو فلم بنانے کے لئے پہلے سے وہاں آیا ہوا تھا اور اس نے اپنے کیمرے کو ایک مناسب جگہ پر فٹ کر رکھا تھا۔ وہ خود بخود جھگڑے کی جگہ کے سامنے ہوتا ہے اور وہ تمام لڑائی کی فلم بناتا ہے۔ اس فلم میں قاتل اور مقتول دونوں کے آپس میں الجھنے اور لڑنے کی کیفیت اور قتل کا واقعہ انتہائی واضح طور پر ریکارڈ ہو جاتا ہے اور قاتل اس فلم کو دیکھنے کے بعد مجبوراً اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے۔

کبھی مجرم اپنے محرم راز دوست سے بات کرتا ہے اور اسے واقعہ قتل کی تفصیل بتاتا ہے اور اس کے سامنے واضح

طور پر اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے لیکن اسے پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی گفتگو ٹیپ کر لی جاتی ہے جس وقت عدالت میں کیسٹ چلائی جاتی ہے اور وہ اپنی باتوں کو سنتا ہے تو مجبور ہو کر اپنے ارتکاب شدہ جرم کا اعتراف کر لیتا ہے۔

ٹیپ ریکارڈ

کہتے ہیں کہ اب تو دستی گھڑی، لٹھی کی نوک اور بٹن کی صورت میں ٹیپ ریکارڈ بنائے گئے ہیں۔ جنہیں افراد اگر چاہیں تو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور ضروری مواقع پر کسی کی باتوں کو ریکارڈ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ٹیپ ریکارڈ کو ڈرائنگ روم کی آرائشی اشیاء کی صورت میں بھی تیار کیا گیا ہے اور صاحب خانہ ان چیزوں کے ذریعے سے سمجھ سکتا ہے کہ اس کے مہمانوں نے اس کی غیر موجودگی میں کیا کہا ہے۔ یہ حدیث جو نبی اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

اما والذی نفس محمد بیدہ لیوشکن الرجل منکم ان یغیب عن اہلہ
الروحة او الغدوة ثم یخبرہ سوطہ او عصاہ او نفلہ بما احدث اہلہ من
بعداہ۔ [۱]

مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے نزدیک ہے کہ وہ وقت آن پہنچے کہ تم میں سے ایک شخص صبح یا عصر یا رات کو گھر سے نکلے اور اپنے گھر والوں سے اوجھل ہو جائے اور جیسے ہی گھر لوٹ کر آئے تو چابک، یا عصا یا اس کے جوتے اسے اطلاع دیں کہ اس کے گھر والوں نے اس کی غیر موجودگی میں کیا ہے۔

مجرم کی انگلی کے نشانات

ویڈیو فلم اور ٹیپ ریکارڈنگ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی ممکن ہے کہ ابہام برطرف ہو جائے اور مجرم کی شناخت ہو جائے۔ ان ذرائع میں سے ایک انگشت کے نشانات یا بلڈ گروپ کی تشخیص ہے۔ پیشہ ور چور چوری کے لئے ایک گھر میں داخل ہوتا ہے۔ قیمتی اموال کمرے سے باہر نکالتا ہے اور اٹھا کر لے جاتا ہے البتہ اس دوران میں اس کمرے میں موجود میز پر انگلیوں اس کے نشانات لگ جاتے ہیں اور وہی نشانات چور کی پہچان کروادیتے ہیں اور اس کی شناخت کا سبب بن جاتے ہیں۔

کبھی واقعہ قتل رونما ہو جاتا ہے اور قاتل تیزی کے ساتھ جائے وقوعہ سے فرار ہو جاتا ہے۔ لیکن قاتل کے لباس پر مقتول کے خون کے ایک دو قطرے رہ جاتے ہیں۔ یہی بات اس کو مشتبہ بنا دیتی ہے اور مقتول کے خون کے گروپ کی پہچان کے بعد یہ پوشیدہ راز آشکار ہو جاتا ہے اور قاتل کی پہچان ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ فلم کا منظر، آڈیو کیسٹ، انگلی کے نشانات اور خون کے قطرات میں سے ہر ایک گواہ کے طور پر حقیقت کو واضح کرتے ہیں اور مجرم کی پہچان کر دیتے ہیں۔

اللہ کی عدالت میں گناہگاروں کا طریقہ کار

جیسا کہ آیات اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے قیامت کے دن گناہگار اللہ کی عدالت میں وہی طریقہ اپنائیں گے جو مجرم لوگ دنیا کی عدالتوں میں اختیار کرتے ہیں۔ شروع میں آزادی اظہار کی وجہ سے جو کچھ دل میں موجود ہوگا اس کے برخلاف بات کریں گے، اپنے جرائم کا انکار کریں گے۔ انبیاء الہی کی تبلیغ اور فرشتوں کی گواہی کو جھٹلائیں گے حتیٰ کہ بعض مقامات پر اپنی خلاف حقیقت باتوں کو ثابت کرنے کے لئے اور انہیں دوسروں کو باور کرانے کے لئے جھوٹی قسمیں بھی کھائیں گے۔ یہاں پر اس سلسلے کی بعض آیات اور احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ارشاد الہی ہے:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠﴾

پس قیامت میں ہم انہیں سے سوال کریں گے کہ کیا رسولوں نے دعوت الہی تم تک پہنچائی یا نہیں؟ اور اسی طرح انبیاء سے پوچھیں گے کہ کیا دین خدا اپنی امتوں تک پہنچایا ہے یا نہیں؟

انبیاء اور امتوں سے پوچھ پگچھ

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام ایک حدیث میں قیامت میں لوگوں کے حالات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فيقام الرسل فيسألون عن تأدية الرسالات التي حملوها الى امهم
فاخبروا انهم قد ادوا ذلك الى امهم وتسلل الامم فيجحدون فيقولون
ما جاءنا من بشير ولا نذير۔

[۱] الاعراف - ۶

[۲] تفسیر صافی، ص ۱۲۱

پھر رسولوں کو ٹھہرایا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا: کیا جس رسالت الہی کے تم حامل تھے اسے تم نے اپنی امتوں تک پہنچایا؟ وہ ہاں میں جواب دیں گے اور کہیں گے: جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی تھی، ہم نے اسے انجام دیا۔ پھر امتوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ جواب میں انکار کریں گی اور کہیں گی کہ ہمیں دعوت دینے کے لئے کوئی بشارت دینے والا آیا تھا نہ کوئی ڈرانے والا۔

مشرکین کی جھوٹی قسمیں

قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَائِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتِنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٣٣﴾
أَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٤﴾^[۱]

جس دن تمام انسانوں کو اکٹھا کیا جائے گا پھر ہم مشرکین سے کہیں گے: جنہیں تم نے خدا کا شریک قرار دیا تھا تمہارے وہ معبود کہاں ہیں؟ جواب میں ان کے پاس کوئی بہانہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں: اس خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ اے رسول! دیکھو، یہ کیسے اپنے رب کو جھٹلا رہے ہیں اور اپنے رب سے شرک کو بھلا رہے ہیں جو ذاتِ اقدس پر بہتان ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾^[۲]

اللہ کے دشمنوں کو آگ کے قریب لایا جائے گا۔ اس وقت ان کے کان، آنکھیں اور بدن کی جلد دنیا میں انجام دیئے گئے ان کے برے اعمال کی گواہی دیں گے۔

[۱] الانعام - ۲۲، ۲۳

[۲] حم سجدہ - ۲۰

گناہگار اور فرشتوں کی گواہی کا جھٹلانا

حدیث میں آیا ہے:

انہا نزلت فی قوم تعرض علیہم اعمالہم فینکرونها فیقولون ما عملنا شیئاً منها فتشهد علیہم الملائکۃ الذین کتبوا علیہم اعمالہم قال الصادق علیہ السلام فیقولون للہ یارب ہؤلاء ملکک یشہدون لک ثم یحلفون باللہ ما فعلوا من ذلک شیئاً وهو قول اللہ عزوجل ”یوم یبعثہم اللہ جمیعاً فیحلفون لہ کہا یحلفون لکم۔ المجادلہ ۱۸“ وہم الذین عصوا امیر المؤمنین فعند ذلک یختم اللہ علی السنتم وتنتطق جوارحہم فیشهد السبع بما سمع مما حرم اللہ ویشهد البصر بما نظر الی ما حرم اللہ وتشهد البدان بما اخذتا وتشهد الرجلان بما سعتا فیما حرم اللہ وتشهد الفرج بما ارتکب مما حرم اللہ۔ [۱]

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کے اعمال کو ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ انکار کریں گے اور کہیں گے: ہم نے ان میں سے ایک بھی انجام نہیں دیا۔ اس وقت دنیا میں اعمال لکھنے والے فرشتے ان کے خلاف گواہی دیں گے اور ان اعمال کو ان کے لئے ثابت کریں گے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: گناہگار کہیں گے: پروردگار! یہ تمہارے فرشتے ہیں اور تمہاری طرف سے مامور تھے یہ تمہارے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے: ہم ان اعمال کے مرتکب نہیں ہوئے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ وہی بات ہے جس کی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے ”جس دن اللہ کے حکم سے اٹھائے جائیں گے اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسا کہ دنیا میں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے تھے“ اور اس گروہ میں وہ افراد بھی ہوں گے جنہوں نے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی طرف گناہ اور ظلم کی نسبت دی ہوگی ان کی جھوٹی قسموں کے بعد

اللہ تعالیٰ ان کے منہ بند کر دے گا اور ان کے اعضاء و جوارح کو بولنے کا حکم دے گا۔ اس وقت کان ان چیزوں کے بارے میں جن کا سننا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور کانوں نے اسے سنا ہوگا، گواہی دیں گے۔ آنکھیں اس چیز کی گواہی دیں گے جن کا دیکھنا گناہ تھا اور انہوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہوگا، ہاتھ اور اسی طرح پاؤں جن محرمات کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور ان کی گواہی دیں گے اور آخر میں ان کی شرمگاہوں نے جن گناہوں کی ارتکاب کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گی۔

گناہگاروں کے اعضاء کی شہادت

شاعر نے اس حدیث کے مفہوم کو شعروں کی صورت میں یوں بیان کیا ہے:

روز	محشر	ہر	نہان	پیدا	شود
ہم	ز	خود	ہر	مجری	رسوا
دست	و	پا	بدہد	گواہی	با
برفساد	اوبہ	پیش	مستعان		
دست	گوید	من	چنین	دزدیدہ	ام
لب	بگوید	من	چنین	بوسیدہ	ام
ہاتھ	کہے	گا	میں	نے	یوں
لب	کہے	گا	میں	نے	یوں
پای	گوید	من	شد	ستم	تا
فرج	گوید	من	بکر	و	ستم
چشم	گوید	غزہ	کرد	ستم	حرام
گوش	گوید	چیدہ	ام	سوء	الکلام
پس	دروغ	آمد	ز	سرتاپای	خویش
چون	گواہی	مید	ہد	اعضاء	زپیش

مجرموں کا اپنے جوارح پر اعتراض

حضرت علی علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

یعنی بالجلود الفروج۔^[۱]

اس آیت میں ”جلود“ سے مراد گناہگاروں کی شرمگاہیں ہیں۔

جب گناہگاروں کے اعضا و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے وہ سخت پریشان ہوں گے اور گویا سب سے زیادہ اپنی شرمگاہوں کی گواہی سے شرمندہ اور پریشان ہوں گے۔ اسی لئے جب اعضا و جوارح کی گواہی ختم ہو جائے گی تو ان کے لبوں پر سے مہر سکوت توڑ دی جائے گی۔ وہ پہلی بار اپنی شرمگاہوں سے بات کریں گے جو ان کی رسوائی کا موجب بنی ہوں گی۔

مجرموں کو اعضاء کا جواب

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

وَقَالُوا الْجُلُودُ دِهِمُ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۗ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

[۲]

وہ اپنی شرمگاہوں سے کہیں گے: تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی ہے؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں

اللہ نے بات کرنے کی قوت عطا کی ہے آج اس کے حکم سے سب چیزیں بولیں گی۔

مختصر یہ کہ مجرم افراد قیامت کی عدالت میں دنیا کی عدالتوں کی طرح عمل کریں گے۔ جھوٹ بولیں گے، اپنے جرم سے انکار کریں گے، اپنے آپ کو بے گناہ قرار دیں گے اور اپنی خلاف حقیقت باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ عذاب الہی سے نجات پاسکیں۔ لیکن ان کی یہ جھوٹی باتیں بے فائدہ ہوں گی کیونکہ ناقابل انکار گواہ ان کے جرائم پر شہادت دیں گے اور ان کے جرائم پایہ ثبوت کو پہنچ جائیں گی۔

جیسا کہ اس کتاب کے تیسرے مقالے کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے قرآن کریم چند آیات میں یاد دلاتا ہے کہ اہل محشر کی نظروں میں دنیاوی عمر اس قدر کم اور کوتاہ مدت نظر آئے گی گویا وہ ایک گھڑی قیام کے مسئلے کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس آیت اور تیسرے مقالے میں مذکورہ آیات میں چند لحاظ سے فرق ہے۔

[۱] تفسیر صافی، ص ۶۷۲

[۲] حم سجدہ۔ ۲۱

جھوٹے افراد دنیا اور آخرت میں

ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ لَمَّا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ ﴿١﴾

قیامت کے دن گناہگار قسمیں کھائیں گے کہ انہوں نے دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ انہوں نے جس طرح دنیا میں حق کے راستے سے انحراف کیا اور جھوٹ بولا اور آخرت میں بھی جھوٹ بولیں گے اور اپنی غلط باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ صاحبان علم و ایمان ان سے کہیں گے: دنیا اور برزخ میں تمہارا قیام تقدیر الہی کے مطابق روز بعثت تک تھا اور اب وہ دوبارہ اٹھنے کا دن آن پہنچا ہے۔ لیکن تم اس سے ناگاہ تھے۔

آیات قبل میں دنیا کے مختصر قیام کو ”کان“ اور ”کانہم“ کے کلمات کے ساتھ ان معنوں میں بیان کیا گیا ہے کہ گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ لیکن اس آیت میں مجرم لوگ ایک گھڑی کے قیام کو ایک حقیقی اور ناقابل تردید امر کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ پہلے والی آیات میں گھڑی بھر قیام کے ذکر کے بعد قسم نہیں کھائی گئی۔ لیکن اس آیت میں گناہگار اپنے ایک گھڑی کے قیام کو ثابت کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایسی بات کرنے والوں کو انحراف اور جھوٹ کی نسبت نہیں دیتا لیکن اس آیت میں مجرموں کی باتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ گفتگو فرماتا ہے۔

شاید گناہگاروں کا دنیا میں گھڑی بھر قیام کے بارے میں قسمیں کھانا اور جھوٹ بولنا، امتوں کا انبیاء کی دعوت کے جھٹلانے کی طرح ہو۔ جیسے مشرکین کا اپنے شرک کی نفی پر قسمیں کھانا اور گناہگاروں کی طرف سے فرشتوں کی گواہی کو جھٹلانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح امتیں پیغمبروں کی دعوت اور تبلیغ کے جھٹلانے سے، مشرکین نفی شرک پر قسمیں کھانے سے، گناہگار فرشتوں کی تکذیب کرنے سے اپنی بے گناہی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی طرح یہ گروہ بھی قسمیں کھائے گا کہ ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اور یہ قلیل مدت ان سب گناہوں کے لئے ظرف زمانی نہیں ہو سکتی۔ لہذا جو جرائم اور زیادتیاں ہمارے نامہ اعمال میں لکھی گئی ہیں ہم ان سے پاک اور بے گناہ ہیں۔ لیکن علم و ایمان رکھنے والے اشخاص ان سے

کہیں گے: اللہ کی قضاء اور تقدیر سے دنیا میں تمہاری کافی عمر تھی اور تم ان اعمال کے مرتکب ہوئے ہو۔ دنیا کی عدالتیں ابتداء میں واقعے سے بے خبر ہوتی ہیں وہ ظالم اور مجرم کو نہیں جانتیں۔ جرم کے وقوع پذیر ہونے کی کیفیت سے آگاہی نہیں رکھتیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجرم کے اعتراف یا گواہوں کی شہادت یا ضروری تفتیش اور تحقیقات کے ذریعے تدریجاً وقوع کی تک پہنچیں۔ لیکن قیامت کی عدالت کا قاضی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے وہ تمام حقائق سے آگاہ ہے، اس کے لئے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے وہ خود لوگوں کے تمام اچھے اور برے اعمال کا مشاہد اور ناظر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن شریف نے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کو شاہد اور شہید کے نام سے یاد کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا ﴿۱﴾

اے رسول! تم چاہو اسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی بھی آیت تلاوت کرتے ہو تم اور تمہارے پیروکار جو بھی عمل انجام دیتے ہیں ہم تم پر شاہد اور گواہ ہیں۔

شاہد گناہ خود روزِ جزا کا قاضی ہے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے

اتقوا معاصی اللہ فی الخلوٰت فان الشاہد هو الحاکم۔ ﴿۲﴾

اپنی خلوتوں میں بھی گناہوں سے پرہیز کرو کیونکہ ان پر گواہ اور نگران وہ ذات ہے جو قیامت میں خود حاکم ہے۔

اس کے باوجود کہ ذاتِ حق تعالیٰ لوگوں کی رفتار اور گفتار پر شاہد ہے اور ان کے تمام اچھے برے ظاہری یا مخفی اعمال سے آگاہ ہے۔ لیکن اس کی حکیمانہ مشیت کی بنیاد اس پر ہے کہ قیامت میں لوگوں کا حساب و کتاب، نامہ اعمال اور گواہوں کی گواہی کے معیار پر کیا جائے اور ناقابل انکار ادلہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر کیا جائے۔ جب کسی گناہگار کا جرم ثابت ہو جائے گا اور اس کی سزا قطعی ہو جائے گی اس وقت اگر عفو الہی اس کے شامل حال ہو تو اس کی سزا معاف ہو جائے گی اور عفو الہی اس کے

﴿۱﴾ یونس۔ ۶۱

﴿۲﴾ فہرست غرہ ص ۱۲۸

شامل حال نہ ہو تو وہ اپنی سزا بھگتے گا لیکن اسے یہ سزا عدل و انصاف، حق اور استحقاق کے ساتھ دی جائے گی اور اس پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوگا۔

امتوں اور افراد کے درمیان مشترکات

روزِ حشر کے گواہ: جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ امتیں افراد کی طرح جداگانہ شخصیت کی مالک ہیں۔ دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشترک ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ دنیا میں انفرادی حیات اور امت کی حیات، فرد کی اجل اور امت کی اجل، فرد کی موت اور امت کی موت، فرد کی ہلاکت اور امت کی تباہی، فرد کی تباہی اور امت کی نابودی، فرد کے جرائم اور امت کے جرائم وغیرہ اور آخرت میں فرد کی مسؤلیت اور امت کی مسؤلیت، فرد کا محاسبہ اور امت کا محاسبہ، انفرادی نامہ عمل اور اجتماعی نامہ عمل وغیرہ۔ ان دو کے درمیان مشترک امور میں سے ایک شاہد ہے جو عرصہ محشر میں فرد اور امت پر گواہی دے گا۔

قیامت میں امتوں کا گواہ

امتوں کا گواہ:

قرآن فرماتا ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۳﴾ [۱]

قیامت کے دن حکم الہی سے ہر امت میں سے ایک گواہ لایا جائے گا اس کے بعد اس امت کے کافر نہ عذرخواہی کر سکیں گے اور نہ رضائے الہی کی طرف لوٹ جانے کی طاقت رکھتے ہوں گے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لکل زمان و امة امام تبعث کل امة مع امامها۔ [۲]

ہر زمانے اور ہر امت کے لئے پیشوا اور امام ہے اور قیامت کے دن ہر امت اپنے امام کے ساتھ اٹھائی جائے گی۔

[۱] النحل۔ ۸۳

[۲] تفسیر مجمع البیان، ج ۵، ص ۶۵، ۸۷۔ ۳

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿١١﴾

پس کافروں اور گناہگاروں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت پر ایک گواہ عرصہ محشر میں لائیں گے اور تمہیں بھی ان سب پر گواہ کی حیثیت میں طلب کریں گے۔

امت اسلام کا گواہ

بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں ”ہولاء“ سے مراد رسول اکرم کی امت ہے۔ یعنی نبی اکرم قیامت کے روز دوسرے انبیاء الہی کی طرح اپنی امت اور قوم کے شاہد و گواہ ہوں گے اور اس بات کا اعلان ایک طرف تو لوگوں کو اس دن کی اہمیت اور عظمت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور دوسری طرف انہیں اپنے فرائض پہنچانے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ قیامت کے میدان میں اتنے بڑے مجمع کے سامنے انہیں شرمندگی اور رسوائی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے فرمایا:

اقراء علی قلت یا رسول اللہ اقراء علیک وعلیک انزل؛ قال نعم احب ان اسمعه من غیری فقرأت سورة النساء حتی اتیت الی هذه الایة ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿١١﴾“ فقال: حسب الان فاذا عينه تذر فان. ﴿٢﴾

میرے لئے قرآن پڑھو۔ میں نے عرض کی آپ کے لئے قرآن پڑھوں جب کہ یہ کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے؟ آنحضرت نے فرمایا: ہاں پڑھو۔ میں قرآن کو دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ ابن مسعود کہتے ہیں: میں نے سورہ نساء کو پڑھنا شروع کیا۔ جب اس آیت پر پہنچا کہ ارشاد ہوتا ہے: جب ہم ہر امت پر گواہ لائیں گے تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا اور آپ کو بھی ان پر بطور گواہ لائیں گے۔ اس کی تلاوت کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: کافی ہے جب میں نے آنحضرت کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

﴿١﴾ النساء- ٢١

﴿٢﴾ تفسیر المنار، ج ٥ ص ١١٠

شیخ طبری مرحوم تفسیر مجمع البیان میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے بعد یوں کہتے ہیں:

فاذا كان الشاهد تفيض عيناه لهول هذه المقالة وعظم هذه الحالة فماذا

العبرى ينبغى ان يصنع المشهود عليه. [۱]

جب رسول اللہؐ جو خود قیامت کے گواہ ہیں، اس بات کی ہیبت اور اس حالت کی عظمت کی وجہ سے رو پڑتے ہیں تو آنحضرتؐ کی امت جن پر آپ گواہ ہیں، کو کیا کرنا چاہیے۔ اور اسے کون سا عمل بجالانا چاہیے۔

آئمتہ امت پر گواہ اور پیغمبر آئمتہ پر گواہ

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

في قول الله عز وجل «فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ...» قال: نزلت في

امة محمد خاصة في كل قرن منهم امام منا شاهد عليهم و محمد صلى الله

عليه واله في كل قرن شاهد علينا. [۲]

یہ آیت امت محمدؐ سے مخصوص ہے۔ ہر زمانے اور ہر صدی میں اس امت پر ہمارے خاندان میں سے برگزیدہ امام و پیشوا گواہ ہے اور ہم پر ہر زمانے میں رسول اکرمؐ گواہ ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امیر المؤمنین علیہ السلام سے ایک حدیث سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول قیامت میں اپنی امتوں پر گواہ ہیں اور رسول اکرمؐ ان گواہوں پر گواہ ہیں۔ روز محشر انبیاء سے پوچھا جائے گا: کیا تم نے اپنی ذمہ داری کو انجام دیا ہے اور دین الہی کو لوگوں تک پہنچایا ہے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں ہم نے پہنچایا ہے۔ امتیں نبیوں کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی: ایسا نہیں ہے۔ ہمیں تو ڈرانے اور بشارت دینے والے نہیں آئے تھے۔

رسولوں کا پیغمبر اکرمؐ سے گواہی چاہنا

پھر آپؐ فرماتے ہیں:

[۱] مجمع البیان، ج ۲، ص ۴۹

[۲] کافی، ج اول، ص ۱۹۰

فَيَسْتَشْهَدُ الرَّسُولَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَيَشْهَدُ بِصَدَقِ الرَّسُولِ
وَيَكْذِبُ مَنْ جَدَّهَا مِنْ الْأُمَّةِ فَيَقُولُ لِكُلِّ أُمَّةٍ مِنْهُمْ بَلِيٌّ قَدْ جَاءَ كَمَا بَشَّرَ
وَنَذِيرٌ. [۱]

انبیاء الہی اپنی بات کی سچائی پر نبی اکرمؐ سے گواہی چاہیں گے اور رسول اللہ ان کی بات کی صداقت کی
گواہی دیں گے اور انکار ائمہ کی تکذیب کریں گے اور ہر امت سے فرمائیں گے: ہاں اللہ تعالیٰ کی
طرف سے تمہارے لئے بشیر اور نذیر آیا تھا۔

قرآن شریف میں قیامت میں امتوں کے گواہوں کے بارے میں اور آیات بھی ذکر ہوئی ہیں۔ یہاں جو کچھ
بیان کیا گیا ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

افراد پر گواہ

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے قیامت میں انسان کا ہر عضو اس کے حق یا اس کے برخلاف بولے گا اور اس کے
کاموں کی گواہی دے گا۔ اسی طرح دوسرے گواہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے انسانوں کے اچھے اور برے اعمال کے بارے
میں شہادت دیں گے اور ان کی جزا و سزا کی راہ ہموار کریں گے۔ یہاں پر قارئین کی مزید اطلاع کے لئے ان میں سے بعض
کے بارے میں کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

فرشتوں کی گواہی

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمَ الْوَعْدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ
وَشَهِيدٌ ۝ [۲]

اور صور پھونکا جائے گا اور بروں کے عذاب کا دن آن پہنچے گا، اس دن ہر انسان کے ساتھ دو
فرشتے ہوں گے ایک فرشتہ عرصہ محشر میں اس کی راہنمائی کرے گا اور دوسرا اس کے کئے گئے
اعمال پر گواہ ہوگا۔

[۱] تفسیر صافی، ص ۱۲۱

[۲] ق۔ ۲۱، ۲۰

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

سائق يسوقها الى محشرها وشاهد يشهد عليها بعملها. [۱]

اس کے ہمراہ ایک سائق ہوگا جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اعمال کے بارے میں شہادت دے گا۔

زمین کی گواہی

يَوْمَ مَبْنِي تَحْدِثُ اَخْبَارَهَا ﴿۱﴾ يَا اَنْ رَبَّكَ اَوْحَى لَهَا ﴿۲﴾

قیامت کے دن زمین بول پڑے گی اور اپنی خبریں بیان کرے گی اور یہ کام وحی الہی کی وجہ سے انجام پائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے سورۃ ”اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾“ کی زمین کی خبریں دینے کی آیت یعنی ”يَوْمَ مَبْنِي تَحْدِثُ اَخْبَارَهَا ﴿۱﴾“ تک تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا، قیامت کے دن زمین کی خبر ہر اس عمل سے آگاہ کرنا اور اس کا اعلان کرنا ہے جو اس کی پشت پر انجام پایا ہوگا۔

شاعر اسی بات کو یوں بیان کرتا ہے:

چون	قیامت	زگرد	راہ	رسد
روز	”ما“	قدمت	یادہ“	رسد
کرہ	خاکی	زمین	بہ	یقین
متبدل	شود	بغیر	زمین	
چہ	خبر ہا	و	راز	ہای
میکند	باز	بان	خویش	بیان
ہست	مینای	من	در	این
نص	”یوم“	تحدث	اخبار“	

[۱] نوح البلاغہ۔ خطبہ ۵۸

[۲] الزلزال۔ ۵۰۴

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ قیامت کی کامل زمین اللہ تعالیٰ کی تکوینی وحی سے روزِ محشر بول پڑے، گواہی دے اور لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کی شہادت دے۔ شاید اسی دنیا کی زمین میں اور اسی کی بے جان خاک و گل کی گہرائیوں میں ہمارے اعمال ریکارڈ ہو رہے ہوں۔ ہمیں خبر بھی نہ ہو اور ہمارے تمام اعمال اور تمام باتیں ایک نامعلوم اور مجہول کیفیت کے ساتھ محفوظ رہیں اور مستقبل میں سائنس کی ترقی کے باعث ان کا انکشاف ہو جائے اور بعد والی نسلوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔ کتاب ”راہ طے شدہ“ کے صفحہ ۱۲۴ پر تحریر ہے کہ:

کوزہ اور کوزہ گر کی صدا

”دو سال پہلے تہران کے اخبارات میں سے کسی ایک نے غیر ملکی رسائل کے ایک مقالے کا ترجمہ شائع کیا جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ امریکہ کے چند سائنسدان قدیم مصر کے کوزہ گران کے گانے کی آواز کو ظاہر کرنے کے لئے دہرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے میوزیم میں یادگار کے طور پر رکھے ہوئے کوزوں کو گرامافون کی طرح کی چیز پر رکھا اور اسی ترتیب کے ساتھ یعنی جیسے مٹی کے خمیر کو کوزہ گر اپنے پیہیہ پر رکھتا ہے اور اسے پاؤں سے چلاتا ہے اور ایک لکڑی کے ٹکڑے کی مدد سے مطلوبہ شکل میں اسے لے آتا ہے وہ اسی طرح گردش میں لے آئے۔“

مذکورہ کتاب میں مزید لکھا ہے کہ:

”اس زمانے میں جب کوزہ گر اپنی دکان کے گوشہ خلوت میں اپنے کام میں مشغول ہوتا تھا تو وہ گنگنا تار ہتا تھا اور کوزوں کو گھماتا رہتا تھا وہ کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کی آواز کا ارتاش لکڑی کے تختے کے ذریعے سے، جو اس کے ہاتھ میں ہے اور کوزے کی مٹی کو تراشتا ہے، غیر مرئی اور نازک خطوط کوزے پر بنا رہا ہے، ایسے خطوط جو دو ہزار سال بعد امریکی تجربہ گاہ میں بول پڑیں گے اور اسی کے جملوں کو دہرائیں گے۔“

مختصر یہ کہ زمین قیامت میں انسانوں پر ایک گواہ ہوگی۔ لوگ زمین کی جس جگہ پر اچھا عمل بجالائیں یا گناہ و معصیت کا ارتکاب کریں وہ جگہ روزِ حساب اس کے اچھے یا برے عمل کی گواہی دے گی۔ اسی لئے بعض احادیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے کہ مومنین مساجد کی مختلف جگہوں پر نماز ادا کریں کیونکہ قیامت میں ہر جگہ نمازی کی عبادت کی گواہی دے گی۔

نمازی کے لئے مسجد کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

صلوا المساجد في بقاع مختلفة فان كل بقعة تشهد للمصلي عليها يوم

القيمة. [۱]

مساجد کے مختلف مقامات پر نماز پڑھو کیونکہ ہر مقام جس نے وہاں پر نماز پڑھی ہو، کے حق میں روزِ جزا گواہی دے گا۔

روایت کی گئی ہے کہ:

وكان امير المؤمنين عليه السلام اذا فرغ بيت المال صلى فيه ركعتين

ويقول اشهدى اني ملأتك بحق وفرغتك بحق. [۲]

جب امیر المؤمنین علیہ السلام بیت المال میں موجود تمام اموال کو مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خزانہ خالی ہو جاتی تھا تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور بیت المال والی زمین سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ قیامت کے دن گواہی دینا کہ میں نے حق کے ساتھ تجھ پر اموال کو جمع کیا ہے اور حق کے ساتھ تقسیم کیا ہے۔

دنوں کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما من يوم يمر على ابن ادم الا قال له ذلك اليوم يا بن ادم انا يوم جديد

وانا عليك شهيد فقل في خيرا وعمل في خيرا اشهدك يوم القيامة. [۳]

ہر آنے والا دن انسان سے کہتا ہے: میں ایک نیا دن ہوں اور تیرے اور تیرے اعمال پر گواہ ہوں، میرے اندر نیکی اور اچھائی کی بات کرو اور پاکیزگی اور نیکی کا عمل کرو، میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا۔

ایک حدیث میں ہے:

[۱] لئالی الاخبار، ص ۴۶۲

[۲] لئالی الاخبار، ص ۴۶۲

[۳] سفینہ، ج ۲ (یوم) ص ۷۳۹

سید الايام يوم الجمعة هو شاهد لمن حضر صلاته. [۱]

دنوں کا سردار جمعہ ہے اور وہ اس دن نماز جمعہ میں حاضر ہونے والوں کی گواہی دے گا۔

نعمتوں کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

احسنوا صحبة النعم قبل فراقها فانها تزول وتشهد على صاحبها بما عمل

فیہا۔ [۲]

جو نعمتیں تمہیں عطا کی گئی ہیں، ان کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے چلی جائیں اور تمہیں چھوڑ دیں، کیونکہ نعمت بہر حال زائل ہو جائے گی لیکن وہ گواہی دے گی کہ صاحب نعمت کا عمل کیسا تھا اور اس نے اس سے کیا سلوک روا رکھا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص شکر گزار نعمت ہے اور الہی عطیات کو اس کی رضا کے مطابق صحیح راستوں پر بروئے کار لاتا ہے وہ نعمت کا اچھا ساتھی ہے اور جو شخص نعمت سے سوائے استفادہ کرتا ہے اور اسے غلط اور گناہ کے راستوں پر استعمال کرتا ہے اور عملی طور پر اس کا کفران کرتا ہے وہ نعمت کا برا ساتھی ہے۔

صاحبانِ نعمت کو کفران پر اکسانے والے اور انہیں راہِ حق و فضیلت سے منحرف کرنے والے عوامل میں سے ایک غرور اور خود پسندی ہے۔ اس بات کا اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ دراز مدت تک متوسط زندگی گزارنے والے افراد اخلاقی لحاظ سے متواضع اور مؤدب ہوتے ہیں لیکن جو نبی انہیں کوئی نعمت ملتی ہے مثلاً وہ کسی عہدے پر فائز ہوں گے، کسی طاقت کے حامل ہو گئے اور کہیں سے مال و ثروت انہیں مل گیا تو وہ اخلاقِ فساد کے مرتکب ہو گئے اور وہ غرور و نخوت میں مبتلا ہو گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مظلوموں کے کام آئیں، اپنی طاقت کو کمزوروں اور محروموں کی حمایت کے لئے بروئے کار لائیں اور اپنی دولت سے ضرورت مندوں کی مدد کریں اور اپنے مقام و ثروت کی نعمت سے مظلوموں، کمزوروں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچائیں۔ ان کی تحقیر اور اہانت کرتے ہیں اور اپنے غرور آمیز اور متکبرانہ رویے سے ان کے غم و اندوہ میں اضافے اور ان کی مصیبت میں زیادتی کا باعث بنتے ہیں۔

[۱] لسان العرب (شہد)

[۲] مکرم الاخلاق، ص ۷۷

صاحبانِ نعمت اگر حق نعمت ادا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ غرور کی بیماری میں مبتلا نہ ہوں اور سعی و مجاہدہ کے ذریعے خود سازی کریں، ہمیشہ متواضع اور مؤدب رہیں، اللہ کے بندوں کا احترام کریں اور جتنا نعمت میں اضافہ ہو اس قدر ان کی فروتنی اور تواضع میں بھی اضافہ ہو۔ اسی بات کی امام سجاد علیہ السلام نے دعائے مکارم الاخلاق میں اللہ کے دربار میں درخواست کی ہے:

وہب لی معالی الاخلاق واعصنی من الفجر اللهم صل علی محمد والہ ولا

ترفعنی فی الناس درجۃ الاحططتی عند نفسی مثلہا ولا تحدث لی عزا

ظاہر الاحدثت لی ذلۃ باطنۃ عند نفسی بقدرہا۔^[۱]

میرے خدا! مجھے مکارم اخلاق اور اعلیٰ انسانی صفات عطا فرما اور غرور اور لوگوں کے درمیان فخر و مباہات کرنے سے محفوظ رکھ۔ اے پروردگار! محمد و آل محمد پر درود بھیج۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے درجات کو تو جتنا بھی بلند کرے اسی قدر مجھے اپنے آپ کے سامنے ذلیل کر دے۔ ظاہری طور پر جس قدر عزت و احترام مجھے عطا فرما مگر یہ کہ باطنی طور پر اسی قدر فروتنی میری روح میں پیدا فرما۔

[۱] صحیفہ سجادیہ، دعاء ۲۰، ص ۱۰۰

باب نمبر 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذٰلِکُمْ ظُلْمُکُمْ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَزْدٰکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

(سورہ حم سجدہ آیہ ۲۳)

قیامت اور احکام الہی

قیامت کبریٰ اللہ کے تغیر ناپذیر وعدے کے مطابق برپا ہوگی۔ اولین و آخرین مخلوق قادر مطلق کے حکم سے دوبارہ زندگی پائے گی۔ عدالت الہی اللہ کی مطلق اور بے قید و شرط حاکمیت کے تحت برپا ہوگی اور اللہ تعالیٰ بہشتیوں اور دوزخیوں کے بارے میں اپنے آخری فیصلے سنائے گا اور ان کا اجراء ہو جائے گا۔ پہلے والی فصل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق قیامت کے روز ظلم و جور سازش و گروہ بندی، دھمکی، لالچ اور حقوق کی پامالی کا تصور نہیں ہے۔ روز جزا ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اہل محشر کے لئے صادر ہونے والے تمام فیصلہ جات اس کی دو صفتوں میں سے ایک پر مبنی ہوں گے یا تو عدل و انصاف کی اساس پر نامہ عمل کے مفادیم کے مطابق فیصلے صادر ہوں گے یا تفضل اور رحمت کے تقاضوں کے مطابق عفو و مغفرت کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔

عدل الہی اور باریک حساب

عدل و انصاف کے حوالے سے ایک انسان کے زندگی میں انجام دیئے گئے تمام اچھے اور برے اعمال جو اس کے نامہ عمل میں درج ہوئے ہیں، کا بہت باریک بینی سے حساب لیا جائے گا اور ان کی تمام جزئیات کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد جو کچھ دفتر عمل میں موجود ہے اس کے مطابق صاحب عمل کے بارے میں عادلانہ فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

عفو الہی اور تفضل

عفو و رحمت کے حوالے سے اچھے و برے اعمال کی چھان بین اور حساب و کتاب اور نامہ عمل کی جزئیات کی جانچ پڑتال کی بات نہیں ہے۔ یہاں پر مغفرت اور بخشش کا تذکرہ ہے خدا کے تفضل اور رحمت کی بات ہے ایسی رحمت جو قیامت میں ہر جگہ سایہ فگن ہوگی اور فضل و رحمت کے لائق تمام انسانوں کو اپنے زیر سایہ لے لے گی۔ ایسی رحمت جس کی وسعت اس

قدر ہے کہ درگاہِ الہی سے راندہ افراد بھی اس کی طرف امید کی نظروں سے دیکھیں گے
امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اذا كان يوم القيامة نشر الله تبارك و تعالیٰ رحمته حتى يطبع ابليس في
رحمته. [۱]

جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو اتنا وسیع کر دے گا کہ شیطان بھی اس کی رحمت
کا لالچ کرے گا۔

حضرت باری تعالیٰ کے فضل و رحمت کی طرف توجہ با ایمان شخص کو عذابِ قیامت سے نجات کی امید دلاتی ہے اور
اسے غفور و بخشنش کی نوید دیتی ہے اور خداوند قدوس کے عدل و انصاف کی طرف توجہ ایک حقیقی مومن کے لئے عذابِ قیامت
سے خوف کا موجب ہے اور اسے اپنی لغزشوں اور گناہوں پر پریشانی اور خوف سے دوچار کر دیتی ہے۔ ان دو حالتوں کا
با ایمان افراد کے دل میں ہونا ضروری ہے یعنی وہ رحمتِ الہی کے امیدوار بھی ہوں اور اس کے عذاب سے خائف بھی۔

فضل و رحمت کی امید اور عدل سے ڈر

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

بسم الله الذي لا ارجوا الا فضله ولا اخشى الا عدله. [۲]

اس اللہ کے نام سے کہ جس کے فضل کے سوا مجھے کسی سے امید نہیں اور جس کے عدل کے سوا مجھے کسی کا
ڈر نہیں۔

روز جزا اگر افراد پر اللہ کا فضل واقع ہو جائے اور حضرت حق کی غفور و بخشنش ان کے شامل حال ہو جائے تو وہ آسانی
کے ساتھ قیامت کی سختیوں سے نجات پالیں گے اور بہشت جاوید میں ان کا قیام ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے اللہ کی رحمت اور مہربانی
کے حوالے سے ایک چھوٹی سی دستاویز کی وجہ سے بڑی بڑی لغزشوں سے صرف نظر کر لیا جائے اور گناہ کا پہاڑ عمل صالح کے
تنگے کی وجہ سے بچشٹا جائے اور گناہگار کو سزا اور عقاب سے معافی دلادے۔ اس بارے میں ہادیانِ دین کی روایات میں بہت
سی مثالیں ملتی ہیں۔

[۱] امالی صدوق، ص ۱۲۳

[۲] صحیفہ سجادیه، دعا یوم الاحد

غریب مقروضوں سے حسن سلوک کا اثر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حوسب رجل من كان قبلكم فلم يجد له من الخير شئ الا انه كان رجلا
موسرا وكان يخالط الناس وكان يأمر غلبانه وان يتجاوزوا عن المعسر
فقال الله تبارك وتعالى نحن احق بذلك منه تجاوزا عنه. [۱]

گذشتہ امتوں میں سے ایک مالدار اور قدرت مند شخص سے دربار الہی میں حساب و کتاب لیا جائے گا۔ اس کے نامہ عمل میں کوئی نیک کام نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ اپنے معاملات اور لین دین میں غریب اور فقیر لوگوں کا خیال رکھتا تھا اور اس نے اپنے کارندوں سے بھی کہہ رہا تھا کہ اکثر کچھ افراد میرے مقروض ہوں اور وہ غریب اور تہی دس ہوں تو ان سے قرض کا مطالبہ نہ کریں اور انکے حساب سے چشم پوشی سے کام لیں کیونکہ ان کے ہاتھ دنیا کے مال سے خالی ہیں ان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے وہ اپنے قرض کو ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں غریبوں اور تہی دستوں کو مہلت دینے اور چھوٹ دینے میں اس شخص سے زیادہ سزاوار ہوں۔ وہ فرشتوں اور مامورین حساب سے فرمائے گا: اس سے درگزر کرو۔ یعنی اس وقت یہ شخص خالی ہاتھ مقام حساب و کتاب پر کھڑا ہے اور اعمال صالح نہیں رکھتا۔ لہذا یہ سزاوار ہے کہ عفو و بخشش کا مستحق قرار پائے۔

انسان فضل الہی کا محتاج ہے

اگر خداوند تعالیٰ چاہے کہ لوگوں سے عدل و انصاف کی بنیاد پر سلوک کرے اور پوری زندگی کے دوران میں ان کے نامہ اعمال میں لکھی گئی تمام کاموں کی جزئیات کا دقیق حساب لے تو وہ ہرگز عذاب سے نجات نہیں پائیں گے اور فلاح و سعادت حاصل نہ کر سکیں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک انسان حتی المقدور اپنی رفتار اور گفتار میں شریعت کا لحاظ رکھے۔ ساری زندگی کسی غلطی اور لغزش کے بغیر گزار دے اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور بخشش سے بے نیاز ہو؟ قرآن شریف اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا لَكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا [۲]
اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شامل حال نہ ہو تو تم میں سے کوئی بھی پاکیزگی اور سعادت نہیں پاسکتا۔

[۱] مجموعہ درام، ج ۱ ص ۸

[۲] النور۔ ۲۱

صحیفہ سجادیه کی دعا

امام زین العابدین علیہ السلام خدا کے عفو اور عدل کے بارے میں دعا اور تضرع کی زبان میں دربار الہی میں یوں کہتے ہیں:

اللهم ان تعف عنا فبفضلك وان تشاء تعذبنا فبعذلك فسهل لنا عفوك
بمنك واجرنا من عذابك بتجاوزك فانه لا طاقة لنا بعذلك ولا نجاة لأحد
منا دون عفوك. [۱]

بار الہا! اگر تو چاہے تو ہمیں اپنے فضل و کرم کے ذریعے بخش دے اور اگر تو چاہے تو ہمیں اپنے عدل و انصاف کے ذریعے عذاب میں ڈال دے۔ پس ہم پر احسان فرما اور اپنے عفو کو آرام کے ساتھ ہمارے شامل حال فرما اور اپنی بخشش اور مغفرت سے اپنے عذاب سے ہمیں پناہ دے کیونکہ ہم میں تیرے عدل و انصاف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور تیرے درگزر اور عفو کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پاسکے گا۔

ایماندار افراد نہ صرف گناہوں کی بخشش اور مغفرت میں اللہ کی بیکراں رحمت کے محتاج بلکہ بہشت کے اعلیٰ درجات اور رفیع مقامات تک پہنچنے کے لئے بھی اس کے فضل و عنایت کے نیاز مند ہیں اور یہ اللہ کا فرمان ہے جو رسول اکرم کی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

رحمت الہی پر اعتماد

امام محمد باقر علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قال الله تبارك وتعالى: لا يتكل العاملون الى على اعمالهم التي يعملونها
لثوابي فانهم لو اجتهدوا واتعبوا انفسهم اعمارهم في عبادتي كانوا
مقصرين غير بالفين في عبادتهم كنه عبادتي فيما يطلبون عندي من
كرامتي والنعيم في جناتي ورفيع الدرجات العلى في جاري ولكن برحمتي

فلیتقوا وفضلی فلیرجوا والی حسن الظن بی فلیطمأنوا فان رحمتی عند ذلك. [۱]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نیک لوگ جو اچھے اعمال میرا اجر حاصل کرنے کے لئے انجام دیتے ہیں وہ ان پر نکیہ نہ کریں کیونکہ وہ اگر بہت زیادہ کوشش کریں اور ساری زندگی اپنے آپ کو میری عبادت و بندگی کی خاطر سختی اور مشکل میں رکھیں پھر بھی قاصر ہیں اور ان کی عبادت بہشت میں میری نعمتوں، مہربانیوں اور میرے جو ارمیں درجات عالیہ جن کی وہ توقع رکھتے ہیں، کے لئے نارسا ہیں لیکن ان بلند مقامات تک پہنچنے کے لئے میری رحمت پر بھروسہ کر سکتے ہیں، میرے فضل کے امیدوار رہیں اور حسن ظن کے ساتھ مجھ پر اطمینان پیدا کریں بے شک ان شرائط کے ساتھ میری رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔

فیض الہی کے لئے ناقابلیت

مجموعی طور پر آیات اور روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قیامت میں مغفرت الہی تک پہنچنے کے لئے راستے اور طریقے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن خداوند کا فیض صرف ان افراد تک پہنچے گا جو دنیا میں اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، خفیف ہی سہی دل یا زبان یا عمل سے اس سے رابطہ رکھتے ہوں اور راہِ خیر میں انہوں نے کچھ قدم بڑھائے ہوں کیونکہ رحمتِ حق تک پہنچنے کے لئے لیاقت اور قابلیت کی بنیاد دنیا میں ہی رکھنی چاہیے اور اس جہان میں جو دارِ تکلیف ہے، لوگ کچھ نہ کچھ اپنی خود سازی ضرور کریں اور اپنی موت سے قبل فیض الہی کے شامل حال ہونے کے لئے راہِ ہموار کریں۔ ورنہ مادہ پرست، مشرک اور ہٹ دھرم افراد کا قیامت کے دن رونا دھونا اور آہ و فریاد انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی ان کی اپنے گذشتہ کرتوتوں سے اظہارِ ندامت اور عذرخواہی ان کے انجام میں مؤثر نہیں ہوگی اور آنے والے عذاب سے انہیں رہائی نہیں دلا سکے گی۔

فضل الہی صفت کمال

دوسرے الفاظ میں اللہ کا فضل اور رحمت انسان کی مہربانی اور رحم کرنے سے متعدد پہلوؤں سے متفاوت ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کے اندر رقت اور رحمت کا پیدا ہونا ایک جذباتی حالت ہے جو بعض رقت آمیز مناظر دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے۔ عطوفت اور شفقت کی حس انسان میں بیدار

ہو جاتی ہے اور اسے رحم کھانے اور مہربانی پر اکتفا کرتی ہے۔ مثلاً روتی آنکھوں کو دیکھ کر در ماندہ افراد کی آہ و فریاد سن کر، افسردہ اور بے سہارا یتیموں کو دیکھ کر، ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے مجروحین سے ملاقات کر کے مصیبت کے مارے مظلوم لوگوں کو دیکھ کر اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو دیکھ کر انسان میں وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن خداوند مہربان کی رحمت اور فضل جذباتی اور متاثر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ صفت خدا کی صفات کمال میں سے ہے۔ یہ ایسی صفت ہے جو حکیمانہ ارادے سے لائق اور شائستہ افراد کے شامل حال ہوگی اور انہیں ہلاکت و تباہی سے نجات دے گی اور قابلیت نہ رکھنے والے افراد کے شامل حال نہیں ہوگی۔

شاعر کہتا ہے:

رحمتش نی رحمت آدم بود

کہ مزاج رحم آدم غم بود

اس کی رحمت انسان کی رحمت کی طرح نہیں ہے کہ جو انسان کے اندر ہمدردی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

رحمت مخلوق باشد غصہ ناک

رحمت حق از غم و غصہ است پاک

مخلوق کی رحمت جذباتی ہے اور خدا کی رحمت غم و غصہ سے پاک ہے۔

رحمت بیچون چینین دان ای پسر

ناید اندر وہم ازوی جز اثر

اے بیٹے تم اسی طرح رحمت کو سمجھو کیونکہ صرف اس کا ایک اثر ہی ہمارے وہم و گمان میں آسکتا ہے۔

رحمت خدا کی امید

وہ ذرائع جو انسان کے اندر تفضل الہی کی صلاحیت اور قابلیت پیدا کرتے ہیں ان میں سے ایک ذات اقدس الہی پر حسن ظن ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت باری تعالیٰ کی رحمت کی امید کے ساتھ اس دنیا میں زندگی گزاری ہوگی اور اپنے دل میں اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا ہوگا اور اس کے فضل کی قوی امید کے ساتھ اس دنیا سے گئے ہوں گے تو ایسے افراد کے آخرت میں اس کے عفو اور بخشش کے حقدار ٹھہرنے کے امکانات موجود ہیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ ان لائق اور شائستہ افراد پر عرصہ قیامت میں پروردگار کے فضل و رحمت واقع ہونے کا بہت امکان اور یہ لوگ اگرچہ ناچیز عمل رکھتے ہوں گے تاہم خداوند پر حسن ظن کے پرتو میں بہشت کے عالی مقامات اور نامحدود نعمتوں سے ان کے بہرہ مند ہونے کا قوی امکان ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

خدا پر حسن ظن

وجدنا فی کتاب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال وهو علی منبرہ واللہ الذی لا الہ الا هو ما اعطى مومن خیر الدنیا والاخرۃ الا بحسن ظنہ باللہ ورجاءہ لہ و حسن خلقہ والكف عن اغتیاب المومنین واللہ الذی لا الہ الا هو لا یعذب اللہ مؤمنا بعد التوبۃ والاستغفار الا بسوء ظنہ باللہ و تقصیر من رجاءہ للہ وسوء خلقہ واغتیابہ المومنین واللہ الذی لا الہ الا هو لا یحسن ظن عبد مؤمن باللہ الا کان اللہ عند ظن عبده المومن لان اللہ کریم بیدہ الخیرات یتسحی ان یکون عبده المومن قد احسن به الظن والرجاء ثم یخلف ظنہ ورجاءہ فاحسنوا باللہ الظن وارغبوا الیہ۔ [۱]

حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منبر پر جلوہ افروز تھے ایک روز آپ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کسی بھی مومن کو دنیا اور آخرت کی خیر عطا نہیں ہوگی مگر خدا پر حسن ظن کے ذریعے سے، اس سے امید لگانے سے، حسن خلق سے اور مومنین کی غیبت سے پرہیز کرنے سے، مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی بھی مومن توبہ اور استغفار کے بعد عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا مگر خدا پر سوائے ظن اور بدگمانی کی وجہ سے، ناامیدی، برے اخلاق اور مومنین کی چغلی خوری وغیبت کرنے سے۔ مجھے قسم ہے یکتا و تنہا خدا کی کوئی بھی بندہ مومن خدا کے بارے میں اچھا اور نیک گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ اس کے حسن ظن کا اسے اجر دیتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے کیونکہ تمام اچھائیاں اور خیرات اس کی قدرت کے دائرے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ اس کا بندہ مومن اس سے حسن ظن اور رحمت

کی امید رکھے اور وہ اس کے گمان اور امید کے برخلاف عمل کرے۔ پس خدا کے بارے میں اپنے خیال اور گمان کو اچھا اور نیک رکھو اور اس کی طرف رغبت پیدا کرو۔

امیدوار شخص کی بات

ایک اعرابی نے رسول اللہ سے سوال کیا:

یا رسول اللہ من یحاسب الخلق یوم القیامة قال: اللہ عزوجل قال نجونا و

رب الکعبة قال و کیف ذلک یا اعرابی قال: لان الکریم اذا قدر عفا. [۱]

قیامت میں کون مخلوق سے حساب لے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ۔ اعرابی نے کہا پروردگار کعبہ کی قسم ہم نجات پا گئے۔ آنحضرت نے پوچھا کس طرح یہ بات کہہ رہے ہو اور اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھ رہے ہو؟ اس نے عرض کی: اس لئے کہ جب کریم شخص گناہگار پر غلبہ اور تسلط پیدا کر لیتا ہے اور اسے سزا دینے پر قادر ہو جاتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔

اللہ کا بندوں سے سلوک

اس پاک دل اور مخلص مسلمان نے مکتب اسلام سے درس توحید لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کریم سمجھا اور اس کی بزرگواری اور کرامت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے عفو و مغفرت کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھا۔ رسول اکرم اعرابی کی بات سنتے ہیں اور اسے یہ نہیں کہتے کہ تم نے غلط خیال کیا ہے بلکہ اپنے سکوت سے گویا اس کی تائید فرما رہے ہیں اور اس کی بخشش کی امید پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔ کیونکہ خداوندیہ چاہتا ہے کہ اپنے مومن بندوں کے ساتھ ان کے حسن ظن کے مطابق سلوک کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لیس من عبد ظن به خیر الا کان عند ظنه. [۲]

کوئی بھی مومن بندہ خدا کے بارے میں اچھا گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی گمان کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

[۱] مجموعہ ورام، ج ۱ ص ۹

[۲] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۲۹۶

خالق کائنات پر حسن ظن اور اس کے عفو و مغفرت کی امید اس کی رحمت اور عنایت کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اس روحانی حالت اور امید پر دین اسلام میں اس قدر توجہ دی گئی ہے کہ بعض احادیث یہ بتاتی ہیں کہ خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ سلوک رحمت عطا کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے، اس گمان کی کیفیت سے مربوط ہے جو بندے خدا کے بارے میں رکھتے ہیں۔

رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

احسن الظن باللہ فان الله عز وجل يقول: انا عند ظن عبدي المؤمن بي ان

خيرا فخير او ان شرا فشر. [۱]

اللہ کے بارے میں اچھا گمان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں مومن کے گمان کے ساتھ ہوں اگر اس کا گمان اور خیال میرے بارے میں اچھا اور امید افزا ہو تو میں بھی اسی گمان کے مطابق سلوک کروں گا اور اگر میرے متعلق اس کا گمان برا اور یاس و ناامیدی والا ہو تو میں بھی ویسے عمل کروں گا۔

شاعر اسی مطلب کو زبان شعر میں یوں بیان کرتا ہے:

در حدیث آمد کہ حق بی گفتگو
ہست در نزد گمان بندہ او
ناتورا چہود گمان از نیک و بد
بر تو جز پاداش ظنت کی رسد
گر تورا ظن نکو باشد بر او
طاعت نیک است و پاداشت نکو
در کہ ظنت بد بود پاداش آن
ہم بد آید وین سزد بر بد گمان

خدا سے بدگمانی کا خطرہ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی چاہے وہ اس کے عفو اور بخشش کے بارے میں ہو یا اس کے علم اور قدرت کے حوالے سے، یا اس کی دوسری صفات کے لحاظ سے، بدگمان شخص پستی اور گھائے کا باعث ہے۔ یہ بدگمانی آخر کار اس کی ہلاکت اور تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔

قرآن شریف نے خدا کے علم کے بارے میں بدگمانی کرنے والے لوگوں کے متعلق یوں فرمایا ہے:

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٣١﴾

یہ تمہارا برا گمان تھا جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے اور یہی بدگمانی تمہاری پستی کا باعث بنی ہے اور اسی کے باعث تم گھائے والے ہو گئے۔

علم الہی کے بارے میں بدگمانی

قیامت کے دن وہ لوگ حساب کی جگہ پر لائے جائیں گے جو دنیا میں خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ذات مقدس الہی کے علم کے بارے میں بدگمان تھے اور خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے پوشیدہ اور پنہاں اعمال سے آگاہ نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے خلوتوں میں نہایت بے باکی کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کیا۔ روز جزا میں یہ بدگمانی ان کے گلے میں پڑ جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہی سوء ظن اور بدگمانی جو تم دنیا میں اپنے رب کے متعلق رکھتے تھے آج تمہاری بدبختی کا باعث ہے اور تمہاری پستی اور ہلاکت کا موجب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

ليس من عبد ظن بالله خيرا الا كان عند ظنه به ولا ظن به سوء الا كان عند ظنه به وذلك قوله تعالى "وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَكُمْ"۔

کوئی بھی بندہ مومن اللہ کے بارے میں جو نیک گمان کرتا خدا اسی گمان کا لحاظ رکھے گا اور خدا پر بدگمان ہر شخص سے اللہ اسی بدگمانی کے مطابق پیش آئے گا۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

[۱] حم سجدہ۔ ۲۳

[۲] تفسیر برہان ج ۳ ص ۱۰۹

نامیدی کا خطرہ

جو لوگ اللہ پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ خلوت اور جلوت میں بندوں کے ساتھ ہے اور ان کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال سے آگاہ ہے جب انہیں ہوائے نفس اور شہوات انحراف اور کجروی پر لے جاتی ہیں اور ان کے دامن کو گناہوں کی پلیدیوں سے آلودہ کر دیتی ہیں تو لازمی طور پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ جن غلط کاموں کا انہوں نے ارتکاب کیا ہوتا ہے ان پر وہ شرمسار اور پشیمان ہوتے ہیں۔ ممکن ہے روح کی یہ حالت آہستہ آہستہ ان کی مایوسی اور ناامیدی کا سبب بن جائے اور آخر کار شدید مایوسی کی وجہ سے وہ دینی اور دنیاوی فرائض کو بھانہ لائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایماندار افراد کو اس دردناک اور افسوس ناک حالت سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے اپنے عفو و مغفرت کی امید جو اس کی مقدس ذات پر حسن ظن ہے، کو ان کے دلوں میں باقی رکھنے کے لئے توبہ اور استغفار کا دروازہ ان پر کھلا رکھا ہے اور اس طرح گناہگاروں کو گناہوں کی بخشش کی امید دلائی ہے۔ قرآن مجید میں اس نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور گناہگاروں کو اپنے سایہ عفو و بخشش میں لے لیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٢﴾ - [١]

توبہ امید ہے

اے رسول! گناہگاروں اور جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، سے کہہ دو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

گناہ، وہ اعمال ہیں جن سے شارع اسلام نے منع کیا ہے اور انہیں انجام نہ دینے کا حکم دیا ہے گناہ کا ارتکاب گناہگار شخص کی پلیدی اور آلودگی کا باعث ہے اور توبہ پاک و صاف پانی کی طرح ہے جو نجاستوں اور پلیدیوں کو دھو ڈالتی ہے ناپاکیوں کو دور کر دیتی ہے۔ گناہگار توبہ کے بعد اس طرح ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔

گناہوں کے داغوں کو دھونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ [۱]

وہ گناہگار جو معصیت سے توبہ کر لیتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

شاعر کہتا ہے:

مومن شرمندہ از لطفِ خدا
مغفرت می خواهد از جرم و خطا
چون زنگی چشمه ای جاری شود
سنگ اندر چشمه متواری شود
کس نخواند بعد از آن آرزای حجر
چونکہ جاری شد از آن سنگ این گھر

وجدان کے خلاف گناہ

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض گناہ دینی لحاظ سے غیر قانونی عمل ہونے کے علاوہ فطری پہلو سے بھی غیر انسانی اور خلاف ضمیر ہوتے ہیں۔ ایسے گناہوں کا ارتکاب مسلمان اور غیر مسلمان دونوں کے لئے وجدان و ضمیر اخلاق کی سخت سرزنش اور ملامت کا موجب بنتے ہیں۔ ذہنی طور پر گناہگار پر اس قدر دباؤ پڑتا ہے کہ آرام و سکون اس سے چھین جاتا ہے، زندگی تلخ اور ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

مثال: آپ ایک چار سالہ خوبصورت لڑکی کا تصور کریں جو اپنے گھر کے سات گلی میں کھڑی ہے اس نے سونے کا گلوبند پہن رکھا ہے۔ ایک چور کا وہاں سے گذر ہوتا ہے۔ وہ سونے کا گلوبند دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں اس بار کو چرانے کا لالچ پیدا ہوتا ہے۔ وہ لڑکی کے قریب جاتا ہے اور ایک قریبی رشتہ دار کی طرح اس کو اپنی گود میں اٹھا لیتا ہے اور چومنے لگ جاتا ہے۔ اپنی جیب سے ایک سیب نکال کر دیتا ہے۔ اسی دوران میں وہ گلوبند کو کھول لیتا ہے اور لڑکی کو چھوڑ دیتا ہے اور خود اپنی راہ لیتا ہے۔ یہاں پر قانون اور شریعت کے خلاف عمل واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اگر چور ایماندار ہو تو وہ اپنے دل میں احساس

[۱] تفسیر برہان، ج ۳ ص ۱۰۹

ندامت کرے گا اور اگر بے ایمان ہو تو کسی احساس شرمندگی کے بغیر وہ واقفے سے گذر جائے گا۔ اگر یہی چھوٹی لڑکی گلو بند کھولنے کی طرف متوجہ ہو جائے اور شور مچانا شروع کر دے اور ننھے منے ہاتھوں سے گلو بند کو پکڑ لے اگر وہ انسان بد معاش اور طاقت ور ہو تو وہ لڑکی کے منہ کو بند کر کے کسی سنسان جگہ پر لے جا کر اس کا گلہ دبا کر خاموش کر دے گا اور گلو بند کھول کر مردہ بچی کو وہیں چھوڑ کر فرار ہو جائے گا۔ یہاں پر اس نے دو گنا ہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک چوری جو غیر قانونی عمل ہے دوسرا بچی کو قتل کرنا جو قانون کے بھی خلاف ہے۔ اور فطرت اور انسانی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔ قاتل اگر بے دین ہو اور وہ چوری سے اللہ کے حضور احساس شرمندگی بھی نہ کرے، پھر بھی بچی کے گلا گھوٹنے کو ذہن سے نہیں نکال سکتا اور اس سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب سے اس نے بچی کو قتل کیا ہے اس کا ضمیر اور ذہن بے سکون اور بے قرار ہو گیا ہے۔ رات کو بستر پر لیٹتا ہے لیکن اسے نیند نہیں آتی، ہر وقت وہ اپنے اندر کڑھتا رہتا ہے اور جس واردات کا اس نے ارتکاب کیا ہے اس کے بارے میں فکر مند رہتا ہے۔ جب معصوم بچی کے ہاتھ پاؤں مارنے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو وہ لرز جاتا ہے۔ وحشت اور اضطراب اس کے تمام وجود کو گھیر لیتا ہے۔ گویا اس کے باطن میں ایک نامعلوم قدرت اور طاقت نے اسے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ عدالت اسے عمر بھر چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، ہمیشہ اسے غصے اور سختی سے پکارتی ہے اور کہتی ہے: اے بد بخت! کیوں تم نے معصوم بچی کو مار ڈالا؟ کیوں تم نے اس بربریت کا ارتکاب کیا؟

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست
کہ مؤمن خموشم داو در فغاں و در غوغا است
نجانے مجھ بے چارے کے اندر کیا ہے کہ میں تو چپ ہوں لیکن وہ آہ و فریاد کر رہا ہے۔

دیوانگی ضمیر کے شکنجے

کبھی کبھار ایسے جرائم باطنی ملامت اور وجدان و ضمیر کے دباؤ کی وجہ سے انہیں جنون کی حالت تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ حالت اتنی شدید اور سخت ہوتی ہے کہ اس کا صرف ایک ہی علاج ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان کی باطنی گرہ کھولی جائے اور جس خلاف انسانیت جرم کا انہوں نے ارتکاب کیا ہوتا ہے اسے ان کے صفحہ ذہن سے محو کیا جائے اور یہ عام حالات میں ناممکن بات ہے۔ ماہر نفسیات کی نظر میں ایسے مریض اگر مذہبی عقائد سے کچھ بہرہ مند ہوں تو ممکن ہے ان کی روحانی مشکل خدا پر ایمان اور گناہوں کی بخشش کے عقیدے سے حل ہو جائے اور وہ اس بد بختی سے نجات پائے۔

کتاب ”چہ میدانم“ بیمار یہاں روحی و عصبی کے صفحہ ۴۴ پر ہے کہ:

”ضمیر انسانی کی اذیتیں بہت جانکاه اور ناقابل برداشت ہیں کبھی وہ پشیمانی کی حالت سے دوچار ہو جاتا ہے جسے غلطی کے ازالے اور تدارک یا فدیہ دینے کے بغیر سکون کی حالت میں نہیں لایا جاسکتا اسی لئے ادیان میں گناہوں کی بخشش کا پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔“

ممکن ہے ایسے مواقع پر بعض ایماندار افراد دینی تعلیمات سے عدم آگاہی اور رحمتِ الہی کے بارے میں علم نہ رکھنے کی وجہ سے اپنے گناہ کو ناقابل بخشش و عفو خیال کریں اور یہ تصور کریں کہ جس جرم کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے وہ بخشش اور مغفرت کے قابل نہیں ہے اور اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ ہر وقت اپنی اندر کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور انسانی ضمیر کے کچھ کون سہتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں ایک قابلِ مہربانی اور بہترین عالم میسر آجائے جو انہیں اللہ کی بے پناہ اور لامحدود رحمت کی طرف متوجہ کر دے اور کئے گئے گناہوں کی معافی کی امید دلادے تو بہت جلد ان کے باطنی عقیدے کھول جائیں گے اور وہ رنج و عذاب سے رہائی پالیں گے۔ اس بات کے شاہد کے طور پر ذیل میں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

اموی قاضی اور بے گناہ کا قتل

بنی امیہ کے ایک مقتدر قاضی نے ایک بے گناہ شخص کے قتل کا حکم دے دیا اور سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ وہ حاکم بے گناہ شخص کے مارے جانے کے بعد اپنے ناحق فیصلے پر سخت ذہنی پریشانی اور روحانی نا آرامی کا شکار ہو گیا۔ وہ دن رات اپنے ظالمانہ عمل کی وجہ سے عذاب میں مبتلا رہنے لگا۔ اس نے حکومتی کاموں کو ترک کر دیا اور لوگوں سے کنارہ کش ہو گیا۔ لیکن ضمیر کے دباؤ اور ملامت نے اسے آرام و سکون سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر کار وہ دیوانہ ہو گیا۔ اس کے اقرباء اسے مکہ لے آئے تاکہ لوگوں کو کچھ دیکھ کر شاید اس کی حالت بہتر ہو جائے۔ خوش قسمتی سے اس سال امام سجاد علیہ السلام بھی مکہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس واقعے کی اطلاع آپ تک پہنچی۔ امام علیہ السلام نے چند جملے اس سے کہے اور آپ کے امید بخش کلمات سے اس قاضی کی مشکل حل ہو گئی۔ روایت یوں ہے:

قاضی کا پاگل پن

کان علی ابن الحسین علیہما السلام فی الطواف فنظر فی ناحية المسجد الی
جماعة فقال: ما هذه الجماعة؟ فقالوا هذا محمد بن شهاب الزہری اختلط
عقله فلیس یتکلم فاخرجه اہله لعله اذا رأى الناس ان یتکلم قضی

عليه السلام طرانه خرج حتى دنا منه فلما راه محمد بن شهاب عرفه فقال له علي ابن الحسين مالك؟ قال: وليت ولاية فاصبت دما فدخلني ما ترى فقال له علي بن الحسين: لأننا عليك من يأسك من رحمة الله اشد خوفا مني عليك مما اتيت ثم قال له اعطهم الدية فقال قد فعلت فابوا قال اجعلها صررا ثم انظر مواقيت الصلوة فالحقها في دراهم. [1]

امام زین العابدین علیہ السلام طواف میں مشغول تھے کہ آپ کی نظر مسجد الحرام کے ایک گوشے میں لوگوں کے ایک ہجوم پر پڑی آپ نے دریافت فرمایا: کیا مسئلہ ہے؟ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا گیا: محمد بن شہاب زہری عقلی طور پر مفلوج ہو گیا ہے اور وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ اس کے گھر والے اسے مکہ لے آئے ہیں کہ شاید لوگوں کو دیکھ کر بول پڑے۔ آپ طواف کے بعد اس کی طرف آئے۔ محمد بن شہاب نے امام سجاد علیہ السلام کو پہچان لیا۔ امام نے اس سے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا میں ایک صوبے کا والی تھا۔ میرا دامن ایک بے گناہ کے خون سے آلودہ ہو گیا ہے اور میں ذہنی پریشانیوں اور قلبی و بے حسی و بے آرامی کی وجہ سے دوچار ہو گیا ہوں جو آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اس کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ عفو الہی سے مایوس ہو چکا ہے اور اسی یاس و ناامیدی کی وجہ سے اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔ آپ نے فوراً اسے فرمایا: ”مجھے تیرے رحمت و عفو الہی سے مایوس ہونے کا تیرے بے گناہ کے خون میں ملوث ہونے سے زیادہ خوف ہے۔“ اور اپنے اس مختصر سے جملے سے اسے گناہ کی مغفرت کی امید کی شمع اس کے دل میں روشن کر دی۔ پھر آپ نے فرمایا: مقتول کی دیت و رثاء کو ادا کرو۔ اس نے عرض کی: میں نے دیت ادا کرنے کے لئے اقدام کیا اور و رثاء سے رجوع کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ امام نے فرمایا: مقتول کی دیت کو چھوٹے چھوٹے تھیلیوں میں ڈال کر ان کا منہ سی کر جب مقتول کے گھر والے نماز جماعت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو یہ تھیلیاں ان کے گھر میں پھینک دو۔

خدا پر حسن ظن اور اس کے فضل و رحمت کی امید اطمینان قلب اور ذہنی سکون کا موجب بن گئی خدا پر حسن ظن اور اس

کی مغفرت کی امید مایوسی اور ناامیدی کو دل سے نکال دیتی ہے۔ معصیت کے داغوں کو حتی وجدان کے خلاف کئے گئے گناہوں کو بھی دھو ڈالتی ہے اور انسان کی دنیاوی اور اخروی سعادت و نجات کی راہ ہموار کر دیتی ہے۔ ایماندار افراد کو ایسے جذبے سے سرشار ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے ساتھ زندگی گذارنی چاہئے اور اس کے فوائد سے بہرہ مند ہونے کے لئے اپنے آپ کو دنیا میں اس اچھی اور پسندیدہ صفت سے آراستہ کرنا چاہئے اور اس اعلیٰ اور سعادت بخش صفت کو اپنے اندر پروان چڑھانا چاہیے۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے گذشتہ عمر کو غفلت میں گزار دیا ہے اور اس قیمتی سرمائے سے محروم رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اب ہوش میں آجائیں اور کوشش کریں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں اپنے گمان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا اور نیک بنائیں۔ اپنے دل کو نور امید سے روشن کریں اور ایسا کام کریں کہ ان کی زندگی کا دفتر خدا پر حسن ظن سے معمور ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کی امید کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوں تاکہ قیامت میں اپنے نیک گمان سے بہرہ مند ہوں اور خدا کی رحمت اور عفو ان کے شامل حال ہو۔

موت کے وقت خدا پر حسن ظن

حضرت جابرؓ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

لا يموتن احدكم الا وهو يحسن الظن بالله فان قوما قد ارداهم سوء
ظنهم بالله عزوجل. [۱]

تم میں سے کوئی بھی نہ مرے مگر اللہ پر حسن ظن کے ساتھ کیونکہ ایک قوم اللہ عزوجل پر سوئے ظن کی وجہ سے پستی اور ہلاکت کا شکار ہو گئی۔ پھر آنحضرتؐ نے اس بارے میں نازل ہونے والی قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جو اسی فصل کے آغاز میں ذکر ہو چکی ہے۔

خدا پر حسن ظن اور اس کی بخشش اور عفو کی امید گناہوں کی مغفرت اور اس کی رحمت کو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن خدا پر حسن ظن کے ساتھ ساتھ اس کی سزا اور عذاب کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ یعنی وہ لوگ جو خدا کے فضل و رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کی بخشش اور عفو کی امید اپنے دل میں پروان چڑھاتے ہیں انہیں اس کے عدل و انصاف سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور اپنے غلط کاموں کی سزا اور عذاب کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہی مطلب مختلف تعبیرات کے

[۱] تفسیر درالمشور، ج ۵، ص ۳۶۲

ساتھ بہت ساری روایات میں بیان ہوا ہے۔

خوف و رجاء میں توازن

امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

قال لقمان لابنه ناتان يا بني خف الله خوفا لو اتيت يوم القيامة ببر
الثقلين خفت ان يعذبك وارج الله رجاء لو وافيت يوم القيامة بأثم
الثقلين رجوت ان يغفر الله لك. [1]

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے ناتان سے یوں کہا: اللہ سے ڈرو اور ایسے ڈرو کہ اگر قیامت کے دن تمام انس و جن کی نیکیاں کے ساتھ آؤ تو بھی خوف کھاؤ کہ کہیں وہ تمہیں نامعلوم گناہ اور لغزش کی وجہ سے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھو ایسی امید کہ اگر قیامت کے دن تمام انس و جن کے گناہوں کے ساتھ آؤ پھر بھی امید ہو کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا۔

ایک اور نکتہ جو خدا تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن کے سلسلے میں قابل توجہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ عفو الہی کی امید رکھنے والے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اپنے افکار میں افراط سے کام نہ لیں یعنی اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ رحمت کی امید ان کے غرور اور خود سری کا باعث نہ بن جائے اور انہیں گناہ و پلیدی کے راستے کی طرف نہ لے جائے اور انہیں اس کا برعکس نتیجہ دیکھنا پڑے اور وہ عذاب الہی کے مستحق قرار پائیں۔

حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

قوم يعملون بالمعاصي ويقولون نرجوا فلا يزالون كذلك حتى ياتيهم
الموت۔

کچھ لوگ ہمیشہ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں رحمت خدا کی امید ہے اور وہ اسی غلط روش پر قائم رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت ان کو آ لیتی ہے۔
تو آپ نے جواب میں فرمایا:

هؤلاء قوم يترجون في الأمانى كذبوا ليسوا ابراجين ان من رجا شيئا

[1] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۲۹۰

طلبہ ومن خاف من شیء هرب منه۔^[۱]

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آرزوؤں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور یہ لوگ خدا پر امید رکھنے والے ہیں کیونکہ اگر کوئی کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے طلب کرتا ہے اور اگر کسی چیز سے خائف ہے تو وہ اس سے گریز کرتا ہے یعنی یہ لوگ ہمیشہ گناہ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدا کی رحمت کے طالب ہیں نہ کہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

سرکشی اور غرور امید کے نام پر

امام صادق علیہ السلام ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

حسن الظن یدعوا الی حسن العبادۃ والمغرور یتأمری فی المعصیۃ ویتمنی

المغفرة۔^[۲]

اللہ پر حسن ظن انسان کو حسن عبادت و اطاعت کی دعوت دیتا ہے یہ مغرور و سرکش انسان ہے جو حسن ظن کے نام پر گناہ اور نافرمانی کرتا رہتا ہے اور اپنے خیالوں میں عفو و مغفرت کی امیدیں پروان چڑھاتا رہتا ہے۔

امید کی پہچان اسلام کی کسوٹی پر

جو شخص اسلام کے معیاروں کے مطابق رحمت الہی کا امیدوار بننا چاہتا ہے اور خدا پر حسن ظن کو شریعت مقدس کے اصولوں کے مطابق اپنے ذہن میں راسخ کرنا چاہتا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ عفو الہی کا مستحق قرار پائے اسے چاہیے کہ اسلام کو پہچانے، قرآن شریف کا علم حاصل کرے اور اپنی امید کی کیفیت دین کے صحیح معیاروں پر رکھے اور اسے ان کے مطابق ڈھالے۔ کتاب کی آئینہ فصلوں میں حساب کے مقامات، میزان، اعمال کی جانچ پڑتال، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں پوچھ گچھ وغیرہ اس کے علاوہ قیامت کے فیصلہ کن مراحل اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے جدا ہونے کے مواقع کے بارے میں بحث کی جائے گی اور یہ کہ ان تمام مراحل میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش گناہگاروں کی نجات کے لئے بہترین وسیلہ ہے اور اس کی رحمت اور ان افراد کے شامل حال ہوگی جو دنیا میں اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور انہوں نے

[۱] کافی، ج ۲ ص ۶۸

[۲] کافی، ج ۲ ص ۶۸

دنیا میں ان پر حسن ظن کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فصل میں مذکورہ مطلب کے بارے میں ہی بحث اور گفتگو کی جائے تاکہ قارئین احادیث میں ذکر ہونے والے خدا پر حسن ظن کے معنی کو اچھی طرح جان لیں۔ اور اس کی رحمت کی امید کو اچھے انداز میں اور صحیح بنیادوں پر اپنے ذہنوں میں جگہ دیں اور اپنے آپ کو رحمت اور مغفرت الہی کا حقدار بنانے کی کوشش کریں۔

امید کے متعلق گفتگو

اس مقدس مقصد کے حصول کے لئے اور خدا پر حسن ظن کا معنی جاننے کے لئے ضروری ہے کہ آغاز میں انبیائے الہی کے پروگرام کا عموماً اور نبی اکرمؐ کے پروگرام کا خصوصاً گہری نظروں سے جائزہ لیا جائے۔ ان کے طریقہ کار سے آگاہی حاصل کی جائے۔ جنہوں نے انسانوں کے ایمانی افکار بنائے اور وہ خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ تھے اور ہمیں جاننا چاہیے کہ آسمانی مربیوں نے کس طرح لوگوں کو دعوت دی اور کیسے انسانوں پر اثر کیا اور انہوں نے کس انداز سے اپنے پیروکاروں کو خدا سے امید رکھنا سکھایا۔

انبیاء اور خوف ورجا

جو کچھ قرآن پاک اور احادیث میں آیا ہے اس کی بنیاد الہی کی دعوت دو بنیادی اصولوں اور دو طاقت ورتوتوں یعنی خوف ورجاء یا امید اور ڈر پر استوار ہے اور دو مثبت اور منفی طاقتوں کے زیر اثر وہ لوگوں کو اپنے مکتب کی دعوت دیتے تھے انہیں تدبر اور تفکر کرنے پر ابھارتے تھے اور اس ذریعے سے وہ انسان سازی کے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہناتے تھے۔

بشارت اور انداز کی بنیاد پر دعوت

قرآن مجید نے ان دو بڑی قوتوں کو بشارت اور انداز کہا ہے:

قرآن شریف تمام پیغمبروں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ [۱]

ہم نے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے۔

یعنی ایک طرف تو وہ اطاعت اور امر الہی کے حوالے سے رحمت کا مشردہ اور جاودا نعمت کی بشارت دیتے تھے اور

دوسری طرف نافرمان اور گناہگار افراد کو عذاب الہی سے ڈراتے تھے اور انہیں عقوبت کے خطرات سے خبردار کرتے تھے۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۱۱﴾

ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر ہر دور اور ہر زمانے میں دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے، تاکہ تم ایماندار اور نیک افراد کو رحمتِ الہی کی بشارت دو اور بے ایمان اور ہٹ دھرم افراد کو عذاب الہی سے ڈراؤ۔

ڈاکٹر اور مریض

اللہ کے پیغمبر لوگوں کی روحانی اور معنوی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اور اطباء ان کی جسمانی امراض کا۔ اطباء مریضوں کے علاج کے لئے انبیاء کی طرح بشارت اور انداز کی بات کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ مریضوں کو خوشخبری سناتے ہیں کہ اگر دواء اور پرہیز کے نسخے پر عمل کیا اور اسی کا خیال رکھا اور جو چیز نقصان دہ ہے اس سے پرہیز کیا تو امید کی جاتی ہے کہ تمہاری بیماری اتنی مدت میں ختم ہو جائے گی اور تم سلامتی کے ساتھ اپنے کام کرنے لگ جاؤ گے اور اپنی معمول کی زندگی گزارنے لگ جاؤ گے۔ لیکن اگر نسخے پر جیسا کہ اس پر عمل کرنا چاہیے نہیں کرو گے اور مضر اشیاء سے پرہیز نہیں کرو گے تو تمہارا مرض شدید ہو جائے گا اور ممکن ہے تمہاری موت کا سبب بن جائے۔

ایمر جنسی مریض اور خطرے کا الارم

اطباء اور ڈاکٹروں کا بشارت و انداز عام بیماریوں کے حوالے سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر مریض اپنڈیکس کی بیماری میں مبتلا ہو اور اگر فوراً آپریشن نہ کیا جائے تو وہ دو تین گھنٹے کے بعد مر جائے ایسی صورت حال میں صرف انداز ہے۔ ڈاکٹر ایسی بیماری کا معائنہ کرنے کے بعد فقط خطرے سے آگاہ کرتا ہے اور پریشانی و اضطراب کے عالم میں کہتا ہے: مریض کی جان خطرے میں ہے اسے جتنی جلدی ہو سکے آپریشن کے لئے ہسپتال لے جائیں ورنہ اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ کے انبیاء کو بھی مقام دعوت میں کبھی کبھار خاص حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن کا تقاضا یہ ہوتا تھا کہ وہ خطرے سے خبردار کریں اور اس ذریعے سے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کریں اور انہیں ان کی موجودہ حالت سے آگاہ کریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دعوت میں فقط

ڈرانے کا حکم دیا تھا اور ان سے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿٢﴾

اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔

پیغمبر اسلام اور لوگوں کو انداز

حضور اکرم ایک ایسے معاشرے میں نبی مبعوث ہوئے۔ جہاں پر جہالت و نادانی کا دور دورہ تھا اور اعتقادی اور اخلاقی بیماریاں اپنی اوج کو پہنچی ہوئی تھیں۔ لوگ بے جان بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے لئے حیوانات اور کبھی کبھار انسانوں کو قربانی دیتے تھے۔ اپنی نومولود لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ عورتوں کی مال کی طرح جوئے میں بازی پر لگا دیتے تھے اور جیسے ہی انہیں بازی میں جیت لیتے تھے تو ہارنے والے انہیں دوسروں کے حوالے کر دیتے تھے۔ کبھی وہ عورتوں کو بیٹروں کی طرح بازار میں بیچ دیتے تھے، قافلوں کو لوٹ لیتے تھے، عام لوگ بڑے اور رئیس لوگوں کے سامنے جان و مال کی امان نہیں رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ اس ماحول میں عقل و وجدان، عدل و انصاف اور حق و فضیلت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ فساد و تباہی کے عوامل کے سوا معاشرے میں کوئی اور چیز حاکم نہیں تھی۔ ایسے معاشرے میں فقط انداز اور خطرے سے خبردار کرنا ہی پردہ غفلت کو ہٹا سکتا تھا اور لوگوں کو ہلا سکتا تھا اور ان پر امید کا در پچھ کھول سکتا تھا۔

ننگا ڈرانے والا

کتاب لسان العرب میں مشہور جملہ ”انا لنذیر العریان“ یعنی میں عریاں ڈرانے والا ہوں، کے بارے میں ہے:

وذلك ان ربینہ القوم وعینہم یکون علی مکان عال فاذا رای العدو وقد

اقبل نزع ثوبه ولا ح به لینذر قومہ ویبقی عریانا۔

لشکر کشی یا تجارتی قافلوں کے گزرنے کے وقت ایسا ہوتا تھا کہ سنتری یا محافظ جو لشکر یا قافلے کی آنکھ کی مانند ہوتے تھے وہ آگے آگے چلتے تھے اور ایسے مقام پر اپنے آپ کو پہنچا دیتے تھے جہاں سے ہر طرف سے نگرانی کی جاسکتی ہو۔ جب وہ دیکھتے کہ دشمن کی فوج یا مسلح ڈاکو ان کی طرف آرہے ہیں تو وہ اپنے لباس کو اتار دیتے تھے اور اپنے آپ کو اس بلندی پر برہنہ کر کے اپنے لباس کو

ہاتھ میں لے کر اپنے سر کے اوپر اور اس ذریعے سے وہ دور سے دیکھنے والوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرتے تھے۔

دشمن کے حملے کا خطرہ

لسان العرب اس مطلب کو بیان کرنے کے بعد کہتی ہے:

فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: انما مثلی ومثلکم

کمثل رجل انذر قومہ جیشا فقال انا النذیر العریان انذرکم جیشا۔^[۱]

حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آغاز نبوت میں قوم کو اقتصادی انحرافات اور اخلاقی فساد کے خطرات سے آگاہ کرنے اور سمجھانے کے لئے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنی قوم کو دشمن کے حملے سے آگاہ کرتا ہے اور آپؐ نے فرمایا: میں برہنہ خردار کرنے والا ہوں اور تمہیں دشمن کی فوج کے خطرے سے خبردار کرتا ہوں۔

مختصر یہ کہ چند مخصوص موارد کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے اللہ کے رسولوں کا بنیادی پروگرام اور طریقہ کار بشارت اور انذار ہے۔ وہ لوگوں کو رحمت کا مزہ بھی سناتے ہیں اور عذاب الہی سے بھی خوف دلاتے۔ مکتب انبیاء کے پیروکار فریضہ دینی کے مطابق ذمہ دار ہیں کہ ہمیشہ خوف ورجاء کی حالت میں رہیں اور ان دو انگریزوں کے ساتھ فرانس کی ادائیگی اور محرمانت سے اجتناب میں جدوجہد اور کوشش کریں۔

امام کاظم کی حدیث

حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے ہشام بن حکم سے فرمایا:

یا ہشام لا یکون الرجل مؤمنا حتی یکون خائفا راجیا ولا یکون خائفا

راجیا حتی یکون عالما لما یخاف ویرجو۔^[۲]

اے ہشام! کوئی شخص اس وقت حقیقی مومن ہوتا ہے جب وہ خائف بھی ہو اور امیدوار بھی اور باایمان شخص کا خوف ورجاء علم و آگاہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

[۱] لسان العرب، (۱) ص ۲۸

[۲] مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۲۹۰

ایک بات جس کا جاننا شرع مقدس کے تمام پیروکاروں کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ خوف درجاء کو کون سے میزان اور معیار پر رکھیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک مومن شخص کس طریقے اور ذریعے سے سمجھے کہ خدا تعالیٰ پر امید رکھنے میں اس نے افراط سے کام نہیں لیا اور وہ غرور میں مبتلا نہیں ہوا نیز اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے میں اس نے زیادتی نہیں کی اور حق و شرع کی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک سبق آموز اور مختصر حدیث میں اسی مطلب کو بیان کیا ہے۔

امید اور خوف کا معیار

آپ فرماتے ہیں:

ارج الله رجاء لا يجرك على معصية وخف الله خوفا لا يؤيسك من رحمة. [1]

اللہ سے اتنی امید رکھو کہ وہ تمہیں گناہ پر جبری نڈر اور بے باک نہ بنا دے۔ اور اس سے اتنا ڈرو کہ وہ تمہیں اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ کر دے۔

اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی رحمت کی امید کے نام پر جرأت کرے اور بے دھڑک ہر برائی کا ارتکاب کرنے لگا تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ امید کی حدود سے خارج ہو گیا ہے اور غرور و سرکشی میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس نے ہلاکت کی راہ اپنالی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خدا تعالیٰ سے خوف کے نام پر اپنے آپ کو رحمت الہی سے مایوس کر دے اور اپنے گناہ ناقابل عفو خیال کرے تو اسے بھی جان لینا چاہیے کہ وہ خوف کی شرعی حدود سے آگے بڑھ گیا ہے اور ہلاکت و تباہی کے راستے پر گامزن ہے۔

مکتب اسلام میں خداوند تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ لیکن اپنے مقام پر نہ یہ کہ ہر لا پروا اور گناہوں میں نڈر شخص اپنے آپ کو رحمت الہی سے متمسک سمجھے، اللہ کے قوانین کو عملی طور پر پامال کرے اور ڈھٹائی کے ساتھ ہر جرم اور برائی کا ارتکاب کرتا پھرے اور اس عنوان سے کہ خدا تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اپنے آپ کو عفو الہی کا مشتمول اور اس کے عذاب سے محفوظ خیال کرے۔ مکتب اسلام میں خدا کی ذات شدید العقاب بھی ہے۔ لیکن اپنے مقام پر نہ یہ کہ اس کی سخت پکڑ اور شدید سزاؤں پر عقیدہ نا آگاہ افراد سے امن کا دامن چھڑا دے، وہ اپنے گناہوں کو ناقابل معافی سمجھے لگیں اور اپنے آپ کو اس کی رحمت، عفو اور فیض سے محروم خیال کرنے لگیں۔ یہ بات دعائے افتتاح میں جسے مومنین ماہ رمضان کی راتوں میں پڑھتے ہیں۔ یاد دلائی گئی ہے۔

وايقنت انك انت ارحم الراحمين في موضع العفو والرحمة واشد المعاقبين

فی موضع النکال والنقمة۔

میں یہ بات یقین سے جانتا ہوں کہ تو رحمت و فضل کے مقام پر ہر رحم کرنے والے اور بخشنے والے سے زیادہ مہربان ہے اور سزا و عقاب کے موقع پر ہر سزا دینے والے سے زیادہ سخت ہے۔

خوف ورجا کے درمیان سفر

مختصر یہ کہ مومن شخص ہمیشہ خوف ورجا کے درمیان رہے اور جان لے کہ خدا کی رحمت سے مایوسی اور اس کی پکڑ سے امان میں سمجھنا آیات اور احادیث کی صراحت کے مطابق کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔
عمرو بن عبید امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گیا اور اس نے کبیرہ گناہوں اور بہت ہی قبیح برائیوں سے اجتناب سے مربوط قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

دو کبیرہ گناہ

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ (النجم۔ ۳۲)

اس کے بعد وہ چپ ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے اسے فرمایا:

ما اسکتک؟ قال احب ان اعرف الکبائر من کتاب الله عزوجل فقال نعم یا عمرو اکبر الکبائر الاشرک بالالله یقول الله: ”ومن یشرک بالالله فقد حرم الله علیه الجنة۔ مائدہ۔ ۴۲“ وبعده الا یأس من روح الله لان الله عزوجل یقول انه ”لا یبأس من روح الله الا القوم الکافرون۔ یوسف ۸۴“ ثم الامن لمکر الله لان الله عزوجل یقول ”فلا یأمن مکر الله الا القوم الخسرون۔ الاعراف۔ ۹۹“۔

کس چیز نے تمہیں چپ کروا دیا؟ اس نے جواب دیا: میں کبیرہ گناہوں کو کتاب الہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں عمرو! سب سے بڑا کبیرہ گناہ خدا تعالیٰ سے شرک ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: خدا نے مشرک پر جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ شرک کے بعد گناہ کبیرہ رحمت الہی سے مایوسی اور ناامیدی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ کافروں کے علاوہ کوئی بھی رحمت

الہی سے مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد گناہ کبیرہ عذاب الہی سے اپنے آپ کو امان میں سمجھتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد الہی ہے کہ گھانا اٹھانے والوں کے علاوہ کوئی بھی اپنے آپ کو اللہ کی پکڑ سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے دیگر گناہان کبیرہ کی یکے بعد دیگرے وضاحت کی اور ہر ایک کے لئے قرآن مجید سے ایک شاہد ذکر فرمایا:

ملاحظہ فرمائیں کہ رحمت خدا سے ناامیدی اور اس کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ جاننا اسلام کے آئین میں دو گناہ کبیرہ بیان کیے گئے ہیں اور ایک مسلمان کو ان دونوں سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ مایوسی اور ناامیدی اسے فرائض کی انجام دہی میں بددل اور سست کر دے گی اور کمال و بلندی کے حصول میں رکاوٹ بن جائے گی اور عذاب الہی سے امان اسے گناہ اور برائی پر جری بنا دے گی۔ جو اس کی ہلاکت و تباہی کا سبب بن جائے گی۔

امید و خوف کے مابین

مومن افراد کے لئے رحمت خدا کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دو پروں کی مانند ہے۔ ضروری ہے کہ یہ دونوں اکٹھے اور باہم ہوں تاکہ ان کے افکار اور اعمال کا توازن برقرار رہے اور ان کی ترقی کی راہ ہموار ہو۔ اسی لئے آئمہ علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے کہ ہمیشہ ان دو پہلوؤں کی طرف متوجہ رہیں اور تمام مواقع پر خوف و رجاء کے مابین حرکت کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَخَافَ اللَّهَ خَوْفًا كَانَهُ يَشْرَفُ عَلَى النَّارِ وَيُرْجُو رَجَاءَ كَانَهُ

مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. [۱]

ایک مومن کے لئے سزاوار ہے کہ وہ اللہ سے اس طرح ڈرے گویا آگ کی زد میں ہے اور اس سے اس طرح امید رکھے گویا وہ بہشتیوں میں سے ہے۔

مومن افراد کی روش

مومن افراد اپنی پوری زندگی میں بہت زیادہ اعمال صالح انجام دیتے ہیں لیکن سعادت ابدی کے حصول کے لئے ہرگز اپنے نیک اعمال پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ ان کی تمام امیدیں اللہ کے فضل و رحمت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے

[۱] تفسیر برہان، ج ۲ ص ۱۰۸

کہ اولاً ان کے نیک اعمال خلوص اور پاکیزگی کے ساتھ انجام پائے ہیں اور دربارِ الہی میں قبولیت کے درجے پر پہنچے ہیں یا نہیں؟ ثانیاً اس فرض کے ساتھ کہ وہ قبول ہو گئے ہیں ان قبول شدہ اعمال کی اہمیت اور قیمت کو نہیں جانتے یعنی کیا وہ اعمال ان کے لئے راہِ نجات پیدا کر سکتے ہیں اور ان کی سعادت و خوش بختی کا موجب بن سکتے ہیں یا نہیں؟ لیکن رحمت و فضلِ الہی پر بھروسہ حق تعالیٰ کے بیکراں دریائے رحمت سے متصل ہونا ہے۔ ایسی رحمت کہ اگر وہ انسان کے شامل حال ہو جائے تو اسے نہایت آسانی کے ساتھ سعادت تک پہنچا دے۔ تمام رکاوٹوں کو برطرف کر کے اسے جاوداں کی طرف لے جائے۔

رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر

با ایمان اور پر امید انسان ذاتِ باری تعالیٰ کی لامحدود رحمت کے سہارے کے باوجود عذابِ الہی سے بھی ڈرتا ہے اپنے گناہوں کو فراموش بھی نہیں کرتا اور اپنے کئے گئے برے اعمال کی سزا پر خوف کھاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس کے گناہ معاف نہ ہوتے تو وہ ضرور خدا کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ خوف اور امید مجموعی طور پر حسن ظن کے معنوں میں ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حسن الظن بالله ان لا ترجوا الا الله ولا تخاف الا ذنبك۔ [۱]

اللہ پر حسن ظن یہ ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ کسی شخص یا چیز سے امید نہ رکھو اور کسی شخص یا چیز سے نہ ڈرو مگر اپنے گناہوں سے۔

خدا پر حسن ظن کے معنی

ملاحظہ فرمائیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام خدا پر حسن ظن کا معنی بیان کرتے ہوئے خوف ورجاء کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہر دو پہلوؤں امید و خوف کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ مکتب اسلام کے پیروی کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ خدا پر حسن ظن کے سلسلے میں اپنے آپ کو ایسا ہی بتائیں اور ہر وقت ان دو پہلوؤں کو مد نظر رکھیں۔

سوال اور جواب

لیکن یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امید کے حوالے سے امام علیہ السلام کیوں با ایمان افراد کی تمام توجہ حضرت حق تعالیٰ کی طرف مبذول کرواتے ہیں اور ان کی عبادات اور ان کے نیک اعمال کا ذکر نہیں کرتے۔ جب کہ خوف کے معاملے میں ان

کی تمام تر توجہ ان کے گناہ اور معاصی کی طرف مبذول کرواتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بات نہیں کرتے؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ فرائض کی بجا آوری اور شرعی محرمات کا ترک کرنا ایک با ایمان شخص کے حوالے سے اس کی دربار الہی میں اطاعت و عبادت کے مراتب کی حکایت کرتا ہے اور یہ امر سے اسے رحمت اور فضل الہی کے لائق بنا سکتا ہے اور اس کی غلطیوں اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ چاہے کہ اپنے اچھے اعمال پر بھروسہ کرے اور خیال کرے کہ اگر اس کے نامہ اعمال کا اچھے طریقے سے حساب و کتاب لیا جائے اور اس کے بارے میں عادلانہ فیصلہ ہو تو وہ ذات باری تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی نیاز کے بغیر سعادت ابدی کو پاسکتا ہے اور بہشت جاو داں کا حق دار بن سکتا ہے۔ ایسے شخص سے کہنا چاہیے کہ وہ سخت غلطی کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا ہے تو امام سجاد علیہ السلام خالق بے نیاز کی بارگاہ میں دست نیاز دراز کرتے ہوئے دعا و تضرع کی زبان میں یوں نہ کہتے:

فانه لا طاقة لنا بعدلك ولا نجاهة لاحد منا دون عفوك. [۱]

بے شک ہم میں تیرے عدل کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور تیرے عفو و فضل کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پاسکتا۔

خدا سے ڈر یعنی اپنے گناہوں سے ڈر

روایت کے دوسرے جملے سے مربوط سوال کے جواب میں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ تمام صفات کمالات کا حامل ہے، سے انسانوں کے خوف کھانے اور ڈرنے کا معنی ان کے اپنے گناہوں سے خوف کھانے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگ طاقت ورنظام سے خائف ہوتے ہیں کہ مبادا وہ ان پر ظلم و ستم کرے اور خدا تعالیٰ ایسا قادر عادل ہے جو ظلم سے منزہ ہے۔ لوگ طاقت ورجاہل سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ نادانستہ طور پر انہیں اپنے ظلم کا نشانہ نہ بنائے اور اللہ تعالیٰ عالم قادر ہے اور جہل و نادانی سے مبرا اور پاکیزہ لوگ بے وقوف قدرت مند سے خوف کھاتے ہیں کہ جو کبھی کبھار فضول عمل سے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم بے ہودہ اور لغو کام انجام نہیں دیتا۔ لوگ ایسے طاقتور سے ڈرتے ہیں جو اپنی خامیوں اور خسارے کو پورے کرنے کے لئے دوسروں کے مال، عہدہ یا زمین اور پانی یا دوسرے وسائل زندگی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کہیں ان سے ظلم و تعدی سے پیش نہ آئے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے جو غنی بالذات ہے اور اس کی ذات اقدس میں کسی قسم کی کمی اور نقص نہیں ہے۔

[۱] صحیفہ سجادیہ۔ دعائے ۱۰

جو خوف اور ڈر اولیاء الہی اور مومنین کو ذات حق تعالیٰ سے ہے اور جس کی طرف قرآن حکیم میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ رب العزت کے بلند و با عظمت مقام کا خوف ہے۔

خدا سے خوف

ارشاد ہوتا ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣١﴾

جو شخص اپنے پروردگار کے مقام سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس اور ناجائز خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے اس کا ٹھکانا بہشت جاوداں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من علم ان الله يراه ويسمع ما يقول ويعلم ما يفعله من خير او شر فيحجز ذلك عن القبيح من الاعمال فذلك الذي خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى. ﴿٣٢﴾

جو شخص یہ جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، جو کچھ وہ بولتا ہے خدا اسے سنتا ہے اور اس کے اچھے برے اعمال سے آگاہ ہے اس کا یہی جاننا اس کے برے کاموں میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے پروردگار کے مقام سے خوف کھاتا ہے اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس کی پیروی سے روکتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ رَبَّكَ لَبِاْلْمِرْصَادِ ﴿٣٣﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام گفتار و کردار کو دیکھتا ہے۔ یعنی بندوں کے تمام کام علم الہی میں ہیں اور کوئی بھی عمل چاہے وہ جتنا بھی چھوٹا ہو اس سے اوچھل نہیں ہے۔

﴿٣١﴾ النازعات۔ ۴۰، ۴۱

﴿٣٢﴾ تفسیر صافی، ص ۵۱۷

﴿٣٣﴾ النجر۔ ۱۴

علم و آگاہی کا مقام

اللہ کا مقام و مرتبہ علم و آگاہی ہے۔ خدا مقام بصیرت اور سماعت ہے، مقام خدا بندوں کے افکار اور اعمال پر احاطہ ہے اللہ کے مقام کی مثال نگران اور محافظوں جیسی ہے جو کسی چیز کی نگرانی پر مامور ہوں۔ مقام خدا مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مخالفت ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ کا مقام نیک لوگوں کو جزا دینا اور برے افراد کو سزا دینا ہے۔ اس لئے اللہ سے ہمارا ڈر اور خوف ہمارے اپنے گناہوں سے ڈر اور خوف کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ وہ گناہ جو ہم اپنے ارادے اور مرضی سے انجام دیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں سزا کا حقدار بناتا ہے۔

مذکورہ تشریح سے امام صادق علیہ السلام کی حدیث کی وضاحت ہو گئی کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ خدا پر حسن ظن کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی چیز سے امید نہ رکھو اور اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز سے نہ ڈرو۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی خوف ورجا کے حوالے سے یہی بات ایک روایت میں اپنے دوستوں سے فرمائی ہے۔

لا یرجون احد منکم الا ربہ ولا یخافن الا ذنبہ۔^[۱]

تم میں سے کوئی بھی ہرگز خدا کے سوا کسی سے امید نہ رکھے اور اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز سے خوف نہ کھائے۔

عادل و زیر انصاف کا ڈر

وزیر انصاف ایسے مقام کا حامل ہوتا ہے جو قانون کے سبب قاتل پر مقدمہ دائر کرتا ہے اور اسے عدالت کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتا ہے۔ وہ اس مقدمے کا اس قدر پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ قاتل کو بعنوان قصاص سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا جائے اور وہ پھانسی کے تختے پر چڑھ جائے۔

انسانی قتل اور وزیر انصاف کا عہدہ

وزیر انصاف اگر ذاتی طور پر عادل، انصاف پسند، بااخلاق، مہربان، ہمدرد اور بافضیلت انسان ہو تو لوگوں کو اس سے کوئی بھی ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔ البتہ وہ شخص جس نے ارتکاب جرم کیا ہے اور ایک بے گناہ شخص کو موت کے گھاٹ اتارا

ہے وہ اس سے بہت خوفزدہ ہوگا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اسے عدالت میں پیش کرے گا اور کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ کیا قاتل خود وزیر انصاف سے ڈرتا ہے یا اس کے مقام سے ڈرتا ہے؟ البتہ وزیر انصاف کا مقام بھی ایسا مقام و عہدہ جو مستحق کو اس کا حق دلاتا ہے اور قاتل کو اپنے انجام تک پہنچاتا ہے۔ کیا وزیر انصاف کے عہدے نے قاتل کو خوف و ہراس سے دوچار کیا ہے یا بے گناہ شخص کے قتل نے؟ واضح ہے کہ وہ قتل کی وجہ سے خوف زدہ اور ڈرتا ہے۔ اس نے اگر قتل نہ کیا ہوتا تو وزیر انصاف سے کبھی بھی خوف نہ کھاتا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اولاً قاتل کا خوف وزیر انصاف کے مقام اور مرتبے سے ہے۔ ثانیاً اس کے ڈر کی وجہ سے اس کا ارتکاب جرم ہے۔ یعنی مجرم اور گناہگار فقط اپنے گناہ سے خائف ہے۔

اسلام کے ماننے والوں کا اللہ تعالیٰ کے مقام سے ڈر اسی طرح کا ہے یعنی عارف و آگاہ مومنین فقط اپنے گناہ اور جرم سے خوف زدہ ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ ہی ہے جو انہیں بارگاہِ الہی میں موردِ مواخذہ اور سوال قرار دے گا اور ان کی سزا کا موجب بنے گا۔

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اسلام کے پیشواؤں اور رہبروں نے اپنے پیروکاروں کو سختی سے تاکید ہے کہ وہ اپنے اندر خوف اور امید میں توازن و تعادل برقرار رکھیں اور ہر وقت توازن کا خیال رکھیں تاکہ ناامیدی یا غرور کا شکار نہ ہوں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے اقوال میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کا عفو و بخشش کا پلڑا اس کے سزا و عذاب کے پلڑے سے بھاری ہے۔ یہاں پر بطور شاہد امام سجاد علیہ السلام کے دو جملے ذکر کئے جاتے ہیں جو صحیفہ سجادیہ میں بیان ہوئے ہیں۔

یا من عفوہ اکثر من نعمتہ و یا من رضاہ اوفر من سخطہ۔^[۱]

اے وہ جس کا عفو اس کے عقاب سے بیشتر ہے اور جس کی رضا اس کی ناراضی سے زیادہ ہے۔

انت الذی عفوہ اعلیٰ من عقابہ وانت الذی تسعی رحمته امام غضبہ

وانت الذی عطاؤہ اکثر من منعه۔^[۲]

تیری ذات وہ ہے جس کی بخشش اس کے عقاب پر برتری رکھتی ہے۔ تیری ذات وہ ہے جس کی رحمت

اس کے غضب سے آگے ہے اور تو وہ ہے جس کا انعام اور عطا اس کے محروم کرنے سے زیادہ ہے۔

شاعر اسی مطلب کو اپنے انداز میں بیان کرتا ہے:

[۱] صحیفہ سجادیہ، دعائے ۱۲

[۲] صحیفہ سجادیہ، دعائے ۱۶

رحمت او سابقت از قہر او
سابقی خواہی برو سابق بجو
اس کی رحمت اس کے قہر پر سبقت رکھتی ہے اگر سبقت چاہتے ہو تو سابق کو تلاش کرو۔

رحمت او بیحد است و بیکراں
او حکیم است و کریم و مہربان
رحمت اس کی بے حد اور بیکراں
وہ حکیم ہے اور کریم و مہربان
سبق رحمت گشت غالب بر غضب
ای بدیع افعال نیکو کار رب

اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔ اے رب کے بدیع افعال اور نیک بندے۔

مغفرت اور عفو الہی

قیامت میں مختلف وسیلوں سے حضرت حق تعالیٰ کی بیکراں اور لامحدود رحمت گناہگاروں کے شامل حال ہوگی اور ان کے گناہ قابل عفو و مغفرت قرار پائیں گے۔ روایات بتاتی ہیں کہ وہ وسائل اور ذرائع جو انسان کی رحمت اور مغفرت کے فیض تک پہنچا سکتے ہیں ان میں سے ایک خدا پر حسن ظن ہے۔ باایمان اور مومن افراد اگر اس دنیا میں اپنے افکار کو رحمت الہی کی امید سے پروان چڑھائیں اور اپنے دلوں میں اس کی مقدس ذات کے بارے میں نیک گمان رکھیں تو روز جزا گناہوں کی مغفرت کے لئے ان کے پاس مناسب وسیلہ موجود ہوگا اور امید کی جاتی ہے کہ خدا پر حسن ظن رکھنے اور اس کی رحمت کی امید کی وجہ سے وہ عذاب اور عقاب سے دہائی پالیں گے۔

راوی امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

يؤتى بعيد يوم القيامة ظالم لنفسه فيقول الله ألم امرك بطاعتي؟ الم
انمك عن معصيتي؟ فيقول بلى يا رب ولكن غلبت على شهوتي فان تعذبني
فبذنبى لم تظلمني فيأمر الله به الى النار فيقول: ما كان هذا ظني بك
فيقول ما كان ظنك بي: قال كان ظني بك احسن الظن فيأمر الله به الى

الجنة فيقول الله تبارك وتعالى لقد نفعك حسن ظنك بي الساعة. [۱]

قیامت کے دن اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ایک بندے کو مقام حساب پر لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیا تجھے میں نے اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ کیا تجھے اپنی نافرمانی سے منع نہیں کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں میرے پروردگار! لیکن میری شہوت مجھ پر غالب آگئی اور میں نے ارتکاب گناہ کیا۔ اب اگر تو مجھے میرے گناہوں پر عذاب دے گا تو تو نے ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں ڈالے جانے کا حکم کرے گا۔ گناہگار کہے گا بارِ الہا تیرے بارے میں میرا یہ گمان نہ تھا۔ ارشاد ہو گا تم کیا گمان کرتے تھے؟ وہ جواب دے گا میرا بہترین گمان عفو و مغفرت تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا اس کے بارے میں بہشت کا حکم صادر کرے گا اور فرمائے گا کہ جو حسن ظن تو نے میرے بارے میں رکھا اس وقت اس نے تجھے فائدہ پہنچایا ہے۔ شاعر مفہوم حدیث کو یوں بیان کرتا ہے:

بندہ	گوید	آنچه	فرمودی	بیان
صد	چنانیم	صد	چنانم	صد چنان
لیک	بیرون	از	جہاد و	فعل خویش
از	ورئی	خیر	و شر	و کفر و کیش
بود	امیدم	به	عفو	و رحمت
بر	عطایای	بزرگ	و	رافت
امر	آید	با	آزار	یدش بہا
کہ	بدستش	چشم	دل	سوی رجاء
بر	گمان	خوب	آزادش	کینم
وان	خطابا	راہمہ	خط	برزیم

مجموعی طور پر اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر حسن ظن اور اس کی لامحدود رحمت کی امید روز جزا میں انسان کی نجات کا وسیلہ ہے۔ لیکن رحمت الہی سے امید کے ساتھ ساتھ اس کے عذاب سے خوف کو فراموش نہ کیا جائے اور اپنے رب پر نیک گمان رکھنے کے ہمراہ گناہوں پر عقاب کو نہ بھلایا جائے کیونکہ اس صورت میں انسان غرور میں مبتلا ہو جاتا

[۱] وسائل، ج ۱۱، کتاب جہاد، ص ۱۸۲

ہے اور ہلاکت و تباہی کی گھاٹی میں جاگرتا ہے۔ اسی لئے دین کی پیشواؤں نے ہمیشہ خوف و رجاء کی بات کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو ڈرا اور امید کی وصیت کی ہے۔

اولیاء دین اور امید و خوف کی وصیت

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

ان استطعتم ان یشتد خوفکم من اللہ ویحسن ظنکم بہ فاجعوا بینہما
فانما یکون حسن ظن العبد بر بہ علی قدر خوفہ فان احسن الناس باللہ
ظنا اشدہم خوفا فدعوا الأمانی منکم وجدوا واجتهدوا وادوا الی اللہ
حقہ والی خلقہ فما مع احد برأة من النار ولیس لاحد علی اللہ حجة ولا بین
احد و بین اللہ قرابة. [۱]

اگر ہمت کر سکتے ہو تو اپنے دل میں اللہ سے شدید خوف اور اس پر شدید حسن ظن رکھو اور ان روحانی حالتوں کو اپنے اندر راسخ کر لو کیونکہ ہر نیک انسان کا اپنے خدا سے خوف اس کی ذات سے امید کے برابر ہے۔ بے شک خدا پر حسن ظن کے لحاظ سے بہترین افراد وہ ہیں جن کا اللہ سے خوف بیشتر اور شدید تر ہے۔ خام خیالیوں اور آرزوؤں کو ترک کر دو، جدوجہد اور کوشش کرو، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرو، کسی کے پاس بھی آگ سے آزادی کا پرواہ نہیں ہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر دلیل اور حجت نہیں رکھتا اور کسی کی بھی اللہ سے رشتہ داری اور قرابت نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

کتاب معاد کے دوسرے حصے کا ترجمہ بتاریخ ۱۵ شعبان بروز جمعہ المبارک ۱۴۱۴ ہجری ۱۲ بج کر پانچ منٹ پر اختتام کو پہنچا۔

الاحقر

سید حسنین عباس گردیزی

حوزہ علمیہ قم المقدس